Dar Kanvat

فسانہ حیرت افزا ہوش ربا

عُرف

پدماوت

یعنی

ایک سچی داستان

مُصنفہ

مُنشی سالگ رام صاحب سالک و مُسافر دُنیا۔ ہیڈ ماسٹر
سبھا ہائی سکول کپورتھلہ مُصنف بوا سکھشا سیر کشمیر و
پدماوت

ہفتہ وار پریس لاہور میں باہتمام بابو آتما رام کی چھپی

Dar Kanvait

زمزمہ سنجی بلبلِ خامہ حمدِ باری و مناجاتِ مصنف بدرگاہِ قاضی الحاجات بعجز و زارے

میرے مالک تیری ہے بادشاہی — فلک پر ماہ سے لے تا بماہی
بچھایا آب پر تو نے زمیں کو — مکاں اس پر دیا ہر اک مکیں کو
بنایا آدمی کو سب میں ممتاز — ہر اک مخلوق پر کر کے سرافراز
پری زاداں ملایک حور و غلماں — طیور و وحشی و ماہی و حیواں
ہر اک انساں کی خدمت کو بنایا — ہر اک نے اُس کے آگے سر جھکایا
ہزاروں نعمتیں کی ہیں مُہیّا — ہزاروں راحتیں اک اک سے اعلیٰ
اگر اس رُتبہ کو پا کر بھی انساں — بجا لائے نہ تیرا شکر و احساں
رہے تیری عبادت میں نہ مشغول — عنایاتوں کو جاوے یک قلم بُھول
اُس انساں کو کسی پر کیا فضیلت — بہت غدّار ہے وہ بے حمیّت
خدا کا خوف اور شکر اور عبادت — یہی تینوں ہیں انساں کی فضیلت
پھر اس پر ہو تیری بھی مہربانی — کہ ہے جزوِ ضعیف انسان فانی
یہ سالک ہے تیرا بندہ گنہگار — کرم کر اس پہ اے معبود غفّار
عطا کر کچھ اسے روشن بیانی — کہ ہو واقف باسرارِ نہانی
لکھے جو بات ہو از بس مؤثر — پڑھیں اُس کو بشوقِ دل منوّر
اگر ہو نثر آب و تاب کی ہو — اگر ہو نظم معنی سے بھری ہو
ہر اک نقطہ کا مُنہ تاثیر سے بھر — ہر اک مرکز کا خوبی دایرہ کر
جو فقرہ ہو نہ ہو خالی اثر سے — مزا دہ چند دے وہ شعر تر سے
جو سطریں ہوں مثالِ سلکِ گوہر — بڑھی نظم ثریا سے ہوں یکسر
کریں اُن کو پسند اربابِ معنی — کہیں تحسیں سب اصحابِ معنی
دُعائے خیر سے [illegible] کریں یاد — رہیں خود شاداں خوشوقت و دلشاد

گلفشانیٔ بہار طبع بر انگلیں مدحت خدیو گیہان راجۂ راجگان جناب مہاراجہ جگت جیت سنگھ صاحب بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی والیٔ ریاست کپورتھلہ و علاقجات اودھ وغیرہ ادام ملکہٗ و اقبالہٗ

نسیمِ معنی اب گلفشاں ہے | بیانِ مدحتِ شاہِ جہاں ہے
پسِ مدحِ خداوندِ حقیقی | ثنائے پادشاہ لازم یہاں ہے
کہ وہ بھی ہے خداوندِ مجازی | نگہدارندۂ امن و اماں ہے
خصوصاً ہو اگر شہ عادلِ دہر | خدا کی مہربانی کا نشاں ہے
دیا حق نے ہمیں ایسا مہاراج | کہاں ایسا جہاں میں حکمراں ہے
عدالت کی اگر پوچھو تو ایسی | ثنا خواں جس کا ہر پیر و جواں ہے
سخاوت دیکھ کر کہنا پڑے ہے | گہر ریزی میں بحرِ بیکراں ہے
شجاعت میں نظیرِ رستم و سام | بدانائی ارسطوئے زماں ہے
سکندر صولت و جمشید اقبال | فریدوں حشمت و دارا نشاں ہے
نگہبانِ ثغورِ ملک و ملت | پناہِ عاجزان و بیکساں ہے
شمیمِ فیض سے اُس کے معطر | بحمد اللہ زمین و آسماں ہے
ہمائے ہمتِ عالی کا سایہ | فلک پر چترِ فرقِ فرقداں ہے
اراکینِ ریاست میں سے ہر ایک | تجربہ کار لائق کارواں ہے
عدالت گُستری ہے کام سب کا | ریاست آجکل باغِ جناں ہے
خوشی کے چہچہے ہر سو ہیں گھر گھر | بہارِ بوستانِ بےخزاں ہے
خداوندِ دو عالم سے دعا ہے | کہ جب تک عرش و لوح اور لامکاں ہے
رہے جگ میں مہاراجہ سلامت | اُسی سے راحتِ دلہا و جاں ہے
رہے فرمانِ عالم پر سراسر | رواں گنگ و جمن جبتک رواں ہے
کہاں ایسا مہاراجہ کہ جس نے | بذاتِ خود کیا سیرِ جہاں ہے
یہی ہے وہ مہاراجہ بہادر | ظفر جس کے قرین و ہمعناں ہے
سکندر جس جگہ پہنچا وہ ہو گا | گیا گو آپ با صد عز و شاں ہے

مُبارک نام ہے سنگھ اور جگت جیت — کیا تسخیر عالم بیگماں ہے
بعمر و صحت و اقبال و عزت — ہر اک کے یہ دُعا وردِ زباں ہے
نگاہِ مہر سالک پر سدا ہو — تیرا بندہ دُعا گو مدح خواں ہے

سببِ تالیف ایں نسخۂ عبرت انگیز رقت خیز

اس جہان میں انسان تو بیشمار ہیں لیکن آدمی ڈھونڈو تو بہت کم ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے ؎ نیست جز انساں دریں عالم کہ بسیار ہست و نیست۔ مُبارک ہیں وہ لوگ جو یادِ معبود سے قلب کی صفائی کریں۔ پیرایۂ دانش و بنیش سے آراستہ ہو کر ناخنِ تدبیر سے محتاجوں کی مُشکلات کی گرہ کشائی کریں پرمیشور نے جاہ و اقبال دیا ہو۔ دولت دنیا سے مالا مال کیا ہو۔ پھر بھی غرور کو پاس تک نہ آنے دیں۔ فروتنی کا دم بھریں اُن کے حُسنِ سلوک کی سب تعریف کریں انہیں صفات سے موصوف ہیں سر افسر نامدار یگانۂ روزگار جناب بابو ہری چند صاحب بہادر کلکٹر ریاست کپورتھلہ و منیجر سبھا ہائی سکول کپورتھلہ اپنے آقا کے خیر خواہ۔ خدا ترس۔ علم دوست۔ رعیت نواز۔ عاجز پناہ ہیں۔ مخزن ستودہ صفات و جامع کمالات انہیں کہیں تو زیبا ہے۔ ایک روز مجھے کہنے لگے افسانۂ پدماوت بڑا دلکش بیان ہے۔ تاریخی داستان ہے۔ راجپوتوں کی بہادری کا سچا فوٹو اُنکی عورات کی وفاداری و عفت شعاری کا عُمدہ نمونہ۔ رزم و بزم کا صحیح نقشہ۔ حُسن و عشق کی باتیں۔ ناز و غمزہ کی گھاتیں۔ راحت و انبساط کے سامان۔ کلفت و رنج کے دلسوز بیان۔ وصل کی تیاریاں۔ ہجر کی جفا کاریاں اس میں عجوبی دیکھنے میں آتی ہیں۔ اُردو کی زبان میں یہ لکھی جائے تو خاص و عام کو بہت پسند آئے۔ میں نے اُن کا فرمان بسر و چشم منظور کیا۔ اُسیدن سے فرصت کے گھنٹوں میں اس کام کا بنانا اپنا دستور کیا۔ اُمید کہ جو کچھ رطب و یابس لکھا گیا ناظرین با تمکین قبول فرما کر ممنون و مشکور فرما دیں گے ۔

نیاز مند سالگ رام۔ سالک و مُسافرِ دُنیا
ہیڈ ماسٹر سبھا ہائی سکول کپورتھلہ

پہلا باب

سنگلدیپ

جزیرہ سنگلدیپ جسکو شاستر میں لنکا لکھا ہے مسلمان سراندیپ کہتے ہیں اور انگریز سیلان بولتے ہیں۔ جنوبی کنارہ ملک کرناٹک سے چوبیس کوس کے فاصلہ پر بحر ہند میں واقع ہے شکل میں نارنگی سے ملتا جلتا ہے۔ ہندوستان کے جنوب میں ایسا دکھائی دیتا ہے جیسا کسی وھگدھگی میں آویزہ لٹکتا ہے۔ اس جزیرہ کا طول دو سو ستر میل عرض دو سو پینتالیس میل گھیرا ساڑھے سات سو میل اور آبادی کوئی پچیس لاکھ آدمی کی ہے اس کے اندر سب سے بڑے دریا کا نام مہاولی گنگا ہے جو دو سو میل لنبا ہے چوڑا اتنا کہ اسی میں خاصی طرح ناؤ بڑے چلتے ہیں کناروں کی زمین سیراب ہتی ہے۔ غلہ افراط سے پیدا ہوتا ہے جس سے سب امیر و غریب پلتے ہیں۔ پہاڑ اس میں کچھ اوپر آٹھ ہزار فیٹ تک کے بلند ہیں میدان فرحت افزا اور دلپسند ہیں۔ بعض لوگ اس کو زمین کی زرخیزی و زرریزی کے باب میں کشمیر کا ہم پلہ بتلاتے ہیں۔ مشرقی شاعروں نے اس کی تعریف و توصیف میں بہت کچھ مبالغہ کیا ہے جس کی انتہا یہ ہے کہ فردوس زمیں کا اس کو خطاب دیا ہے۔ حقیقت میں وہ سچے ہیں پہاڑ ہیں کہ سر سے پاؤں تک سبزی سے ڈھانپے ہوئے درخت میووں سے لدے ہوئے میدانوں میں ایک گلزار سدا بہار کا عالم نظر آتا ہے جھیلوں میں چشمۂ حیوان کا سا لطف پایا جاتا ہے۔ دریا ہیں کہ کان گہر ہیں۔ گھاٹیاں ہیں کہ سونے چاندی کا گھر ہیں۔ نمک۔ لوہا۔ پھٹکڑی پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ نیلم مانک کٹیلا۔ گومیدک بلور کانوں میں ملتا ہے۔ کالی مرچ۔ دارچینی زیادہ تر اسی کی بدولت ہندوستان میں ہے۔ قہوہ ایسا عمدہ پیدا ہوتا ہے کہ اسکی شہرت ایک جہان میں ہے۔ وہ یقینی موت کی صورت جسے شیر کہتے ہیں بالکل مفقود ہے۔ ہاں ہاتھی جسکی مضبوطی و چالاکی کا ایک عالم ثنا خواں ہے۔ اس افراط سے موجود ہے کہ ایک انگریز نے ایک برس کے عرصہ میں دو سو سے اوپر شکار کئے تھے۔ یہاں کے باشندے ان سے ہل جوتنے اور بوجھ ڈھونے [illegible] کا کام لیتے ہیں [illegible] جن کے پروں کی کلغیاں

بادشاہ لوگ اپنے تاجوں میں سجاتے ہیں - اس جزیرہ کے بنگلوں میں عام ہے - ان صفات کے لحاظ سے تو بیشک فردوس زمین اس کا موزوں نام ہے - موتی جو اس جزیرہ کے دریاؤں سے نکلتے ہیں اس کثرت اور ایسی آب و تاب کے روئے زمین پر کہاں ملیں گے - ان موتیوں کے نیلام سے جو روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل ہوتا ہے اُس کی اوسط آ - فی ساڑھے چودہ لاکھ روپیہ فی سال بیان کرتے ہیں آب و ہوا اور اعتدال موسم کے باب میں بھی یہ جزیرہ نہایت خوب ہے اسیواسطے یہاں کی خوبصورتی طبائع کو مرغوب ہے - سنگھالی ملباری مسلمان یہ تین قومیں آجکل یہاں آباد ہیں - غریب مزاج اور ملنسار ہیں اس لئے اپنی اپنی حالت میں خُرّم و شاد ہیں - سنگھالی جن کا مذہب بُدھ ہے یہاں کے اصلی باشندے ہیں انکی نسل کا پتہ لگانے سے ثابت ہوا ہے کہ ہندوستانیوں سے مگر پیدا ہوئے ہیں گو زبان جُدا ہے لیکن اور بہت سی باتوں میں ان سے ملتے ہوئے ہیں - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جزیرہ وہ لنکا نہیں ہے جس میں راجہ راون نے اپنا سونے کا محل بنایا تھا اور ہنومان نے اُس کو جلایا تھا لیکن یہ قول اُن کا درست معلوم نہیں ہوتا - کیونکہ نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے قریب سب سے بڑا جزیرہ جسے راماین میں لنکا لکھا ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں سیت بند رامیشور کے نشانات بھی جو سمندر میں بعض بعض جگہ آجتک دیکھنے میں آتے ہیں سیدھے اسی جزیرہ کیطرف اشارہ کرتے ہیں - اہل یوروپ نے تقریباً سارا بحر ہند چھان مارا ہے لیکن سوائے اس جزیرہ کے اور کوئی جزیرہ لنکا اُنہیں نہیں ملا - جس جزیرہ سنگلدیپ میں مسلمانوں کے قول کے مطابق حضرت آدم بہشت سے گرے ہیں وہ سنگلدیپ بھی یہی جزیرہ ہے - کیونکہ ہمالل پربت کی چوٹی پر جس کی بلندی سطح بحر سے سات ہزار فیٹ ناپی گئی ہے - ایک پتھر پر ایک بہت بڑا آدمی کے پاؤں کا سا نشان لگا ہوا ہے اسیکو مُسلمان لوگ حضرت آدم کے پاؤں کا نشان بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں آدم جنت سے یہاں گرا تھا - لیکن بُدھ کے پیروا سے بُدھ کے قدم کا نشان کہتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ وہ یہاں سے بہشت کو چڑھا تھا - صدہا برس تک اس جزیرہ پر ہندوؤں کی حکومت رہی ہے - مگر سولھویں صدی مسیح میں وہاں کے راجہ نے عربوں کے حملوں سے تنگ آ انگریزوں سے مدد طلب کی - اُنہوں نے امداد تو دی لیکن اس

جزیرے کو کانِ زر دیکھکر اُن کے دہانِ طمع میں پانی بھر آیا۔ راجہ کو زیر کر کے خود متصرف ہونا چاہا اُنکی یہ بدنیتی خدا کو پسند نہ آئی جلد ہی ڈچ لوگوں نے اُنکو زیر کر کے راجہ کو نجات دلوائی مگر اپنا تصرف بھی بحال رکھا۔ سچ تو یہہ ہے کہ راجہ اُن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی رہ گیا اختیار جسکو کہتے ہیں وہ ڈچوں ہی کے ہاتھ تھا۔ جب یوروپ میں انگریزوں اور ڈچوں کی مٹ بھیڑ ہوگئی تو انگریزوں نے اُنکو لنکا سے بھی نکال باہر کیا اور اصلی راجاؤں کی اولاد میں سے ایک شخص کو تخت پر بیٹھا دیا اس خاندان کا آخری راجہ شری بکرم راج سنگھ ہوا ہے جسکو انگریزوں نے ۱۸۱۵ء میں بوجہ رعایا پر ظلم کرنے کے معزول کر کے سارے ملک پر اپنا عمل دخل کر لیا۔ اب اس جزیرہ پر ایک گورنر صاحب حکمران ہیں جو براہ راست پالیمنٹ انگلستان کے زیر فرمان ہیں کولمبو دار الخلافہ ہے جس کا عرض شمالی ۷ درجے ۵۷ دقیقے اور طول شرقی ۸۰ درجے ہے۔ قلعہ عین سمندر کے کنارے پر بڑا مضبوط بنا ہوا ہے کانڈی اس سے ساٹھ میل گوشہ شمالمغرب کیطرف آباد ہے سنگل کے قدیم راجا لوگ یہیں بود و باش کیا کرتے تھے ❊

دوسرا باب

گندھرب سین

۸۰ء کے قریب اس جزیرہ لنکا پر راجہ گندھرب سین کا راج تھا عجب نیک نیت فقیر دوست صاحب تخت و تاج تھا اُس کی یہ تعریفیں تو ذرا مبالغہ متصور ہونگی کہ شجاعت میں رستم سیستان تھا سخاوت میں حاتم زمان تھا حکمت میں ارسطو کا بھی اُستاد تھا معدلت گستری میں کسرے بن قباد تھا اس کی ریاست میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے چیتے ہرنوں کو دیکھ کر جیتے تھے۔ البتہ صاف الفاظ میں پیارے ناظرین کو اس بات سے آگاہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راجہ گندھرب سین ایک حسین انسان تھا جس کی صورت دیکھتے ہی جی خوش ہو جاتا۔ اُس کا لنبا موزوں قد گویا حکومت ہی کے واسطے بنا تھا۔ چہرا بھرا ہوا رعب و شان آنکھوں سے جلال اور رحم ٹپکتا تمام اعضا متناسب پیشانی

سے لمعانِ انوارِ فراست نمایاں ان جسمانی خوبیوں کے سوا راجہ گندھرب سین روحانی
اور اخلاقی صفات سے بھی متصف تھا نورِ شمعِ عدل۔ معدنِ علم و فضل اخترِ برجِ شجاعت
و فتوت گوہرِ درجِ سخاوت و مروت شمسِ سپہرِ عظمت قمرِ آسمانِ تمکنت و ابہت فلکِ حشمت
و جلال درۃ التاج ثروت و اقبال افتخارِ شاہانِ جہاں سلیم الوضع حلیم الطبع دادرسِ فریاد
بیکساں گو راجہ کو ایک مطلق العنان بادشاہ کا منصب حاصل تھا لیکن اُس کے ہاتھ سے
ظلم بہت کم ہوتا رعایا کو اُس سے اس قدر محبت تھی کہ اُس کی کلام کو منبعِ الہام اشارات کو
کرامات اور تابعداری کو باعثِ نجات جانتے تھے۔ گو ملک کا قانون راجہ کی زبان کے
ماتحت تھا تاہم لڑائی جھگڑے بہت کم واقع ہوتے لوگ آپسمیں بڑے اتفاق سے
رہتے سہتے۔ اُس وقت جزیرہ وسعت میں گو آب سے کچھ بہت بڑا نہو لیکن ایک بہت
بڑی زبردست سلطنت تھی۔ اردگرد کے تمام چھوٹے جزیرے اُس کے ماتحت تھے
جن کے راجے وقت بنے پر اپنی اپنی فوجیں لے کر اپنے سائیں کے جھنڈے تلے آموجود ہوتے
تھے اور جہاں اُس کا پسینہ گرتا اپنا خون بہانے کو تیار رہتے۔ علاوہ ازیں اُس کی اپنی جنگی
طاقت کا یہ حال تھا کہ پچاس ہزار سوار اور اس سے دوچند پیادہ لشکرِ جرار ہر وقت مرنے مارنے
پر تیار تھے سات ہزار فیلان جنگی تھے جنہیں دیکھکر خوف آمے میدان کارزار میں اُن کی
صف بندی دیکھکر عدوے نامراد کی جان نکلجاوے۔ ہر ایک خطرہ کے موقعہ پر ایک مستحکم
قلعہ بنوایا تھا۔ ایسے پچاس قلعوں سے وہ جزیرہ بجائے خود ایک حصنِ حصین تھا اُس کے فتح
کرنیکا کسکو یقین تھا۔ دار الخلافہ کی مضبوطی اور بھی زیادہ کر رکھی تھی بے اجازت شاہی شہر کے
اندر جانے کے لئے طائرِ وہم کا پر پرواز بیکار تھا۔ مرغِ خیال کا وہاں پہونچنا دشوار تھا۔ وسط
قلعہ میں بادشاہی محلات تھے عجیب دلچسپ اور عالیشان مکانات تھے بادی النظر میں تو ہر
ایک مکان برجِ آہنین تھا اندر کا سیر کریں تو نمونۂ خلدِ بریں تھا برجوں پر توپیں چڑھائی ہوئیں
مورچوں میں بندوقیں لگائی ہوئیں پاس پاس گولوں کے ڈھیر بارود کے انبار صرف پڑیں تہ ٹانٹ
فایر کرنے کی دیر اور سب سامان تیار محافظ چار آئینہ باندھے ہر وقت فصیلوں پر پہرہ دیتے ایک
دم غافل نہ ہوتے تھے غضبِ سلطانی میں پڑ کر فرہاد کیطرح جانِ شیریں سے ہاتھ نہ دھوتے
تھے قلعہ کے ایک طرف سمندر تھا جس کا شفاف پانی اُس کی دیوارونکو آئینہ سا صاف رکھتا

باقی تین طرف ایک خندق پُر از آب ذخار تھی - خندق کیا تھی ایک دریائے ناپید اکنار تھی پانچ کوتوال اس کے گرد گھوما کرتے تھے پہرہ چوکی پر خوب چوکس رہتے قلعہ کی سات منزلیں گویا اوپر تلے سات آسمان تھی - رہنے والے اُن کے پری کہو - پریزاد کہو یا حور و غلماں تھے - دروازے پر ایک عجیب طلسم بنایا تھا یعنے دو شیروں کی مورتیں بنا کر دونو طرف ایک ایک شیر بٹھایا تھا - جب کسی اجنبی کو دیکھتے تو گرجتے - زبان نکالتے - دُم ہلاتے - خوف سے انسان کیا ہاتھی ڈر کر بھاگ جاتے اندر قلعہ کی آراستگی کا بیان کچھ نہ پوچھئے - دیواروں پر لاجورد و طلاء چھتوں میں جواہرات دمک رہے تھے گویا آسمان میں ستارے چمک رہے تھے ہر کمرہ میں فرش اطلسی بچھا ہوا جس سے عرش اطلسی شرمسار سب کے سامنے ایک پائین باغ گلزار ارم سے سوا بہار ہر طرف صاف شیریں پانی کی نہریں رواں باغِ جنت کے سارے سامان قلعہ میں ایک قدرتی چشمہ تھا اُس کا احاطہ زمرد کی اینٹوں سے بنایا تھا - موتی جلا جلا کر چونا لگایا تھا اس لئے اُس کا نام موتی چور تھا - پانی اُس کا آبِ حیات اور کیچڑ مشک کا فور تھا بوڑھا پیئے نوجوان ہو جاتے - جوان نوش جان فرمائے تو عمر خضر پائے - سنگلدیپ کے صناعوں نے اس چشمہ کے کنارے ایک درخت بنایا تھا جس کے پتے سونے چاندی کے لگائے تھے پھل ہیرا موتی - مونگا وغیرہ کے بنائے تھے اُس کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے عجیب دلکش آوازیں نکلتیں جنہیں سُنکر خوابِ راحت آئے برسوں کی تکلیف بھول جائے راجہ کے سوا بڑے بڑے اہلکار اور مصاحب بھی قلعہ میں ہی رہا کرتے تھے مگر عام لوگ قلعہ کے گرد شہر میں بستے تھے

تیسرا باب

پدماوت کا کتم عدم سے وجود میں آنا شروع فسانہ

راجہ گندھرب سین جس کی بابت کہا گیا ہے کہ نہایت صاحب تدبیر بخت نصیر اور با اقبال بادشاہ تھا نیکنام حکمران اور اپنی رعایا کا مُربی نگہبان ہونے کے سوا کہ یہ دونو باتیں بادشاہ میں اُس کے اعلیٰ درجے کی خوش نصیبی کا باعث اور موجبِ خوشنودی خدا و خلق خدا ہیں زیادہ خوش قسمت اس سبب سے تھا کہ گھر میں رانی مہ لقا صاحبِ عفت و حیا رکھتا تھا سنگلدیپ کی نو

عام عورتیں بھی بادام چشم پستہ دہن عناب لب سیب زنخدان انار پستان لالہ فام سیمین اندام ہوتی ہیں مگر یہ رانی چنپاوت اپنے ناز و نیاز عشوہ و انداز شیرین گفتار خوبئے رفتار موزونئے قد اور حسنِ ملایک فریب میں کچھہ بہت ہی بڑھ چڑھ کر تھی اُس کے سیاہ بال جو ریشم کی تار سے بھی زیادہ باریک اور ملایم تھے بہت لنبے اور گھنے تھے جب گوندے ہوئے کالے سانپ کیطرح گنڈلی مارے سر پر رہتے تو انکی طرف دیکھنا بڑے خوف کا باعث تھا - جب کبھی نہا دھو کر سکھانے کے لیئے لب بام آکر کھولدیتی تو دیکھنے والے کہتے چاند کے گرد ہالہ ہے یا سانپ نے مونہہ سے من نکالا ہے اُس کی پیشانی کو اکثر ماہِ شب چہاردہم کہتے تھے مگر بعض بخت و دولت کا روشن انجم کہتے تھے - سچ پوچھو تو وہ پیشانی لوحِ سعادت تھی جس کے ایک کنارے منشئ قدرت نے جلی قلم سے ایک نہایت خوشخط مطلع لکھا ہوا تھا لوگ اسکو دو ابروئے خمدار کہتے تھے - صبر و تحمل کی جڑ کاٹنے کی تلوار کہتے تھے - اُس کی آنکھیں لنبی سیاہ اور خوشنما تو تھیں لیکن اُن کو کچھہ ایسے ڈھب سے دیکھنے کی عادت تھی کہ جس پر نگاہ پڑتی ہوش و ہواس کھو بیٹھتا عقل کو رو بیٹھتا - رخسارے ہنسنے میں ماہ پارے تھے غضب میں ہوتی تو آتش کے انگارے تھے - اُس کا مُکھڑا جو نور کا جھمکڑا اور چاند کا ٹکڑا تھا اس سبب سے بھی نہایت پیارا اور دلفریب معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے دانت مانندِ سلکِ گوہر آبدار بہت خوبصورت تھے صدفِ دہن میں اسطرح نمایاں جیسے غنچے کے مونہہ میں موتیے کی کلیاں اُس کے لبوں کو ہم رنگت کے لحاظ سے جانِ مرجان کہہ تو سکتے ہیں مگر نرم و نازک ہونے کی وجہ سے گُلاب کے پھول کی پتی سے بھی مثال دیں تو ناموزوں نہیں - رانی چنپاوت کے حُسن کی تعریف میں کسی شاعر کے یہہ اشعار بہت برجستہ ہیں *

شعر

برخاستہ آتشیں بہارے — پیراستہ نازنیں نگارے

گیسوش بدامن جگر سائے — پیچیدہ ہزار فتنہ در پائے

شاہنشہ غمزہ فوج در فوج — طوفانِ کرشمہ موج در موج

چشمش کہ چو فتنہ مست خفتہ — صد دشنہ در آستین نہفتہ

رویش ز غرور حسن دستی — آئینہ بدست خود پرستی *

زاں رُخ کہ بشعلہ تاب دادہ — آتشکدہ سر بآب دادہ -

ڈیڑھ برس چھپاُت کے حُسن کا جو یہ عالم تھا کہ اُسکی جان روح ایمان اور جسم جانِ پاک تھا گویا اُس کا جسم سراپا لمعۂ نور تھا نہ کہ پتلۂ خاک تھا اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے پیٹ میں ایک نور تھا جو آسمان سے اُتر کر راجہ گندھرب سین کی پیشانی میں آیا اور بعد ازاں رانی کے شکم میں جلوہ فرما یعنے پدماوت نے مستقر رحم میں قرار پایا۔ جب مُدّتِ حمل بسر ہوئی تو چاند برج حمل سے نکل آیا یعنے پدماوت نے عالمِ وجود میں ظہور فرمایا شعلۂ طور کا جلوہ دکھایا سارے سنگلدیپ کو منوّر کردیا لمعانِ انوار ہندوستان تک پہونچے چھ روز تک

دایہ نے نہ پردہ سے نکالی — پتلی سی نگاہ رکھ کے پالی

ساتویں دن باہر لاکر اُس کبصورت راجہ کو دکھائی اُس کی عمر کا بہترین حصّہ اولاد کی آرزو میں صرف ہوچکا تھا۔ ہزاروں دُعاؤں لاکھوں آرزوؤں کے بعد کہیں جاکر یہ مُرادہ پائی تھی دایہ کی گود میں اُس گوہرِ شبچراغ کو دیکھکر باغ باغ ہوگیا۔ سب کو لڑکے کے پیدا ہونے کی خوشی ہوتی ہے۔ خاص کر بادشاہوں میں تو یہ رسم اور بھی عام ہے گر یہاں معاملہ بالکل اس کے برخلاف ہوا۔ راجہ بیٹی کی خوشی میں پھُولا جامے میں نہ سمایا۔ بیدریغ سیم و زر لٹایا۔ از روئے زائچہ کنیا راس پائی گئی۔ پدماوت اُس کنیا کا نام رکھا جس نے اُسے دیکھا جانا سورج کی کرن نکلی تو آنکھوں میں چکا چوندی آئی۔ طبیعت پر ایک بیخودی چھائی وہ بیچارے تو انسان تھے جو اُس کا جلوہ دیکھکر حیران تھے۔ خود ماہِ کامل اُسے دیکھکر گھٹنے لگا یہانتک کہ نابود ہوگیا اور دو روز تک مارے شرم کے باہر نہ آیا تیسرے دن نکلا تو گویا دوبارہ جنم پایا۔

چوتھا باب

پدماوت کا بالپن

راجہ گندھرب سین نے پدماوت کی پرورش کا یہ بندوبست کیا تھا کہ ایک تجربہ کار صحیح المزاج پاکیزہ صورت۔ نیک سیرت دایہ کے چارج میں اُس کو دے رکھا تھا۔ پدماوت کی خوبروئی میں یہ بات پیدا تھی کہ جو اُسے دیکھتی اُس کی صورت کی شیدا تھی۔ دایہ خود ہزار جان سے اُس پر قربان اس سے بڑھ کر اُس کی نگہبان تھی ہمیشہ چشم زخم حوادث سے بچاتی چراغ آسا

تہ و دامن چھپائے پھرتی۔ نظرِ بد کا جو ہر وقت ڈر تھا پتلی کیطرح کبھی آنکھ سے جدا نہ کرتی۔
ہمیشہ دل کیطرح بغل میں پالتی رہی۔ فرائض تعلیم و تربیت کے بجا لانے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔
جب تک چھوٹی نادان تھی کبھی غنچہ کیطرح گہوارہ میں لٹایا کبھی جاڑے کی آگ کیطرح چھاتی
سے لگایا کی۔ مگر جب ہاتھ پاؤں میں کچھ طاقت آئی اور چل پھر کر طبق زمین کو روشن کرنے لگی تو
گاہے گاہے اُسے باغمیں لیجاتی۔ گل و گلزار کا تماشا دکھاتی محل میں لیجا کر ماں باپ کو اُس کی
باتیں سنواتی پدماوت رنگ روپ میں مثل گل تھی تو خوش نوائی میں مانند بلبل تھی۔ تتلا کے
جو باتیں کرتی تھی تو ماں باپ سُن سُن کر عجیب حظ اُٹھاتے تھے مارے ہنسی کے دو دو ہاتھ کا
کلیجہ ہو جاتا گویا جو لفظ تھا توتلی زبان کا ٭ دفتر تھا وہ خوبیٔ بیان کا۔ چار سال تو اسیطرح
کھیل کھود اور لاڈ پیار میں گذرے۔ پانچویں کے شروع میں راجہ نے ایک برہمن بید خوان
شاستر دان بتجربہ کار آزمودۂ روزگار مرد ضعیف ساٹھ ستر برس کا بوڑھا ضعیف پدماوت
کی تعلیم و تربیت کے لئے تعین کر دیا کہتے ہیں جس قدر امرا و وزرا کی بیٹیاں پدماوت کی
ہمسن تھیں وہ بھی اُس کے ساتھ پڑھنے لگیں ان سہیلیوں اور ہمجولیوں کے سوا پدماوت
کا ہم مکتب بلکہ ہم جماعت ایک طوطا بھی تھا جس سے پدماوت کو ایسی محبت تھی کہ دل کی
پنجرے میں اُس کا مقام رکھا تھا ہیرا من نام رکھا تھا رات دن میں کسی وقت اُس کی
جدائی منظور نہ تھی پاٹھ شالا میں جاتی تو پنجرا ساتھ اُٹھوا لیجاتی جو کچھ خود پڑھتی اُسکو بھی
پڑھواتی۔ بعض طوطوں میں آدمی کی گفتگو کی نقل اُتارنے کی بڑی طاقت ہوتی ہے
اور یہ طوطا تو کچھ اور طوطوں سے بھی نرالا تھا کیوں نہ ہو پدماوت نے پالا تھا پڑھ کر خوب
طاق ہو گیا بڑے بڑے کٹھن اشلوک سہولت کے ساتھ بول سکتا تھا ایسی حیرت انگیز
باتیں کرتا کہ شہرۂ آفاق ہو گیا پڑھتے پڑھاتے جب سات سال گذر گئے تو پدماوت
ذہن خداداد کی صفائی اور استعداد ذاتی کی رسائی سے علوم و فنون میں ہوشیار کیا یگانۂ
روزگار ہوئی فنون فضائل کے سوا فنون ضروریہ فرقۂ اناث میں بھی ماہر تھی۔ کھانے پکانے
میں بھی اُس کی لیاقت کامل ظاہر تھی ہاتھ سے وہ گلکاری کرتی کہ مرقع خیال مانی و بہزاد میں
نہ آئی ہو کھانے کی ہر چیز ایسی لذیذ پکاتی کہ کسی نے عمر بھر نہ کھائے ہو ہوتے ہوتے پدماوت
سیانی ہوئی بارہ برس سے اس کا سن بڑھ گیا یعنے عمر کی اُس منزل کو طے کرنے لگی جس کا

راستہ سہانا اور خوشگوار بھی ہے مگر خطرناک اور دشوار گذار بھی ہے اُس کے ایک طرف خارزار ہے ایک طرف گلزار ہے بالپن کے دن البیلے پن کے ہوتے ہیں کھیلنا کودنا ہنسنا - بولنا اس سن کے لئے قدرتی تقاضا ہے اگرچہ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات جوہر قابل بات بات میں اپنی شان آپ ہونے کی اُمید دلاتا ہے لیکن اُمید کو ہم یقین نہیں کہہ سکتے - پدماوت ہر چند حسن میں مہ پارہ تھی زمین پر زہرہ ستارہ تھی لیکن صنم تھی صنم فریب نہ ہوئی تھی دلربا تھی غارت گر شکیب نہ ہوئی تھی اُس کے کالے سانپوں کو ابھی تک ڈسنا نہ آیا تھا قتلِ عاشق کے لئے کمانِ ابرو کو کسنا نہ آیا تھا مژگان چشم خونریزی کے مشاق نہ تھے غمزہ و کرشمہ بیرحمی میں ابھی طاق نہ تھے آتشین رخسار ابھی اس قدر مالدار نہ ہوئے تھے کہ آتشکدہ اُن سے شعلہ ادھار لے تیغ نگاہ کو ابھی یہ ڈھب نہ آیا تھا کہ دور سے ہی جگر میں چھید کر دے ۔

چاہِ غبغب نے ابھی لوگوں کو کنوئیں جھکانا نہ سیکھا تھا رفتار میں غضب ڈھانیسے گفتار میں خرمنِ دل جلانے سے سروکار نہ تھا اپنے حسنِ خداداد کی آگاہی نہ تھی ہار سنگار بناؤ چناؤ کی پرواہ ہی نہ تھی اب کہ تیرہ چودہ برس کا سن ہوا اور چمن شباب لہلانے لگا تو باپ نے ایک محل پانچ مدیے کا علیحدہ بنوا دیا ہر طرح کے زیب و آرایش و آرام و آسایش کے سامان سے سجا دیا پدماوت اپنے خادموں اور سہیلیوں سمیت اُس میں رہنے لگی حیا کو غلبہ تمیز کی پہلی علامت ہے - پدماوت میں ابتدا ہی سے بہت تھا لیکن اب تو اُس کا بخوبی اظہار ہونے لگا کسی نامحرم کے روبرو ہوتے شرماتی تھی - غیر آواز کان میں پڑجاتی تو چھپ جاتی تھی - پدماوت کی دایہ نے اُسے گانا بھی سکھایا تھا کبھی کبھی وہ سہیلیوں سے مل کر گایا کرتی اُس کی کوئل سی آواز دور تک پہنچ جاتی جو ہمیشہ دل کو ایسی لبھانے والی ہوا کرتی کہ عندلیب بھی سُنکر اپنا طرز بیان بھول جاتی کسی گیت میں پیا اور برہ کے الفاظ جو زبان پر گذر جاتے تو پدماوت کا چہرہ متغیر سا ہو جاتا آواز ذری رُک جاتی ہونٹ کانپ جاتے گویا دل میں جو محبت کی آگ موجود تھی گو وہ شعلہ جوالہ ہو کر نہ بھڑکتی مگر اُسے ذری ہوا سی لگ جاتی

ایک دن سہیلیوں نے پدماوت کو سیر باغ کو جانے اور تالاب مان سروک میں نہانے کے لئے مجبور کیا اُس نے بھی منظور کیا خود تو ہنڈولے میں سوار ہوئی ساتھ وہ بے پر کی

پریوں کی قطار رہوئی قدم بقدم جنگل کیطرف سواری چلی گویا گلشن کی طرف باد بہاری چلی صحرا کہ رم آہو کیطرح وحشت افزا تھا اُن کے وجود سے پریخانہ بن گیا۔ ساکنان صحرا پر اُن کا سایہ پڑنے سے کوئی ہوش سے جاتا رہا۔ کوئی دیوانہ بن گیا۔ بلبل کو صُبح ہی سے بیقراری تھی شاید اُسے کسی گُل کے آنے کی انتظاری تھی سرو سر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتا تھا۔ شمشاد و سرو قد تعظیم کے لیئے کھڑا رہا۔ نرگس چشم براہ تھی۔ سبزہ نے سبز مخمل کا فرش بچھایا تھا۔ اور تاکہ غیر آنے نہ پائے شاید آئے بھی تو پھنس جائے زلفِ سنبل نے جا بجا دام لگایا تھا۔ کلی نے اپنا کمرہ تیار کر رکھا تھا۔ نکہت نے صحن چمن کو عطر میں بسایا تھا۔ لالہ سلامی کے لیئے پلٹن بنا کر لایا تھا پتوں نے مبارکباد کا طنبور بجایا۔ سوسن پر اودی بانات کی وردی سے کچھ اور ہی بہار تھی۔ بادِ چمن پھولوں کی پنکھیاں تیار کر پیشوائی کے لیئے جانے کو تیار تھی غرضکہ اطفال نباتات کا عالم نرالا تھا۔ سب پر حُسن دوبالا تھا۔ جب سواری باغ میں آپہنچی تو پدماوت ہنڈولے سے باہر آئی سب نے خوشی منائی سہیلیاں اِدھر اُدھر گلگشت فرمانے لگیں گُل و گُلزار کے تماشہ سے دل بہلانے لگیں۔ کوئی برگِ چنار کا پنجہ مروڑتی۔ کوئی غنچہ کی گردن توڑتی۔ کوئی لالہ سے ہنسکر پوچھتی تجھے داغ کس نے دیا ہے کوئی گُل سے مسکرا کر کہتی تیرا گریبان چاک کس نے کیا ہے۔ کوئی سنبل سے کہتی تو پریشان کیوں ہے۔ کوئی نخل سے پوچھتی تو حیران کیوں ہے۔ پدماوت سے سہیلیاں کہتیں آج جتنا جی چاہے کھیل لو ماں کا گھر ہے باپ کا راج ہے کل وہ بات کہاں جو آج ہے پھر سسرال میں جانا ہے۔ نیا آب و دانہ ہے وہاں اپنے اختیار سے چلنا پھرنا محال ہے اسطرح کھیلنا کودنا خواب و خیال ہے۔ ساس نندوں کی بولیاں دل کو گھٹائیں گی دیور جیٹھ کی دھمکیاں ہوش اُڑائیں گی سب سے زیادہ مان شوہر کا ہوتا ہے سو دیکھیں وہ کیسا ملے چین سے رکھے یا تکلیف دے۔ پدماوت نے کہا سہیلیو چلو مندر میں چلکر مہادیو کے آگے پرارتھنا کریں کہ ہمیں اچھے ور نصیب ہوں سب کی سب پرارتھنا کے بعد ہنستی کھیلتی تالاب کے کنارے پہنچیں یہاں آکر پوشاکیں اُتار دیں اور نہانے کی تیاری کی آبِ تالاب صورت پر فریفتہ ہو لہرانے لگا۔ لہریں بامید قدبوسی بڑھ بڑھ کر آنے لگیں بیچ میں کناروں سے ٹکرانے لگیں۔ پدماوت سہیلیوں سے سمیت نہانے لگی تالاب کو دریائے نور بنانے لگی اُن کے روشن چہرے پانی

میں ایسے معلوم دیتے تھے کہ آسمان پر سے چاند اور ستارے ٹوٹ پڑے ہیں۔ بے فکر لڑکیاں سانولی کے ساتھ گوری گوری کے ساتھ ہر ایک اپنی اپنی جوڑی کیساتھ کھیلتی تھیں کہ اتفاقاً ایک لڑکی کا چندن ہار کہیں پانی میں گم ہو گیا ہر چند غوطے لگائے مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا عورتوں کو زیور سے بڑی محبت ہوتی ہے کھو جانے سے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ بیچاری صدف سی آنکھوں میں موتی سی آنسو بھر لائی پدماوت کا دل بھی کڑھنے لگا سب سہیلیاں ابھی فکر میں ہی کھڑی تھیں کہ ایک کنیزک جسے پدماوت پیچھے طوطے کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئی تھی مغموم صورت بنائے کانپتی سامنے آ کر رونے لگی اور راجکماری کو یہ خبر سنائی کہ میں طوطے کو چوری کھلانے لگی تھی پنجرہ کھلا رہ گیا اور طوطا میرے ہوش و حواس کیطرح اڑ گیا۔ یہ سنکر پدماوت کا رنگ رو پرواز کر گیا طوطا اگرچہ ٹکے کا جانور تھا لیکن دل کی وابستگی کیوجہ سے اس کے کھوئے جانے کا رنج چندن ہار سے بھی دو چند ہوا ہنسی خوشی کا دروازہ بند ہوا سب نے جلدی جلدی پوشاکیں پہنیں اور محل کو چلی آئیں ٭

پانچواں باب

چتوڑ گڈھ

کیا بلحاظ زرخیزی و زرریزی زمین اور کیا بلحاظ خوشگواری آب و رنگ ہندوستان روئے زمین کے ملکوں کا انتخاب ہے سیاحوں اور مورخوں نے سچ کہا ہے کہ ہندوستان مجموعۂ ہفت اقلیم ہے زبدۂ جہان ہے علاوہ دیگر قدرتی خوبصورتیوں کے حسن و نازکی بھی کان ہے حسن عشق کے ساتھ گرفتار ہے حسن شراب ہے عشق شیشہ ہے حسن نغمہ ہے عشق تار ہے یہاں کے عشق میں یہ بات بڑی عجیب ہے کہ محبت کی آگ میں عاشق و معشوق دونوں کے جلنا نصیب ہے۔ غبار بیوفائی سے یہاں کے عشق کا دامن صاف ہے اڑے وقت موت سے موںہ موڑنا یہاں کے قاعدہ کے برخلاف ہے لوگ کہتے ہیں یہاں کے معشوقوں کی عاشق پرستی خلاف عقل ہے حیرت انگیز ہے دو فتیلہ بحساب خوردہ کا ایک ساتھ جلنا ظاہر بات ہے کیا تعجب خیز ہے سچ ہے۔ جہاں کہیں جذبۂ عشق صادق ہے۔ عاشق معشوق ہے معشوق عاشق ہے۔ لنڈن و چین

کی ارض حسن وعشق کے معاملہ میں مشہور ہیں عرب و عجم کی مہ جبین بھی معروف نزدیک و
دور ہیں لیکن ان کا سوز و درد کچھ اور ہے یہاں کے عشق کا نرالا طور ہے ؎

ہندست ہزار عالم عشق ۔ ہندست و جہان جہان غم عشق
بے نقش فا خط جبینش نیست ۔ بے رنگ جگر گل زمیں نیست
خاکش ہمہ ذرہ ذرہ مہر ست ۔ ہر ذرہ چراغ نہ سپہر ست
آں غمزہ کز جنوں سہیل بست ۔ در دشت عرب یک گل بست
وآں ہم کہ نگار ارمنی جست ۔ وآں نیز کہ بے ستوں کمی جست
ہر یک بدرونہ سوز خس و رشت ۔ تا بوز شرارۂ ہوس درشت
ہندی صنمان آتشین خوئی ؎ ۔ آتش فگنان بہر بن موئی
دل ورز پری وشان مہر ست ۔ در کاوش سینہ ہا سنگدست
زاں غمزہ کہ در خرام کردہ ۔ صد زلزلہ فتنہ رام کردہ
خونی نگہبان کرشمہ کوشاں ۔ ہم خنجر و ہم نمک فروشاں
کو عقل کہ روبرو در آید ؎ ۔ یا صبر کہ در برابر آید
چوں برق نگاہ بدل زند تاب ۔ صد سینۂ آتشین کند آب

ہندوستان میں بھی ایک خطہ ہے - جو حسن وعشق - وفاداری سچی بہادری - دلیری اور جانثاری کے باب میں دنیا بھر میں لاجواب ہے مردوں ہی پر موقوف نہیں - عورتیں بھی وفاداری اور آن پر جان دینے میں غضب ہیں انکی تعریف کے راگ اس ملک میں گھر گھر گائے جاتے ہیں - انکی بہادری کے کارناموں کو سنا سنا کر بھاٹ و میراسی لوگ رزق کماتے ہیں نام اس کا خطۂ چتوڑ ہے - صاحبان یہ وہی چتوڑ ہے جہاں وہ وہ گل پیدا ہوئے - جنکی شمیم عطر بیز سے عالم مہک گیا اور مہکتا رہے گا یہ وہی چتوڑ ہے جس کی حیرت انگیز سچی داستانوں کو ایک عالم عبرت کے طور پر ایک دوسرے سے کہتا ہے - اور کہتا رہے گا - یہ وہی چتوڑ ہے جہاں ۱۵۳۳ء میں رانی کرنوتی بہادر شاہ گجراتی کی دہشت سے تیرہ ہزار سہیلی اور خاصوں سمیت آگ میں کود کر جل مری - اور اس کے واسطے بتیس ۳۲ ہزار کیسریا بانے والے راجپوت لڑ بھڑ کر مارے گئے یہ وہی چتوڑ ہے جہاں آنا نے چھوٹے کنور اودے سنگھ کو بچانے کے لئے اپنا بیٹا بان بیر سنگھ

کی تلوار کی آگ میں جھونک دیا - اور اُف تک نہ کیا یہ وہی چتوڑ ہے جہاں شیر بیشۂ شجاعت و نہنگ قلزم شہامت رانا سانگا ہوا ہے جس کی تلوار کی دھاک سے بابر کی ساری سپاہ تھرا اُٹھی تھی یہ وہی چتوڑ ہے جہاں جیمل کے ماتحت اکبر کے مقابلہ میں تیس ہزار راجپوتوں نے جوہر کیا تھا - مگر ایک نے بھی بھاگنے یا مطیع ہونیکا نام نہ لیا تھا - یہ وہی چتوڑ ہے جہاں کے تخت نے پرتاب جیسے بہادر کے پاؤں چومے - جس کا نام راجپوت اب تک فخر کے ساتھ لیتے ہیں اور جس نے ہلدی گھاٹ کا میدان مارا تھا - جس میں جہانگیر کی جان کے لالے پڑ گئے تھے - یہ وہی چتوڑ ہے جہاں رانا راج سنگھ جیسا شور بیر زیب افزائے سریر سلطنت ہوا ہے - جو اورنگ زیب کی منگیتر دربار جودھپور کی راج کنیا رانی روپنا گڈھ کو بادشاہی سپاہیوں سے زبردستی چھین کرلے گیا - اور جس نے اورنگ زیب کا جو اُس کے ملک پر چڑھ آیا تھا یہانتک ناک میں دم کیا کہ اُسے بمجبوراً دار الخلافہ کو لوٹ جانا پڑا - یہاں یہ بات بھی لکھ دینے کے قابل ہے کہ اورنگ زیب کی نہایت خوبصورت اور چاہیتی بیوی اودیپوری والدہ شہزادہ کام بخش جو ایک عیسائی لیڈی تھی رانا کے ہاتھ آگئی تھی اور اُس نے اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں بعزت تمام اورنگ زیب کے پاس واپس بھیجدی ممکن ہے ہمارے ناظرین میں سے بعض ایسے اشخاص بھی ہوں جنہیں ریاست اور قلعہ چتوڑ گڈھ کے حالات سے کماینبغی آگاہی نہ ہو لہذا اُنکی رائے فیض پیرائے پر مخفی نہ رہے کہ شہر چتوڑ جو کسی زمانہ میں ایک زبردست سلطنت کی راجدھانی ہونے کے باعث ہندوستان کا ایک نہایت پُر رونق اور قابل سیر شہر تھا اب ایک قصبہ سا رہ گیا ہے مگر قلعہ اگرچہ بے آباد اور اجاڑ پڑا ہے ایک پہاڑ کے اوپر جو دیوار کیطرح سیدھا کھڑا ہے - اور جہاں کھڑا نہیں ہے - وہاں سنگتراشوں نے سو فیٹ اونچا چھیلکر دیوار ہی کیطرح بنا دیا ہے بارہ میل کے گھیر میں بنا ہوا ہے - اسمیں جانے کے لئے فقط ایک ہی راستہ ایک میل کی چڑھائی کا ہے - جس میں چھ دروازے پڑتے ہیں - بیرونی دروازہ اگلے وقت کے ہندوؤں کی پُرانی عمارات کی ڈول کا بنا ہوا نہایت بلند اور عظیم الشان ہے - قلعہ میں کئی شوالے اور چھوٹے چھوٹے محل بہت عمدہ بنے ہیں - جن کے پتھروں کی نقاشی دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے - بیروں از حیطۂ بیان ہے - اس کے اندر پانی کے کُل حوض شمار میں تو چوراسی ہیں - لیکن بارہ تو بارھوں مہینے بھرے رہتے ہیں

انہیں لوگ بلوییاں باولیاں کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ عُمدہ چیز وہاں دیکھنے کے لایق دو مینار ہیں۔ جن میں سے چھوٹا تو اب ٹوٹ گیا ہے۔ مگر بڑا مینار جو گھونٹا نو درجے کا ایکسو بائیس فیٹ اونچا رانی میرائی بائی کے خاوند رانا گنبھہ کا سنگ مرمر کا بنا ہوا اب تک موجود ہے۔ اس کے اندر ہر مقام پر مہادیو اور پاربتی کی مورتیں بنی ہیں۔ جن پر نہایت تحفہ نقاشی کی ہوئی ہے۔ اس پر چڑھ کر دور دور کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ قلعہ کو سنسان اور آدمیوں سے خالی پانا۔ ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کا بھیانک نظارہ دس بارہ کوس تک جنگل بیابان کا نظر آنا دل کو ایک عجیب عبرت اور وحشت دلاتا ہے۔ اور اُس کا احوال اگلے زمانہ کی تاریخ میں کا یاد کر کے بے اختیار دل بھر آتا ہے۔ ۱۵۶۸ء تک تو چتوڑ ہی ریاست کا دارالخلافہ رہا۔ مگر اس وقت جب شہنشاہ اکبر نے قلعہ کو آن گھیرا تو رانا اودے سنگھ نے کئی ایک سخت لڑائیوں کے بعد قلعہ اپنے قلعدار جیمل کے سپرد کر کے چتوڑ سے ستر میل کے فاصلہ پر گوشۂ جنوب مغرب کو جھکتا ہوا پہاڑوں کے نرغہ میں ایک اور شہر بسا کر اپنا دارالسلطنت مقرر کیا اور نام اس کا اودے پور رکھا جو آجتک اس راج کا دارالخلافہ چلا آتا ہے۔ اس کا عرض شمالی ۲۴ درجہ ۳۵ دقیقہ اور طول مشرقی ۷۶ درجہ ۲۴ دقیقہ ہے۔ زمین اس ریاست کی عموماً کوہستانی ہے۔ راستوں میں جھاڑیاں اور گھاٹیاں بہت پڑتی ہیں۔ لوہا۔ تانبا۔ جست۔ اور گندھک کی ان حدود میں کانیں پائی جاتی ہیں۔ سیاحوں کے لئے اس ریاست میں عجیب چیز دیکھنے کے لایق ایک جھیل ہے۔ جس کا نام راج سمندر ہے۔ یہ جھیل شہر سے پچیس میل شمال کیجانب پہاڑوں کے اندر بارہ میل کے گھیر میں واقع ہے۔ اس میں ایک بند سنگ مرمر کا طول میں چھ میل کا بندھا ہے۔ جھیل میں اُترنے کے لئے برابر سیڑھیاں لگی ہیں۔ جن پر تکلف اور زینت کیلئے دو تین خصوصاً بڑے بڑے ہاتھی اسی پتھر کے تراش کر لگائے ہوئے ہیں۔ پورب طرف ایک پہاڑ پر ایک محل بہت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ اودے پور سے بائیس میل گوشۂ شمال مشرق کو جھکتا ہوا بناس ندی کے داہنے کنارے سری ناتھ جی کا مشہور مندر ہے۔ جسکو ناتھ دوارا بھی کہتے ہیں یہ ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ شہر اودے پور کے جو سمندر سے دو ہزار فیٹ اونچا ہے۔ جانب مغرب بھی ایک جھیل ہے۔ جس میں رانا صاحب کا محل جگ مندر کا جگ مندر اور باغ بہت عُمدہ بنا ہوا ہے۔ اس وقت سکندر دوران منصور الزمان ظالم کُش

رعیت نواز چشمۂ فیض - عدالت ساز منبعِ جود و کرم حامیٔ ثغورِ ہندو دھرم ہز ہائینس مہاراجہ ادھراج سر فتح سنگھ صاحب بہادر نائیٹ گرانڈ آف دی موسٹ ایگزالٹیڈ آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا زینت وہ سپہرِ سلطنت و زیب افزائے دیہیم ریاست ہیں پرمیشر انہیں تادیر با فرزندی جاہ و جلال صحت و حشمت و دولت و اقبال سلامت باکرامت رکھے ؛

چھٹا باب

چترسین

ریاست چتوڑ پر ہمیشہ سے گہلوٹ قوم کے راجپوت حکمران چلے آئے ہیں - جو بوجہ اپنی اعلیٰ ذات و بے بدل شجاعت کے ہندوستان کے راجوں کے سرتاج اور مہاراجہ ادھراج کے لقب سے ملقب رہے ہیں - ہندوستان کے راجہ لوگ ان کے درجہ اور مرتبہ کی عظمت کو یہاں تک ملحوظ خاطر رکھتے تھے کہ ہمیشہ تخت نشینی کا تلک انہیں سے لیا کرتے تھے - اور یہ اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے اُن کے ماتھے پر تلک دیا کرتے تھے - ان راناؤں میں یہ فضیلت کوئی فرضی بات نہ تھی - بلکہ اپنی ذات کی خوبیوں سچائی کے درجے اور دلیری کے مرتبے کے سبب سے اُنکو یہ افتخار حاصل تھا غیر مُلک کے مورخوں تک نے اُنکی عظمت و شرافت کو تسلیم کیا ہے - ٹاڈ صاحب جیسے محقق مورخ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ بیشک ان راناؤں کی ذات بالکل خالص یعنے سورج بنسی خاندان راجا رامچندر جی کی اولاد میں سے ہیں - اور ہاشمین جیسے زبردست تاریخ نگار یہ کہہ کر اُنکی عظمت و شوکت کا ثبوت دیتے ہیں کہ شہنشاہِ نوشیروان نے اپنی بیٹی جو روم کے بادشاہ ماریس کی دختر کے بطن سے تھی اودے پور کے رانا کے ساتھ بیاہی تھی - تیرھویں صدی مسیح کے وسط میں مُلک ہندوستان کی حکومت پر خاندان غلامان کے بادشاہوں کا دور دورہ تھا - مُلک کے اندر امن و امان کا یہ حال تھا کہ ہندوستان ایک بے وارثا گھر بن رہا تھا - چوروں اور راہزنوں کے ہاتھ سے سفر و حضر میں کہیں اطمینان نہ ملتا - ایسے میں حرفت و تجارت کی ترقی معلوم قتل و قزاقی کی گرم بازاری تھی - لُٹیروں اور ڈاکوؤں کی قسمت جاری تھی - عدل و انصاف دونوں اُن دنوں فرلو پر تھے

عدالتوں میں اپنی دال گلتی نہ دیکھکر ازروئے دانشمندی وہاں سے کنارہ کر گئے تھے۔ چند دن کا گذارہ کر گئے تھے۔ ملک میں رفاہیت کیلئے ضرور ہے کہ رعایا و بادشاہ میں گلہ و شبان کی نسبت ہو لیکن یہاں رعایا بادشاہ سے بیزار۔ بادشاہ اُس کا دشمنِ جان و ایمان تھا جبکہ تعصب کا عمل دخل مزاج پر تھا تو بربادی کا ظاہر اساماں تھا۔ مسلمان بادشاہ اپنی ہندو رعایا پر بڑا ہی ظلم کیا کرتے تھے۔ اُن کے دستِ تطاول سے بیچارے لوگ زیست کے دن بھرتے تھے۔ لاکھوں ہندوؤں کو بزورِ شمشیر مسلمان کیا جاتا تھا۔ ہزاروں کو بازاروں میں فروخت کے لئے لیجاتے۔ جہاں دو دو روپیہ ہندو غلام بکتا۔ مندر مسمار کر مسجدیں بنواتے تھے۔ عورات کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا رحم اُن کے ظلموں کو دیکھکر زار زار روتا تھا۔ اقبال شاکی کہ میری خدمات کن قصائیوں کے سپرد کر دیں۔ مجھے ان کے ساتھ چھونے سے بھی پرہیز ہے۔ دولت کہتی میں بھول کر کہاں آ گئی۔ مجھے ان سے نفرت ہے۔ گریز ہے۔ رعایا کہتی کیا عذابِ الٰہی نازل ہوا کہ غلام ہمارے بادشاہ ہوئے۔ مالک غلام بنے۔ غلام صاحبِ جاہ ہوئے۔ نہ ہمیں عبادت کرنے دیتے ہیں۔ نہ آزادی سے اپنی رسومات بجا لانے کی اجازت ہے۔ نہ ہمارا انصاف ہوتا ہے۔ ہمیں کیونکر یہ بادشاہ پسند ہوں نہ ہمیں بڑے بڑے عہدے ملتے ہیں۔ نہ ہمیں تجارت سے دولت کمانے دیتے ہیں جو کماتے ہیں لوٹ لیتے ہیں ہمارے دل کسطرح خرسند ہوں۔

اشعار

رنج و آفت میں مبتلا ہم ہیں | مشقِ تختۂ جفا ہم ہیں
صاحبِ جاہ تھے غلام بنے | اب غلاموں کے خاکپا ہم ہیں
کرکے ایسا کمال ہر فن میں | وحشیوں سے بنے سوا ہم ہیں
ہو کے فاتح جہان کے اک روز | خستہ و بستہ بلا ہم ہیں
ہم نے مونہہ پھیرا تھا سکندر کا | وہی افسوس بے حیا ہم ہیں
ہم نے تہذیب دی تھی عالم کو | وہی نادان اے خدا ہم ہیں
ہمکو مارا تو پھوٹ نے مارا | ورجب القتل بے ریا ہم ہیں
میں تو سوچوں ہوں رات دن سالک | کون ہم ہو چکے ہیں کیا ہم ہیں

جب مسلمان بادشاہوں کا اپنی ہندو رعایا سے مشفقانہ سلوک نہ تھا۔ تو باہم بھی وہ اتفاق سے

بسر نہ کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے رہتے۔ ملک پر آئے دن مُغلوں کے غارت گر حملے تو قہرِ خدا تھے۔ خود بادشاہ کے صوبے بعض بات بات پر بگڑ بیٹھے۔ لڑائیاں ہمیشہ ہوتی رہتیں۔ بیچاری رعایا کی بُری قسمت قتل ہوتی۔ بیرحمی سے لُٹتی۔ امیر وزیر سپہ سالار منصب دار ہر ایک کے گھر میں سو سو نہیں ہزار ہزار تک بیویاں ہوا کرتی تھیں وہ بیچارے انہیں کے انتظام سے عاجز رہتے۔ بقولِ فیضی ؎ آنکس کہ کمیت باد و بانوے سیل بلا است تا بزانو ٭ ملک کے بندوبست کا خدا حافظ۔ جس ملک میں آرام نہ بصورت امن نہ بحالتِ جنگ ہو وہاں کی رعایا بھلا کیونکر نہ جان سے تنگ ہو۔ ایسی نفسا نفسی کے وقت۔ فقط ریاست چتوڑ کی رعایا خوشحال تھی۔ جن کا راجہ چترسین نگہبان تھا۔ انسان صورت فرشتہ سیرت یہ حکمران تھا۔ رعایا کو اپنی اولاد کی طرح پیار کرتا تھا۔ ہمیشہ اُنکی رفاہیت و آسودگی کی فکر لگی رہتی۔ زمین کا لگان اس قدر ہلکا رکھا تھا۔ کہ زمینداروں کو اُس کے بروقت ادا کر دینے میں کبھی تکلیف نہ ہوتی۔ کارداروں کو کسی پر سختی کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔ محصول چونگی برآمد پر تو کچھ بھی نہ تھا۔ البتہ درآمد پر ایک پائی فی روپیہ لیا جاتا۔ جسکو آپ اگر کابل کے محصول چونگی سے جہاں بیس روپیہ فی شتر لیا جاتا ہے۔ مقابلہ کر کے دیکھیں تو گویا نہایت ہی خفیف تھا۔ عدالتوں کے مکان جب دیکھو سنسان پڑے ہیں یا اندر ایک عدالتی بیٹھا ہے۔ یا دروازے پہ دو سپاہی کھڑے ہیں۔ برسوں گذر جائیں کوئی جھگڑا نہیں آتا۔ بادشاہ نیک نہاد تھا۔ رعایا خوشحال تھی۔ ملک آباد تھا۔ مگر یہ خیال کرنا کہ اس بیفکری اور اطمینان پر راجہ کے دل میں کوئی خواہش اور رنج گھر کئے ہوئے نہ تھا ہاں اُسے بھی ایک بڑی آرزو نے بے چین کر رکھا تھا۔ یعنے اُسے غمِ اولاد تھا۔ ثروت وحشمت۔ صولت و شوکت جاہ و جلال حکومت و مال سب کچھ موجود تھا۔ لیکن وہ لعل پاس نہ تھا۔ جسے سپہر شہریاری کا مہرِ منوّر اور زیورِ ہستی کا تابندہ گوہر کہنا چاہئے۔ سچ ہے۔ انسان ہر چند دولتِ دُنیا سے مالا مال ہو مگر بجز اس نونہال کے جسے ثمرۂ حیات کہئے تو بجا ہے۔ کبھی خوشحال نہیں رہتا۔ بقول میر انیس ؎

دولت کوئی دُنیا میں پسر سے نہیں بہتر ٭ راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذّت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر ٭ نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دلِ مجروح یہی ہے ٭ ریحاں ہیں یہی ... یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے — وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے — آبادی کا نشان انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے — گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

راجہ چترسین اکثر برت رکھتا۔ حاجت مندوں کی امیدیں بر لاتا۔ بھوکھوں ننگوں کو کھانا کپڑا دیتا۔ بدرگاہ پروردگار بعجز و انکسار دعا و مناجات کیا کرتا۔ کہ کہیں لاولدی کی بدنامی دور ہو۔ طبیعت مسرور ہو۔ ہر کام کے ہونے کا وقت پہلے سے مقرر ہو چکا ہے۔ انسان کو یہ بات معلوم ہے۔ مگر اعتبار نہیں۔ اس لئے وہ بہتیرے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ جب ہار جاتا ہے تو لاچار ہو کر خموشی اختیار کرتا ہے۔ یہی حال راجہ چترسین کا تھا ؀

ساتواں باب

رتن سین

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎ اسے فصل کرتے نہیں لگتی بار۔ نہ ہو اس سے مایوس امیدوار

راجہ چترسین ایک روز سلطنت کے کاروبار سے فراغت پا کر ابھی دربار میں ہی بیٹھا تھا کہ اس کے دل میں ایک خیال آیا جس سے طبیعت پر پرلے درجہ کا ملال آیا۔ یعنے اس نے سوچا پچاس برس کی عمر ہوئی حیات مستعار کا بہت اور بہتر حصہ گذر گیا داڑھی میں سفید بال آیا تو موت کا پیغام لایا جوانی گئی تو زندگانی گئی اب کسی روز ملک الموت ملاقات کرنے آتا ہے پرمیشر نے سب کچھ عطا کیا صرف افسوس یہ ہے کہ کوئی نام لیوا باقی نہ رہا شاستر میں لکھا ہے جو شخص لاولد مرتا ہے اگت جاتا ہے۔ اگت مرے پر بڑا افسوس آتا ہے۔ لیکن بس میں انسان کا کیا بس ہے پچھلے جنم کے کرموں کا پھل ہے قسمت کی بات ہے تقدیر اٹل ہے دفعتاً ایک مصاحب نے آداب بجا لا کر عرض کیا مہاراج پرسوں سے یہاں ایک روشن نفس صاحب کمال جوگی آیا ہے شہر سے باہر ندی کنارے آسن جمایا ہے اس کی آنکھوں سے جلال ٹپکتا ہے چہرے سے نور برستا ہے ؎

آں خاک نشیں آں [illegible] گر [illegible] بہ پردہ

شاہیست بکسوت گدایاں　　بیگانہ و ہستی ز آشنایاں
بر خاک نشستہ بوستانے　　در گرد نہفتہ آسمانے
رخ گرد و دل از غبار رفتہ　　گردش لب تارہ زار گفتہ
از خلق نشستہ بر کنارے　　در دلق گسستہ ہیچ تارے
جز زہد نہ ہیچ در برشتش　　جز سجدہ نہ ہیچ در پرستش
برق نظرش چراغ امید　　صبح نفسش فراغ امید
بر چشم قضا خط رضائیش　　بر فرق قدر گل دعائیش

حضور تو عالم پناہ ہیں ملک جہاں کے بادشاہ ہیں وہ ملک قناعت کا حکمراں ہے آج ہوا خوری کے وقت اُس کے درشن سے ہی لابھ اُٹھاویں۔ شاید کار بستہ کی گرہ کھل جائے۔ اُس عارفِ کامل کی دعا سے ایزد ذوالجلال فرزند نرینہ عطا فرماوے۔ راجہ چتر سین فقیر دوست بہت تھا مہاتماؤں پر پورا اعتقاد رکھتا۔ جوگی مہاراج کی آمد اور کرامات کا حال سُنکر پیادہ پا لبِ دریا کیجانب روانہ ہوا اور سوائے اُسی ایک مصاحب کے کسی اور کو ہمراہ نہ لیا یہاں جوگی مہاراج پھوس کی جھونپڑی میں آگ کے ڈھیر کے سامنے یادِ حق میں محو آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے ادھر راجہ وارد ہوا اُدھر تاڑی کھل گئی۔ خوش ہو کر راجہ سے کہا شاد ہونا چاہئے کہ تیر دعا ہدفِ مراد پر بیٹھا پرمیشر فرزند نرینہ عطا کرے گا۔ صرف اٹھارہویں برس ایکسال کے لئے جوگی بننا اُس کی قسمت میں لکھا ہوا ہے کیونکہ جوگی کی دعا سے عطا ہوا ہے یہ کہہ کر بدستور انتر دھیان ہو گیا۔ راجہ جوگی کی بشارت سے بہت شادمان ہوا گھر میں آکر رانی سے اس بات کا تذکرہ کیا قدرتِ خدا اُسی رات نخلِ مراد سرسبز ہو کر شاخ آرزو بارور ہو گئی۔ بعد انقضائے مدتِ حمل ماہِ سپہر شہریاری گوہر درج کامگاری برج حمل سے نکل کر جلوہ افروز عالم و عالمیان ہوا شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ شہزادہ نونہال پیدا ہوا حسین اس درجہ تھا کہ ماہ و مہر نے بھی دیکھا تو اُس کا شیدا ہوا۔ راجہ جو غمِ اولاد میں غم کا پتلا بن گیا تھا اب نہایت ہی شاد ہوا۔ جبین نیاز بدرگاہِ کبریائے بے نیاز سجدے میں جھکایا اور تہ دل سے اُس منعم حقیقی کا سپاس بجالایا۔ خیرات میں روپے اشرفی کی جگہ لعل اُس گوہر شب چراغ پر نثار کئے رعایا کو ایک ایک سال کا محصول معاف ہوا۔ کنگال مالامال ہو گئے۔ خزانہ سب صاف ہوا۔ ساتویں روز شاہزادہ کے نام کرن کی رسم

عمل میں آئی پہلے راجہ نے نجومیوں اور جوتشیوں کو بلا کر اُس کی جنم پتری دکھائی اُنہوں نے
پوتھی دیکھکر عرض کیا مہاراج یہ بالک راج پاٹ کا مالک ہوگا چندرماں بہت بلی ہے جو
گرہ ہے سو بھلی ہے۔ فیاض اور بہادر بھی ایسا ہوگا کہ میدان رزم میں بڑے بڑے سورما
سامنے آنے سے جی چرائیں گے لوگ کرن اور بکرماجیت کا نام بھولجائینگے۔ مگر اٹھارھویں
سال کچھ خطرہ معلوم ہوتا ہے۔ راجہ نے کہا جان کی تو خیر ہے۔ جوابدیا سب خیریت ہے
فقط دشت غربت کی سیر ہے۔ راجہ نے پوچھا اس کا کچھ اُپاؤ بھی ہے پنڈتوں نے جوابدیا
اُس سال کسی عورت کی شبیہہ نظر نہ پڑنی چاہیئے۔ راجہ نے نجومیوں کو انعام دے کر رخصت
کیا اور سب کے صلاح و مشورہ سے رتن سین اُس لڑکے کا نام رکھا رات دن پرورش
سے کام رکھا ؂

آٹھواں باب

بیان تحصیل علوم کا شادی کی دھوم کا

ناظرین آپ کو معلوم ہو کہ راجہ چتر سین کو پرمیشور نے معمولی دماغی و جسمانی طاقتوں کا
فرزند عطا نہیں کیا تھا بلکہ رتن سین کے جوہر دیکھکر حیرت گذرتی تھی چار برس کا چودہ برس
کا نظر آتا تھا۔ دنوں میں برسوں جتنا بڑھتا جاتا تھا۔ چھبیسویں برس راجہ نے ہر فن کے
کامل اتالیق ہوشیار و لائق شہزادہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمائے اسے خدا نے ایسی عقل
عطا فرمائی تھی کہ اشارہ سے بات پا جاتا ذہن وہ رسا پایا تھا کہ جو اُسے پڑھایا گویا نقش بر سنگ
ہوگیا۔ ایک بار کا آموختہ پھر کبھی نہ بھلایا پڑھانیوالے یہ جودت طبع دیکھ کر حیران تھے بڑے
بڑے فاضل پنڈت اُس کے فہم کی رسائی معلوم کر کے انگشت بدنداں تھے۔ قیافہ شناس ایسا
کہ انسان کا چہرہ دیکھ کر جو کچھ اُس کے دل میں پنہاں ہوتا ظاہر اکہہ دیتا گیارہ برس کی عمر میں ہر
ایک علم میں ماہر ہوگیا اُستادان کی محنت کا ثمرہ ظاہر ہوگیا بارھویں سال نام خدا جوان ہوا۔
تحصیل علوم سے فراغت پائی۔ شہ سواری کا دھیان ہوا گھوڑوں سے بہت اُلفت تھی اُن کے
عیب و ثواب سے ایسا واقف ہوگیا تھا کہ گھوڑے کو دیکھتے ہی ہو بہو اُس کا حال بتادیتا۔ سواری

کے وقت ایسا گھوڑا دوڑاتا کہ گلگوں صبا کو دور پیچھے چھوڑ جاتا۔ شجاعت کا یہ حال تھا کہ جنگ آزمودہ کار دیدہ بہادر جرنیل اُس کی دلاوری اور بہادری کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ ایک دن وہ نونہال گلزار سلطنت ندیمانِ ہمراز و یارانِ دمساز کے ساتھ عازمِ شکار ہوا صحرا اُن کے قدوم میمنت لزوم سے رشکِ صد بہار ہوا۔ سر بکف جانورانِ صحرائی جنہیں مدت سے آرزوئے دیدار تھی سراسیمہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ یارانِ ہمراہی میں سے کسی نے تیغ نگاہ سے غزالِ رعنا کو شکار کیا۔ کسی نے دامِ زلف سے پلنگ کو خرالنگ کی طرح زندہ پکڑ لیا۔ کسی نے گرگ کیفر صفت عنانِ عزیمت پھیری۔ کسی نے لومڑی ہی جا گھیری۔ غرضیکہ خونریزی کا ہنگامہ تیز تھا کہ ایک طرف سے ایک شیر ببر نمودار ہوا۔ اس کی خوفناک دھاڑ سُنکر سب پر خوف چھا گیا۔ دہشت سے بدن تھرا گیا۔ گویا ہر کوئی زندگی سے سیر ہوا۔ اوسان خطا ہو گئے۔ بعض بُزدل تو ایسے بھاگے کہ ہوا ہو گئے۔ لیکن رتن سین ذری نہ گھبرایا۔ کمان کھینچکر کان تک لے آیا۔ ایسا تاک کر تیر مارا کہ مُرغِ روح اس شیر صحرائی کا صحرائے عدم کو سدھارا ملک گفت احسن فلک گفت زہ۔ حسن میں وہ رشکِ قمر اپنے وقت کا بے نظیر تھا۔ جیسی نگاہ جادوانہ تھی ویسی ہی چال مستانہ تھی۔ جس زن و مرد نے ایک بار دیکھ لیا ہزار جان سے قربان ہوا۔

اُس وقت ہندوستان کے مختلف حصّوں پر مختلف راجا لوگ حکمران تھے جن میں سے بعض سلطنت دہلی کے باجگذار تھے۔ مگر بہتیرے خود مختار تھے سب نے راجا رتن سین جیسا ہمہ صفت موصوف داماد حاصل کرنے کے لئے کوشش کی اپنی اپنی دختروں کے ناطے بھیجے لیکن شادی کا سنبندھ ازلی ہوتا ہے رسمِ ازدواج ایک دُنیاوی رواج ہے۔ میاں بیوی کے بیاہ کی شرطیں تو کاتبِ قدرت نے لوحِ تقدیر پر اُنکی پیدائش سے بھی پہلے کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ راجہ رتن سین کی نسبت کوٹا کے راجہ کی بیٹی ناگمتی سے ٹھیری رانی ناگمتی کا حسن اُن حسنوں میں سے تو نہ تھا جنہیں دیکھ کر آنکھوں میں چکا چوندی آجائے البتہ ایسا ضرور تھا کہ انسان اُسے دیکھے تو صانع لطیف کی قدرت کاملہ یاد آجائے۔ آنکھیں بڑی بڑی شوخی سے بھری ادائیں دلفریب غارتگر صبر و شکیب و دو رخسارے سپہر حسن کے روشن ستارے نگاہ اُن کے دیدار سے سیر نہ ہوتی تھی۔ جدائی کی حسرتیں دل کا قرار کھوتی تھیں۔ مسکرانے میں ہونٹ کھُلتے تو تجلی برق کی کیفیت نظر آتی۔ دیکھنے والے پھڑک جاتے۔ چھاتیوں کا تھوڑا ابھار جوانی

کی بہار - غرضیکہ اس مہوش کا حسن ایسا تھا کہ شاہدِ گل بھی رنگت و نزاکت دیکھ کر ہاتھ ملتا تھا - عارف پاک باز تابش حسن سے پگھلتا تھا - راجہ چترسین کے دل میں اب ارمان تھا تو یہ تھا کہ بیٹے کے سہرا بندھا دیکھے - ایسی شادی رچے کہ دنیا میں دھوم مچے - سو یہ مراد اس کی رب العالمین جامع المتفرقین نے پوری کی - بڑے جاہ و جلال سے راجہ رتن سین کا بیاہ ہوا - ادھر سے خیرات اور عیش و عشرت کے جلسوں کی ادھر سے مہاں نوازی اور جہیز کی کوئی حد باقی نہ رہی - جب شادی خانہ آبادی ہو گئی اور راجہ چترسین کو گلشنِ مراد ہر طرف سے لہلہاتا نظر آنے لگا - تو فلک اس کے اقبال پر رشک کھانے لگا - ابھی راجہ رتن سین نے پندرھویں برس میں بھی قدم نہ رکھا تھا کہ راجہ چترسین چند روز بیمار رہ کر راہگرائے عالمِ بقا ہو گیا - بچارا اپنی بیکسی پر زار زار رویا - مگر گردِ یتیمی گوابِ دیدہ سے دھو نہ سکا - جزع و فزع - آہ و فغاں سے کچھ ہو نہ سکا - آخر امیروں وزیروں نے پند و نصائح سے سمجھا بجھا کر کریا کرم کے بعد بآئینِ شاہانہ راج گدی پر بٹھا دیا - باپ کیطرح داد و دہش میں مشغول ہوا کبھی کسی پر ظلم و ستم روا رکھا - رعیت پروری اس کا معمول ہوا نہ کسی کی رعایت و حمایت کرتا نہ کسیکو شکایت کا موقعہ دیتا راہ چلتے بھی اگر کوئی سوال عرض کرتا تو باگ تھام لیتا سزا و سختی کا استعمال بہت کم کرتا ہمیشہ نرمی سے کام لیتا ؎ تھا شہسوارِ دولت و بخت ٭ زیر قدمش رکاب یا تخت

نواں باب

ہیرامن

پیارے ناظرین مجھے امید ہے - کہ آپ اس گلنار منقار سبز پر جانور سے بخوبی واقف ہیں - یہ وہی طوطا ہے جس کے اڑنے کی خبر پدماوت تالاب مانسرور پر لونڈی کی زبانی سنکر ایسی بے چین ہوئی تھی کہ اس کے ہوش کے طوطے اڑ گئے تھے - محل میں پہنچتے ہی لونڈی پر عتاب کرنے لگی - غصہ میں آکر حال خراب کرنے لگی - خواصین اسے دیکھ کر بیقرار ہو گئیں - لونڈی کے گلے کا ہار ہو گئیں - پدماوت کو بیچین دیکھکر کوئی رونے لگی کوئی بسورنے

لگی۔ کوئی لونڈی کی طرف دیکھ دیکھ کر گھورنے لگی۔ تب تو لونڈی نے سچ سچ کہہ دیا۔ مجھ طوطے کی بولی زہر لگی تھی میں نے اُسے جان سے نہیں مارا۔ ہاں اس قصور پر گردن زدنی ہوں کہ نیم مُردہ کر کے جنگل میں پھینک آئی ہوں۔ تب تو پدماوت کی بیقراری اَور بھی بڑھی۔ سہیلیوں سے کہا۔ طوطا تلاش کراؤ۔ زمین و آسمان پہ جہاں ہو ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ میرا ہمدم میرا آرامِ جان تھا۔ ہر وقت کی دل لگی کا سامان تھا۔ وہ جاتا رہا تو اب جان کو آرام کہاں محل میں راحت کا نام کہاں۔ نہ ملے گا تو فراق میں میری جان جائے گی۔ کوئی تدبیر کارگر نہ آئے گی۔ سہیلیوں نے پدماوت کو اس طرح اندوہ کرتے ہوئے دیکھ کر سمجھانا شروع کیا کہ ایسا نہ ہو محبت کی آگ میں جل بُجھے۔ یا کوئی اَور گُل کھلائے۔ زیادہ فکر سے دماغ میں خلل آ سے۔ طوطے کی چاہ میں باؤلی ہو جائے۔ کہنے لگیں رانی تو سیانی ہو کر کیوں دیوانی ہوئی ہے۔ ایک جانور وحشت پر کی یاد میں زار زار روتی ہے ہوش قرار کھوتی ہے۔ اوّل تو جانور کا پالنا ہی بہت بُرا کام ہے مفارقت اس کا انجام ہے۔ پھر کھوئے ہوئے کا غم کرنا تو بالکل عقلمندوں کی رائے کے برخلاف ہے۔ جب کہ اس طرح اُس کی تقدیر میں لکھا تھا تو پھر اُس کے بچانے کی کونسی تدبیر تھی۔ جب تک اُس کی حیات تھی بخوبی اُس کی نگہبانی کی آفتِ روزگار اُسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکی۔ وعدہ آ گیا تو دیو اجل لونڈی کے غضب کی صورت بن کر اُسے کھا گیا۔ موت کا ایسا ہی کارخانہ ہے۔ کوئی ایک طرح مر جاتا ہے۔ کوئی دوسری طرح نجات پاتا ہے۔ بیماری وغیرہ کا بہانہ ہے۔ بڑے بڑے حاذق حکیم باوجود لاکھ تدبیر ہزار درماں بات کی بات میں دولتِ جان اُس حاکمِ مطلق کے حوالہ کر دینے کو مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایک پیش نہیں جاتی۔ یہ معاملہ قضا و قدر ہے۔ بشر اس میں مجبور ہے۔ جزع فزع بے فائدہ۔ جوش و خروش صرف پرمیشر کی ناشکر گذاری ہے۔ عقل سے بھی دور ہے۔ اے رانی تو کیوں اشکِ حسرت بہاتی ہے۔ طوطے کے فراق میں کوئی تیری اس بیقراری گریہ و زاری کو سُنے گا تو کیا کہے گا۔ سہیلیوں کی یہ نصیحتیں سُن کر پدماوت کچھ ہوش میں آئی۔ دل کو قائم کر کے کہنے لگی۔ جو تم نے فرمایا۔ درست اور بجا ہے۔ لیکن جو دل نہ مانے تو اس کا علاج کیا ہے۔ خالی پنجرا دیکھ کر میرا دل گھبراتا ہے طوطے کی پیاری پیاری باتوں کو یاد کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میری آٹھ پہر کی خوشی کا سامان ویران ہو گیا۔ گھر

گھر کی برکت اُڑ گئی - مکان سُنسان ہو گیا - اُس کی جُدائی میرے حق میں قہر ہو گئی -
سبز پری کی یاد رگِ جان کی زہر ہو گئی - اس میں تو شک نہیں کہ یہ معاملہ قضا ہے - رنج
و افسوس بے فائدہ ہے - تمنے جو مجھے سمجھایا ہے تو میں بھی دلکو سمجھاؤنگی - چند روز تو ضرور
قلق رہے گا - شاید سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جاؤنگی - یہ سُنکر سہیلیاں اپنی ظفر یابی پر بہت
خوش ہوئیں اور کہنے لگیں - اے ماہِ رو تو گل ہے - بلبل کیطرح تجھے زاری نہ چاہیئے - کبکِ
دری کی مانند تجھے بیقراری نہ چاہیئے - ابھی تیری اُٹھتی جوانی ہے - حسن میں تو لاثانی
ہے - محبت میں ابھی سے یہ بیتابی - فرقت میں ابھی سے یہ خرابی - ابھی سے ایسی خیالی
بازی - اور اسطرح کی جان گدازی - ہرگز ہرگز مناسب نہیں - یہ بات تیری شان کے
شایاں بھی نہیں کہ ایک طوطے کے خیال میں تیرے اضطراب کا حال مشہور ہو - اس کا
چرچا نزدیک و دور ہو - واجب ہے کہ اس بات کا خیال ہی بھلا دے - حرفِ غلط کیطرح صفحۂ
دل سے مٹا دے - سچ ہے دل بیشک اچھا ہوتا ہے جس دل میں اُلفت کا تخم نہیں وہ ذرا
گوشت کا لوتھڑا ہے دل اُسے کون کہتا ہے لیکن اُلفت کی بھی ایک حد ہونی چاہیئے -
کیونکہ جب یہ حد سے بڑھ جاتی ہے تو عشق کہلاتی ہے اور عشق کرنا معیوب ہے - پدماوت ان
باتوں کو کچھ بھی نہ سمجھتی تھی آہ بھر کر خاموش ہو رہی - اب ذری اُس تلخی چشیدہ جور و ستم
دیدہ مبتلائے رنج و محن طوطے ہیرامن کا احوال سُن لیجیئے کہ جب لونڈی گردن مروڑ -
بازو توڑ اپنے بہادیں مُردہ سمجھ جنگل میں پھینک گئی تو کچھ دیر وہاں بیہوش پڑا رہا - جس
قادرِ مطلق نے جلتی آگ سے حضرت خلیل کو دریائے نیل سے حضرت موسیٰ کو سلامت رکھا
اُسی مالکِ کائنات نے اُس طوطے کو بھی بچا لیا - باوجود اس شدت ظلم کے بالکل محفوظ رہا
بال تک بیکا نہ ہوا - تھوڑی دیر بعد بازو کھولے - اور اُڑ کر درخت پر جا بیٹھا - ہم جنسوں
سے ملکر کلیلیں کرنے لگا - جنگلی میوے جو کھائے - دُکھ درد سب بھول گیا - خوشی سے
پھول گیا - چرخِ کجرفتار بھلا کب امن سے رہنے دیتا ہے - شعر زمزمہ کس کی زباں پر بدلِ
شاد آیا - مونہ نہ کھولا تھا کہ پر باندھنے صیاد آیا - طوطے نے اس خوشی میں کوئی دس دن ہی
بسر کئے ہوں گے - یکایک صیاد دھوکے کی ٹٹی لے کر آ پہونچا - اور جنگل میں اِدھر اُدھر جھانکنے
لگا - جانور اس جلاد کو دیکھ کر خوف سے سہم گئے - وہاں ٹھیرنا مصلحت نہ دیکھی - اور فوراً اُڑا

بسر کر گئے۔ مگر ہیرامن نے ساری عمر قید قفس میں گنوائی تھی۔ مدّت کے بعد جو شاخ درخت پائی تھی۔ تو گویا اس کے ہاتھ سلطنت آئی تھی۔ آزادی کی ہوا جو لگی محو ہو کر وہیں سو گیا۔ صیاد نے فوراً اسا پروں میں اُلجھا دیا۔ خوش و خرّم طوطا قید ہو گیا۔ شکاری نے پکڑ کر ڈربے میں رکھ لیا جہاں اور بھی بہت سے جانور اپنی بُری قسمت پر افسوس کھاتے ہوئے سراسیمہ اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے ؞

دسواں باب

علاؤالدین

مُلکِ افغانستان کے مغرب کو ایران کی حد پر ایک پہاڑی علاقہ کا نام غور ہے۔ جہاں خلجی قوم کے افغان آباد ہیں۔ اس قوم کے جو لوگ لوٹ مار کی طمع سے شاہانِ افغانستان کے لشکروں میں بھرتی ہو کر ہندوستان چلے آئے تھے۔ اور یہیں آباد بھی ہو گئے۔ اُن سب کا افسر ایک شخص جلال الدین حاکم سمانہ تھا۔ اس وقت غلام بادشاہوں کی سلطنت چراغِ سحری بن رہی تھی۔ کہ ہر دم اُس کے گُل ہونے کی اُمید قوی تھی۔ آخر جب کیقباد اخیر غلام بادشاہ کو اُس کے سرداروں نے بہ سازش جلال الدین سونٹوں سے مار مار مُردہ کر کے ایک کمبل میں لپیٹ دریائے جمنا میں پھینک دیا تو یہی جلال الدین فیروز یا درئی طالع ہمایون و بیداری بختِ میموں سے ستر برس کی عمر میں ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا۔ اسے اپنے بھتیجے علاؤالدین سے بہت محبت تھی وہ اس کی کُل فوج کا سردار تھا۔ کُل اموراتِ مملکت کا اُسی پر مدار تھا۔ ۱۲۹۴ء میں اسی بادشاہ نے اپنے اس بھتیجے کو دیوگڈھ کے راجہ سے مقابلہ پر بھیجا۔ جو مسلمانوں کی دکھن پر پہلی چڑھائی تھی۔ علاؤالدین نے فتح پائی اور بیشمار دولت اُس کے ہاتھ آئی۔ فرشتہ لکھتا ہے علاؤالدین وہاں سے ہزار من چاندی۔ چھ سو من سونا۔ دس من موتی اور پندرہ من جواہرات لوٹ کر لایا تھا۔ اس فتح اور دولت نے اسے ایسا مغرور اور سرکش بنایا۔ کہ موقع پاکر نہایت دھوکے اور بے شرمی سے اپنے بوڑھے اور مربی چچا کو اپنے سامنے قتل کروا کر ہندوستان کا بادشاہ بن بیٹھا۔ دُنیا کے اُن اولوالعزم بادشاہوں میں سے گذرا ہے جن کی بلند نظری خلق اللہ کی تباہی

وبربادی کا باعث ہوئی ہے - ایک مختصر سی فہرست اس کے کارناموں کی ذیل میں درج ہے - تخت پر بیٹھتے ہی جلال الدین کے دو لڑکوں کو قتل کروا ڈالا - اپنی بہن کے دونوں نور دیدہ کی پہلے آنکھیں نکلوا ڈالیں - پھر طرح طرح کے عذاب سے جانیں نکالیں - جو فوج فتح گجرات کے لئے بھیجی تھی - اُس سے غنیمت کے مال کا حساب لیا - بہتوں کو شک میں مروا ڈالا - جو سپاہی روپوش ہو گئے تھے - بادشاہ نے اُنکی عورتوں کو سرِعام بےعزت کرنے کے واسطے اپنے نوکروں اور بازار کے لوگوں کے حوالہ کیا - اُن کے کل مرد رشتہ داروں کو مروا ڈالا - شیر خوار بچوں کو اُن کی ماؤں اور بہنوں کے سروں پر ٹپکوا ٹپکوا کر بھرتا کروا ڈالا - محمد ابو القاسم فرشتہ لکھتا ہے - فرمود تا طفلانِ شیر خوارہ را بطریق گرز سنگ بر سرِ مادران و خواہران چنداں زدند کہ مانند پنبہ محلوج پاش پاش شدہ ہلاک گشتند - مغلوں کے جو قیدی بموقع جنگ ہاتھ آئے اُن سب کو بُری طرح مرواتا تھا - بچے اور عورتیں بھی زندہ نہ چھوڑتا - ایک دفعہ نو ہزار مغل ہاتھیوں کے پاؤں میں رندوا ڈالے سنہ ۱۳۰۱ء میں رنتھمبور کا قلعہ فتح کر کے وہاں کے ہر ایک فرد بشر کو قتل کروا ڈالا کئی ہزار عورتیں بےعزتی کے خوف سے پہلے ہی آگ میں کود کود کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی تھیں - مجروحوں میں سے ایک شخص جو کوئی فوج کا افسر تھا کہیں تڑپتا نظر پڑا - علاؤالدین نے اُس سے پوچھا اگر ہم تیری جان بچا دیں اور تندرست بنا دیں تو تو [illegible] کیسا وفادار بنا رہے گا - اُس نے جواب دیا - اگر مجھے اس ورطہ ہلاکت سے رہائی ملے - تو میں طاقت پا کر بےدریغ تجھے تہ تیغ کروں اور راجہ کے خاندان میں سے کسیکو تخت پر بٹھاؤں - علاؤالدین نے ایسے سچے بہادر کو ہاتھی کے پاؤں میں کچلوا ڈالا - سنہ ۱۳۱۹ء میں اس نے پندرہ ہزار مغل ملازموں کو ایکدفعہ قتل کروا کے اُن کی عورتوں بچوں کو لونڈی غلام کیطرح بیچ ڈالا ایک دفعہ مغلوں نے شہر دہلی کو آگھیرا تو تین لاکھ سوار اور ستائیس سو ہاتھی لے کر اُن کے مقابلہ کو نکلا - مغل بھاگ گئے - مگر بہتیرے گرفتار ہوئے - اُنکی کھوپریوں کی شہر کے باہر ایک مینار بنوائی - جو دور دور سے دکھائی دیتی تھی - مالگذاری بہت بڑھا دی تھی - مگر ملازموں کی تنخواہ گھٹا دی تھی اور فساد روکنے کے لئے ہر ایک شے کا نرخ جبراً سستا کروا دیا یعنے جو چیز روپیوں میں آتی تھی حکماً پیسوں میں بکنے لگی - کوئی ہاتھی شخص بغیر پروانگی سرکاری دیوانگی تھی سے اپنے بیٹے

بیٹی کا بیاہ نہ کر سکتا تھا۔ دس پانچ شخصوں کو ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت نہ تھی۔ نہ
کوئی اپنے یار آشناؤں کو گھر پر بلا سکتا تھا۔ لوگ یہاں تک محتاج ہو گئے تھے۔ کہ پیٹ بھر
روٹی نہ کھا سکتے تھے۔ سارا بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہ پا سکتے تھے۔ اگر کوئی شخص
بادشاہ یا اس کے انتظام کی شکایت کرتا۔ تو فوراً بال بچے سمیت کٹوا دیا جاتا۔ کوئی اس کی
سفارش کرتا تو اس کا بھی یہی حال ہوتا۔ اس قدر جاسوس شہر میں چھوڑے ہوئے تھے کہ
پکڑے جانے کے خوف سے لوگ آپس میں بات چیت بھی بہت کم کرتے تھے۔ ہر ایک چیز کا
بھاؤ مقرر کر کے تجارت کا وہ ستیاناس کیا تھا کہ بیچارے بیوپاری لوگ جینے کے جامہ سے
تنگ آ گئے تھے۔ حکم تھا کہ ساڑھے سات پیسے کی ایک من کنک چار پیسے کے ایک من
جو پانچ پیسے کے ایک من چنے پانچ ہی پیسے کی ایک من شالی پانچ ہی پیسے من ماش
اور تین پیسے من موٹھ بکیں نرخ پارچات اسطرح مقرر کیا کہ دہلی کا چیرا سولہ روپیہ لنکا کا چیرا
جو مضافات میں بنتا تھا چھ روپیہ۔ سہری صاف اعلیٰ فی تھان پانچ روپیہ۔ میانہ تین روپیہ
اور ادنیٰ دو روپیہ کرپاس اعلیٰ بیس گز کا ایک روپیہ کرپاس میانہ تیس گز کا ایک روپیہ اور
کرپاس ادنیٰ ایک روپیہ کی چالیس گز کرپاس سادہ دس پیسہ فی تھان (مخفی نہ رہے۔ کہ
علاؤالدین کے عہد سلطنت میں ایک روپیہ ایک تولہ چاندی کا ہوتا تھا۔ روپیہ کے پچاس پیسے
بکتے تھے۔ من چالیس سیر کا ہوتا تھا اور ایک سیر چوبیس تولہ کا تھا) نرخ جانوران اسطرح مقرر
فرمایا تھا کہ اسپ قسم اوّل سو روپیہ سے ایکسو بیس روپیہ تک۔ اسپ قسم دوم اسّی روپیہ سے نوّے (۹۰)
روپیہ تک۔ اسپ قسم سوم پینسٹھ سے ستر روپیہ تک (نرخ اشیاء متفرق) مصری ایک سیر کے
دو پیسے کھانڈ ایک سیر ایک پیسہ۔ شکر سرخ دو سیر کا ایک پیسہ۔ روغن سیاہ تین سیر کا ایک
پیسہ روغن زرد دو سیر ایک پیسہ نمک پانچ سیر کے دو پیسے (نرخ لونڈی غلام) قسم اوّل ایکسو
سے دو سو روپیہ قسم دوم چالیس سے نوے روپیہ قسم سوم پانچ سے دس روپیہ فی نفر یہ بھی
حکم تھا کہ اگر کوئی گھوڑا عربی یا عراقی قسم اوّل یا لونڈی غلام چینی چرکس ترکی وغیرہ فروخت
کیے جائیں تو پہلے بادشاہ کو دکھلائے بعد میں بازار بکنے جائے غرضیکہ ہر ایک کار آمد
شے مثل سوئی۔ سلائی۔ جوتی۔ کنگھی اور مٹی کے پیالے تک کا نرخ مقرر کیا ہوا تھا۔ طبقات
میں لکھا ہے۔ کہ ایک دن ایک ندیم نے جو موقع شناس تھا سلطان کو خوش پا کر عرض کیا حضور

نے تمام جنسوں کا نرخ مقرر کردیا۔ لیکن ایک سب سے ضروری جنس کا بھاؤ اَب تک مقرر نہیں ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا ہے اُس شخص نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا قبلۂ عالم رنڈی اور لونڈے کا بھاؤ تو اَب تک مقرر ہوا ہی نہیں خود بدولت ہنسکر فرماتے ہیں اچھا تیری بدولت اُن کا نرخ بھی مقرر کیا جاتا ہے۔ اور اسیوقت میر بازار اور کوتوال کو بلاکر حکم فرمادیا۔ کہ ہمنے رنڈیوں اور گانے بجانے والوں کا اسطرح نرخ مقرر کردیا اُن سب کو مطلع کیا جاوے کہ بادشاہی نرخ سے زیادہ طمع کبھی نہ کریں۔ اور زنکی بھی تین قسمیں قرار دے کر اُجرت ٹھیرادی۔ یہ بھی حکم تھا کہ کوئی آدمی ایک روز کے گذارے موافق غذا سے زیادہ نہ خریدے۔ یار دوست ضیافتوں میں اکٹھے نہ ہوسکیں۔ جو لوگ ان قوانین کو توڑتے تھے سزا پاتے تھے۔ اُس زمانے میں ناک کان کٹوادینا ایک معمولی سزا تھی۔ کافور کوئی خوبصورت لونڈا گجرات پٹن کی لوٹ میں ہاتھ آیا تھا۔ اُسے اپنا معشوق بنایا۔ اور یہانتک بڑھایا۔ کہ نایب السلطنت قرار دیا تھا۔ ابوالقاسم فرشتہ اُس کی بابت لکھتا ہے کافور ہزار دیناری راکہ بالآخرہ پادشاہ علاؤالدین اور ا نایب ملک گردانید ملک نائب خطاب دادہ بود ازخواجہ او بستم بگرفت، ومنظور نظر ساختہ زنار محبتش برمیان جان لبست و طیلسان عشق او بر دوش عقل و خرد افگندہ زمام دین ودانش از کف داد۔ ایکدفعہ اُس کے سردار آٹھ ہزار مغل گرفتار کرلائے فرمایا ان سب کے سر کاٹ کر شہر کے بُرجوں پر جن کی تازہ مرمت ہورہی تھی پتھر اور مٹی کی جگہ استعمال کئے جاویں۔

گیارھواں باب

دل کی گرفتاری

ایک دفعہ راجہ رتن سین انیسان ہمراز وجلیسان دمساز کے ساتھ بیٹھا داد عیش دے رہا تھا۔ کہ دربان نے حاضر ہوکر عرض کیا۔ مہاراج ہیرالال ملک التجار جو عرصہ بعد سفر دور دراز سے واپس آیا ہے۔ اُمیدوار باریاب ملازمت در دولت پر حاضر ہے۔ راجہ رتن سین سیاح اور دوست اور غریب آشنا بادشاہ تھا۔ جو سوداگر چتور گڈھ میں آتا تھا ہمیشہ اُس کے حسن سلوک سے خوش وخرم ہی جاتا تھا۔ یہ ہیرالال تو خاص چتوڑ کا ہی رہنے والا تھا۔ فوراً اندر طلب ہوا جو تجربہ آدمی

ذی شعور سیاح نزدیک و دور تھا۔ کورنش فدویانہ بجا لاکر مودبانہ بیٹھ گیا۔ اور تحفے جو مہاراج
کے لیے لایا تھا۔ کشتیوں میں دھر کر پیش کیے۔ راجہ نے ہر ایک شے کو شوق سے ملاحظہ
کیا۔ ساتھ ہی جس ملک کی کوئی چیز تھی۔ اُس ملک کے رسم و رواج باشندوں کی لیاقت
و مزاج کیفیت آب و ہوا زمین کی زرخیزی اشجار و انہار سپہ و سپہ سالار۔ ایک ایک شے کی
حقیقت دریافت کرتا رہا۔ اب گردش کی بات دیکھیے کہ اُن تحفوں میں بہت سی تصاویر
بھی تھیں سو دیکھتے بھالتے راجہ نے ایک تصویر اُٹھائی جو تصویر کیا تھی راجہ کی تقدیر تھی۔ اور
کسی ایسے اُستاد کی بنائی تھی۔ کہ نقل مطابق اصل تھی۔ جونہی راجہ کی نگاہ اُس پر پڑی اُلفت
کی برچھی سینہ میں کھب گئی۔ رعب حُسن سے بدن تھرا گیا۔ سودائے عشق سر میں پھرنے لگا
آہستہ سے زمین پر گرنے لگا۔ ہیرالال یہ حال پُرملال دیکھ کر گھبرایا۔ راجہ کو وہ تصویر دکھانے
کا موقع دینے سے بہت پچھتایا بگڑی بات کے بنانے کی یوں کوشش کی کہ فوراً ایک اور
تصویر اُٹھا کر راجہ جی کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ مہاراج یہ ملک میسور میں ایک دیوتا کا استھان
ہے عجب مقدس استھان ہے۔ محل وقوع بھی کیا خوب ہے۔ سہاونا جنگل پاس ہے
سمندر کا کنارہ ہے اور دلکش نظارہ ہے۔ ہیرالال کی باتیں سُنکر راجہ کچھ سنبھل بیٹھا۔
مگر بخت برگشتہ اپنا کام کر چکا تھا۔ اس سے ایک ساعت پہلے ہنسی خوشی باتیں کرتا۔ بادۂ
شباب سے مخمور آنکھوں میں سرور چہرے کا رنگ ارغوانی دریائے حُسن کی طغیانی قید
غم سے بالکل آزاد تھا۔ اب دیکھو تو ہر دم آہِ سرد زبان پر کلمات پُر درد ہوش و خرد سے دور
نشۂ بادۂ نشاط کافور۔ چہرہ کا رنگ زعفرانی ہے۔ اور یہی عشق کی نشانی ہے۔ بادل اندوہگین
و آواز حزین ہیرالال سے کہا۔ سچ سچ بتا دے۔ یہ تصویر کس نازنین ناز آفرین کی ہے۔
جسے دیکھتے ہی دل دیوانہ ہو گیا ہے۔ تیر خدنگ کا نشانہ ہو گیا ہے۔ کس کی یہ دختر نیک
اختر ہے۔ کہاں پیدا ہوئی کہاں پرورش پائی ہے۔ وہ دیار رشک نگار کون ہے۔ جہاں
یہ پھول بن چمکتا ہے۔ وہ گلزار رشک صد بہار کہاں ہے جس میں یہ گل مہکتا ہے۔ یہ
تصویر کسی پری کی تو معلوم نہیں دیتی کہ پر نہیں آگے کی خبر نہیں قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ
کسی حور جنت کی ہے۔ تعجب ہے اگر کسی انسان حور صفت کی ہے صانع لطیف نے بنی نوع
انسان میں سے ایسا حسین کیونکر پیدا کیا ہے آہاہا۔ کیا خوبصورت

تصویر ہے۔ بیجان ہے۔ مگر دل میں محبت پیدا کرنے کی اس میں کتنی تاثیر ہے۔
زلف بل کھا کر چہرہ پر آگئی ہے۔ بڑا اندھیر ہے کہ دیکھتے ہی میرے دل پر غم کی گھٹا چھا
گئی ہے۔ ہر ایک ابروئے خمار مہ نو کا جواب ہے۔ نقاشی کا کام ہے۔ کوئی تلوار نہیں
کٹار نہیں۔ مگر بُرش میں کم از خنجر خونخوار نہیں۔ آنکھیں کیا لمبی اور تیکھی ہیں۔ حیا سے نگاہیں
نیچی ہیں۔ یہ پتا نہیں لگتا کہ اُنمیں کیا جادو بھرا ہے کہ دو چار ہوتے ہی دل سحر صفت لپیا
جاتا ہے۔ ہر چند یہ کسی معشوقۂ نازنین کی تصویر ہے تاہم چہرے کی جھلک نظر ٹھیرنے
نہیں دیتی۔ بھلا اُس کا مُنہہ روبرو دیکھنے سے کیا بھلا معلوم دیتا ہوگا۔ رخساروں کے بیچ میں
بینی کیا سہاونی ہے۔ کتاب عرفان کے دو ورقوں میں ایک نشانی ہے۔ کسی نے مُنہہ
ذری چھوٹا بنا دیا ہے۔ ایسے تنگ مُنہہ سے تو بات بھی در ننگ کر کے نکلے۔ مُنہہ میں سفید دانتوں
کی قطار کیا کھری ہے۔ گویا چشمۂ حیوان میں موتیوں کی لڑی دھری ہے۔ چاہ زنخداں
بالکل خشک ہے مگر تعجب کہ تمام متاع ہوش و خرد اس میں غرق ہو گیا ہے۔ عجب راز
مخفیانہ ہے۔ طلسم و نیرنگ کا کارخانہ ہے۔ پتلی۔ لنبی گردن کیسی گوری اور سڈول ہے۔
گویا سانچہ میں ڈھالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صانع لطیف نے پہلے بڑی احتیاط سے
بنائی ہے۔ پھر دریائے حُسن میں غوطہ دے کر نکالی ہے۔ واہ پیٹ کیا سپاٹ ہے۔
بیچ بیچ دریائے نور کا پاٹ ہے۔ ناف بمنزلہ گرداب ہے۔ پانی اس میں نہ عمیق ہے نہ پایاب
ہے۔ لیکن جب سے میں اس بھنور میں پڑا ہوں ستارہ گردش میں آگیا ہے۔ یہاں سے
دور کنارے کے پاس دو جزیرے آباد ہیں۔ وہاں تک دسترس ہونے سے بیڑا پار ہوتا
ہے۔ ادھر میں تو وہم میں پھنس گیا۔ یہاں دریا اور جزیروں کا کیا ذکر وہ تو فقط چھاتیوں کا
ابھار ہے۔ کیا اس تصویر میں یہ نقص ہے کہ کمر نظر ہی نہیں آتی۔ گویا ہیچ ہے۔ نہیں۔
نہیں نقص کبھی نہ ہوگا اُس کا نظر نہ آنا قسمت کا پیچ ہے۔ آہا سارا جسم ایک پتلۂ نور ہے۔
خدا کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔ ہیرالال جلدی بتلا یہ کونسی حسین مہ جبین ہے۔ کوئی پری
ہے کہ بہشت کی حور ہے۔ جب سے میری نگاہ اس پر پڑی ہے کسی بات کی سُدھ بُدھ نہیں
رہی صرف اسی نازنین کا خیال ہو گیا ہے۔ بلکہ اس بن جینا محال ہو گیا ہے۔ ہیرالال نے رنجہ
کی تری چشم۔ خشکی آب۔ آ [illegible] رنگ و طرز گفتگو سے جان لیا۔ کہ

سلسلۂ زلف مسلسل میں گرفتار ہوا۔ اس پری رو کا عاشقِ زار ہوا۔ افسوس ابھی راجکی پہلی جوانی ہے۔ اور یہ بیماری بلائے آسمانی ہے۔ بجز وصالِ دلدار اس کی کوئی دوا نہیں حکیم طبیب کی گفتگو کی یہاں جا نہیں۔ اب دشت نوردی کوچہ گردی نصیب ہوگی۔ سلطنت سے ہاتھ دھوئیگا۔ کسی ویرانہ یا جنگل میں بیٹھا چپ چاپ حضرت عشق کی جان کو روئیگا۔

بارھواں باب

معشوق طناز

ہیرالال ملک التجار کی دلی منشاء تو راجہ کو پنجۂ عشق سے رہائی دینے کی تھی۔ اس لئے وہ بات کو ٹالتا۔ اور راجہ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ بے سچ کہے گذارہ نہیں حکم عدولی کا یارا نہیں تو دوزانو ہو بیٹھا۔ اور یوں بیان کرنے لگا مہاراج اس جنبودیپ کے دکھن رُخ سمندر میں ایک ٹاپو ہے۔ سنگلدیپ تو اُس کا نام ہے اور دُنیاوی بہشت مشہور خاص و عام ہے۔ عجب خطۂ دلپذیر ہے جو ایکدفعہ وہاں جا پہونچا۔ پھر آنے کو دل نہ چاہا۔ گویا قید بے زنجیر ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کی خوبصورتی کا کیا بیان کروں۔ پریوں کی سی تو وہاں کی پنہاریاں ہیں اور بیگمات سے سوا پنہاریاں ہیں۔ لُعبتانِ چین کا حُسن بیشک نمکین ہوتا ہے۔ لیکن افسوس خد و خال ایسے موزوں نہیں ہوتے۔ چہرہ چپکلا اور ناک کچھ چپٹا ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ایک عیب میں داخل ہونے سے کچھ کم نہیں۔ ماہ رویان فرنگ کا حُسن دلگداز بیشک مزرعۂ دل میں تخمِ محبت بوتا ہے۔ لیکن اُن کی بیوفائی اور خودنمائی قہر ہے۔ ستم نہیں ترکانِ رومی تا کہ معرکۂ حُسن و جمال میں بُتانِ لشکرِ شکن ہوتے ہیں۔ لیکن وہ سلیقہ دار نہیں ہوتے۔ حسینان کاکیشیا و سرکیشیا جا نا گو ناز و انداز سے دلربائی میں سحر فن ہوتے ہیں۔ لیکن وہ طرحدار نہیں ہوتے۔ نزاکت بھی حُسن کا ایک زیور ہے۔ بلکہ خوبروئی کا خلاصہ ہے۔ دل فریبی کا عطر ہے۔ سبب زنخدان و بادام چشمان کشمیر بھی تسخیر قلوب میں بڑی تاثیر رکھتے ہیں

مگر انہیں صفائی کہاں پاکیزگی بھی حُسن کی جان ہے - جس پر فریفتہ ہر ایک انسان
ہے - پستہ دہن و انار پستان کابل و ایران بھی نہایت دلفریب ہوتے ہیں
لیکن اُنہیں سچی محبت کی کسر ہے اور حسن و عشق کے مُعاملہ میں یہ بات نہایت پُرخطر
ہے - سنگلدیپ کی خوبصورتی بے عیب ہے سارے جہان کی خوبصورتی کا انتخاب
لازیب ہے - یہاں وہ مہ رو پیدا ہوتے ہیں جن میں داغ نہیں - سراپا نور ہیں
ایک سے ایک اعلیٰ گھر گھر جلوہ ہائے طور ہیں پدمنی جو خاص اس ملک کا حصّہ ہے روئے
زمین پر اور کہیں شاید ہی دیکھنے میں آتی ہے - گندھرب سین وہاں کا راجہ بڑا صاحب
اقتدار ہے مال و مکنت جاہ و حشم اور لشکر اُس کے قبضہ میں بیشمار ہے - یہ تصویر اُسی کی
دختر تابندہ گوہر کی ہے جو ذات کی پدمنی وہاں کے حسینوں کی سردار ہے - آج اس کے
گلشن حسن میں موسم بہار ہے - سینکڑوں والیان ملک اس کے طلبگار ہیں اس کی نرگسی چشم
کے بیمار ہیں - لیکن آجتک راجکماری کی نظروں میں کوئی نہیں سمایا - ایک جہان نادام
خریدہ اس کا غلام ہے - پدماوت اُس کا نام ہے - ایسی طرحدار ماہ رخسار حسن کی مورت
غضب کی صورت جہان میں کسی نے کم دیکھی ہے - جمال یکتا ہے شمع نور ہے - قادر مطلق
نے اُس کی صورت ایسی بنائی ہے کہ ہر کوئی دیکھ کر بے اختیار کہہ دیتا ہے دولتِ حُسن
اسی کے حصّہ میں آئی ہے - مشکین زلفوں کا کیا کہنا - دو کالے سانپ پال رکھے ہیں -
جعدِ عنبرین کو دیکھئے تو شبِ تار کا دھیان گذرے - اس اندھیری رات میں ایک روشن
راہ نمودار ہے - اُس کا نام مانگ ہے - اُس کی تعریف کے لئے تشبیہیں کہاں سے مانگ
کر لاؤں - کہ سچ کو سچ کر دکھاؤں - عقل بالکل حیران ہے - آرایش کے وقت اس میں موتی
بھرتی ہے تو بڑا لطف ہوتا ہے - ایسا معلوم دیتا ہے کہ جمنا کے اندر گنگا کا سوتا ہے -
پیشانی کی تعریف میں دماغ پریشان ہے - چاند سے تو تشبیہہ دے نہیں سکتا کہ اُس میں
سیاہی کا عیب ہے - پھر کبھی وہ صاف ہے - کبھی اُسے گہن ہے - لیکن اُس کی پیشانی
ہمیشہ ایک سی روشن ہے - اب ابروؤں کی تعریف منظور ہے - پر میشر ہی آبرو بچائے
بھویں کیا ہیں کالی کمانیں کھچی ہیں - جس کے قبضہ میں یہ ہیں - دُنیا میں اُس کا نظیر نہیں
فرشتہ بھی اُس کماندار کو دیکھکر شیدا ہوتا ہے - آپ کی کچھ تقصیر نہیں - پھر نرگسی آنکھیں

ایسی متوالی ہیں کہ ہرن بھی دیکھکر چوکڑی بھولجاتا ہے۔ اُن سے نظر لڑا کر اپنے آپ کو سنبھالنا بڑا مشکل کام ہے۔ انسان مر نہیں جاتا تو غش ضرور کھاتا ہے۔ پلکیں ایسی نکیلی اور خونریز ہیں کہ دل چھید ہیں تیرِ ناوک سے بھی زیادہ تیز ہیں۔ سجھائی دیتا ہے کہ رام۔ راون کی فوجیں تیر سامنے کئے کھڑی ہیں۔ آنکھیں مثل سمندر کے بیچ میں آپڑی ہیں۔ فوجِ غمزہ جب مدد کو پہونچ جاتی ہے تو دل پر شکست فاش لاتی ہے۔ تیغ نگاہ اگرچہ انجان کے قبضہ میں ہے مگر پوری کاٹ کرجاتی ہے۔ رُخساروں کی چمک دمک پر نظر نہیں ٹھہر سکتی۔ دو نو لب۔ جیسے دوپہریا سُرخ کے دو پھُول۔ گویا آبِ حیات سے بھرے دو کوزے اوپر نیچے دھرے ہیں۔ کلام میں وہ شیرینی پائی جاتی ہے کہ بیان کرتے ہوئے لب چپیاں ہوئے جاتے ہیں۔ صدفِ گوش میں دو بالے چاند سورج کیطرح پڑے ہیں موتیوں کے ستارے بیشمار اُنمیں جڑے ہیں۔ گردن گویا خرادپر درست کی گئی ہے۔ دیکھیں کون خوش نصیب ہار ہوکر اُس کے گلے پڑتا ہے۔ گول بازو۔ نازک کلایاں۔ گل کنول سی کف دست سُرخ ایسی کہ آفتابِ صُبح بھی اُنہیں دیکھ کر سوچ بچار میں ہے۔ داہنے ہاتھ کی اُنگلی میں جڑی ہوئی انگوٹھی زمانہ کی جان اُس کے قبضہ اختیار میں ہے۔ صاف سینہ ایک صندل کا تھال ہے۔ جس میں سونے کے دو لڈو دھرے ہیں۔ یہ سب کچھ کسی خوش نصیب کا مال ہے۔ رانیں گول گول۔ پنڈلیاں سڈول۔ حق تو یہ ہے کہ اُس کی تعریف و توصیف زبان و دہن کا کام نہیں۔ فصاحت و بلاغت کا سر زانوئے عجز پر دھرا ہے۔ خوبصورتی کی دیبی ہے۔ اس میں جائے کلام نہیں ۔

تیرھواں باب

جلتی پر تیل

ہیرالال ابھی اپنی کلام ختم کرنے نہیں پایا تھا۔ کہ چوبدار خاص اندر آیا۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ مہاراج ایک شخص برہمن مورت پاکیزہ صورت ایک پنجرا ہاتھ میں لئے درِ دولت پر کھڑا ہے۔ پنجرے میں ایک طوطا ہما صفت انسان سیرت اپنے تمکین لطیف اور رنگین

باتیں بولتا ہے کہ اُس کے جانور ہونے پر انسان کو گمان کم گذرتا ہے۔ عجیب چیز سبحان ہے
کہ جس نے اُس کی بولیاں سُنی ہیں۔ انگشتِ حیرت بدندان ہے۔ شاید وہ شخص سفرِ دور و
دراز سے آیا ہے کسی ملک یا جزیرے سے یہ تحفہ مہاراج کے واسطے لایا ہے۔ راجہ رتن
سین جو حدیثِ حُسن محبوب کے سوا کوئی کلام۔ اور تدبیرِ وصل مطلوب کے علاوہ کوئی
کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس دخل در معقولات سے ایسا رنجیدہ ہوا کہ دل میں چوبدار کے
واسطے سزائے شدید کی تجویزیں کرنے لگا مگر تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چوبدار نے
جو ملک یا جزیرے سے چلے آنے کی بابت کہا تھا۔ فوراً اُس کا دھیان آگیا۔ سوچا کہ
یہ کوئی حضرتِ عشق کا ہی شعبدہ نہ ہو کیا تعجب کہ یہ مُرغِ خجستہ خبرِ یار لاتا ہو۔ اور کوئی
ایسی بات بنجائے کہ عاشقِ جانبار بچ جاتا ہو۔ فرمایا اُسے بولو کہ اندر آئے اور اپنی حقیقت
من وعن کہہ سُنائے۔ فوراً برہمن مہاراج آبراجمان ہوئے اور اشیرباد کہہ کر زبان دُر
فشاں سے یوں بیان کرنے لگے کہ دیاوان بھگوان کی کرپا سے راج پاٹ میں ترقی روز
افزوں ہوں۔ لچھمی کا پرکاش ہو سو دشمنوں کا ناش ہو۔ حضور خیال نہ فرمائیے گا کہ میں کسی غیر
ملک کا رہنے والا ہوں یا میری سرگزشت کوئی عجیب وغریب ہے جو حضور والا کے روبرو
کہنے والا ہوں بلکہ مہاراج میں تو اسی چتوڑ گڈھ کا باشندہ ہوں اور اسی سرکارِ عالی کا ایک بندہ
ہوں کل ایک سال کا عرصہ ہوا ہے کہ یہ مسکین حضور کی رعایا میں سے ایک بھکاری برہمن
نان ونفقہ سے ایسا تنگ ہوگیا کہ آٹھ پہر میں ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوتا تھا
حیلہ شعر جاہے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے طالع برسرِ یاری و زمانہ آمادۂ مددگاری نہ ہوا۔
بیوی کے آٹھ پہر کے طعنوں نے شہر میں رہنا دوبھر کردیا روز کی پریشانیوں سے جی جل بل کے
کوئلا ہوگیا اتفاق سے ایک قافلہ سنگلدیپ کو جانیوالا تھا قسمت آزمائی کے لئے میں بھی
اُس کے ہمراہ جانے کی تیاریاں کرنے لگا لوگوں نے قسم قسم کا مال گونوں میں بھر اونٹ ٹٹو
خچروں پر لاد لیا کسی نے تھوڑا کسی نے بہت غرضیکہ سب نے حسب حیثیت سامانِ سفر درست
کیا یہاں روپیہ پیسہ کیطرف سے بے فکری تھی جز جیب کسی مال پر ہاتھ نہ پڑا تنِ تنہا چل کھڑا
ہوا راہ کی صعوبتوں اور سفر کی مصیبتوں کا حال کیا بتاؤں جب کہ خیر وعافیت سے منزلِ
مقصود پر پہونچ گئے۔ [illegible] بھوک وغیرہ کی ایذا ہی سے

بالکل محفوظ رہا۔ سنگلدیپ پہونچکر بھی میری روزی کا یہی ذریعہ تھا ایک مہینے کے قریب
میرے ساتھی خرید و فروخت میں مصروف رہے سفر ایسا مبارک پڑا کہ سب مالا مال
ہو گئے۔ نعمت دنیا سے خوشحال ہو گئے میرے پاس مال و دولت کا نام ہری تھا لین دین
کے جھگڑوں بکھیڑوں سے بالکل بری تھا۔ وہ ملک تھا کہ ملک زرنگار تھا۔ شہر تھا کہ گلزار
سدا بہار تھا۔ میں صبح سے شام تک گھوما کرتا مشہور عمارات اور وہاں کے عجائبات کی
سیر سے حظ اُٹھاتا بنی نوع انسان کی مصنوعی چیزوں میں سب سے بڑھ کر عجایب چیز
پرمیشور کی شان اور انسان کی ہنرمندی اولوالعزمی اور طاقت کی عظمت دکھانیوالی
وہاں کے مہاراج کا محل اور قلعہ ہے جسکی وسعت اور شان و شوکت کے بیان کرنے کی
مجھ میں طاقت نہیں بیسیوں جگہ راج کیطرف سے سدا برت کھلے ہیں جہاں غریبوں
کو وہ وہ نفیس کھانے کھانے کو ملتے ہیں کہ امیروں کے لنگروں میں بھی شاید ہی پکتے ہونگے
سب سے زیادہ فیاض اور پرتکلف سدا برت پدماوت کا ہے جو وہاں کی راجکماری ہے اُس
کے حسن کی شہرت چار دانگ عالم میں سورج کی شعاعوں کیطرح پھیلی ہوئی ہے سارا سنگلدیپ
اُس کے جلوۂ حسن سے منور ہے کون ہے جو اُس کے حور جنت ہونے سے منکر ہے۔
زلف دیکھو تو کالی رات ہے اُس کی درازی کا بیان پوچھئے تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ صحرائے
ظلمات ہے بلکہ پیچیدگی میں کچھ اُس سے بھی زیادہ مانگ ہر وقت دل مانگے کو آتا وہ جبین
مبین کوئی لوح تقدیر جس کی چین پریوں کے پاؤں کی زنجیر بھویں شمشیر آبدار نرگسی آنکھیں
نشۂ حسن سے سرشار نگاہیں تیز تیز نکیلی پلکیں خونریز پھول کی رنگت کے رخسار۔ ستارے
جیسی ناک۔ نازک ہونٹ۔ دانت بالکل ہموار جیسے ایک ایک لڑی میں سولہ سولہ گوہر آبدار
گردن کوئی کہے نور کی کوٹی کہے بلور کی بھرے ہوئے بازو لمبی اُنگلیاں جیسے ارہر کی پھلیاں
ناخن شکل بادام۔ سینہ مانند آئینہ۔ پیٹ ایک لوح سیمین نمونۂ قدرت رب العالمین رانیں
گول کولے انمول پاؤں صد برگ کے پات قد قیامت کا نمونہ جوانی کی آمد جس سے جلوۂ
حسن دوبالا کوئی برس پندرہ سولہ ایک کا سن کھیل کود کے دن غرضیکہ مہاراج اُس دیار میں
جا بجا اُس کے حسن کا چرچا ہے بیشک یہ حسن و عشق کی باتیں دربار میں بیان کرنی سوء ادب
میں داخل ہے۔ کہانی کہتے ہوئے قایمی سلسلہ کے واسطے ضمناً کہی گئیں حضور معاف فرمادیں

اَبْ میں یہ فضول باتیں چھوڑ کر اگلا احوال سُناتا ہوں کہ جس دن قافلہ نے واپس کوچ کرنا تھا اُس سے ایک دن پہلے میں بخاطرِ حزین و دلِ اندوہگین بازار میں اِدھر اُدھر پھرتا تھا دل میں سوچتا کہ گھر سے نکلا تھا تو نقد آرزو ساتھ لایا تھا افسوس اَب یہاں سے بالکل تہیدست جاؤنگا گھر میں کیا مُنہ دکھاؤنگا وہی مُفلسی وہی جانکاہی - وہی دلخراشی وہی تباہی باقی رہے گی - خلقِ خدا طعن و تشنیع سے ستائے گی عیالداری آٹھ پہر جان گھٹائیگی اَب تک کل پانچ روپیہ بچے کچھے میرے پاس جمع ہوئے ہیں انکا گھر کے لئے کیا لیجاؤں اپنے واسطے کیا کیا بناؤں جب میں مُدّت بعد گھر پہونچوں گا تو بیوی بچّوں اور رشتہ داروں کو نہایت خوشی ہوگی کہ ہمارے واسطے تحفہ چیزیں لایا ہوگا - میں اپنے آپ میں شرمندہ ہونگا کہ یا ایسے کچھہ سوال کریں گے تو کیا جواب دونگا - بیوی مُجھ سے سنگلدیپ کے موتی مانگے گی - میں اشکِ حسرت بہاؤنگا لڑکے مُجھ سے کھانے کو مٹھائیاں مانگیں گے میں تیرسا مارے غم کے لختِ جگر کھاؤنگا یار آشنا اس ولایت کی نادر چیزیں طلب کریں گے میں بدقسمت اپنی بدبختی کا قصہ پر غصّہ ہدیہ لیجاؤنگا - ہائے مفلسی ہائے مفلسی یہ پچھلے دو الفاظ بے اختیار میرے موُنہ سے نکل گئے اور دل پر ایسی رقّت طاری ہوئی کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا - آنسوؤں کے پانی سے دل کا غبار دھونے لگا - آدھ گھنٹہ بعد جب دل کو کچھہ ڈھارس بندھی تو بارِ غم سے کچھہ ہلکا ہو کر ایک سمت کو روانہ ہوا منڈی میں پہونچکر ایک جگہ لوگوں کا مجمع دیکھا جانا کہ کچھہ تماشا ہو رہا ہے - دیکھنا چاہئے اسی خیال سے آگے بڑھا اور معلوم کیا کہ ایک صیاد بدصورت جلاد بہت سے جانور ڈلے میں رکھے ہوئے بیچ رہا ہے اُنمیں ایک طایر سبز رنگ سُرخ منقار بلبلِ ہزار داستان کیطرح باتیں کرتا ہے کہ لوگ سُن سُن کر حیران پریشان ہیں ایزد تعالیٰ کی قدرتِ برحق کے ثنا خواں ہیں جس نے ایک جانور کو یہ لیاقت بخشی کہ ذیشعور انسانوں کیطرح بولتا تھا مہاراج وہ طوطا کیا تھا پرمیشر کی قدرت کا اظہار تھا ہر ایک دل و جاں سے اُس کا خریدار تھا لیکن آخر جانور تھا ابساط میں ایک مُشت پر بکتا کوئی آٹھ آنہ تک قیمت بڑھاتا کوئی ایک روپیہ تھا مگر صیاد بھی کہے جاتا کہ پانچ روپے سے کم نہیں لونگا ایسا پڑھا ہوا طوطا عجوبۂ روزگار ہے ایک زمانہ اس کا خریدار ہے جب کوئی شخص حوصلہ کر کے اس قیمت پر اُسے خریدنا چاہتا تو اُس کا رفیق اُسے یوں سمجھاتا تھا

کہ شٹری ہوا ہے جو بلّی کتّے کا کھا جا پانچ روپے کو خریدتا ہوں اور یہ پاس نہیں رہتے اب باتیں سُن لیں اور دل خوش کر لیا - چلو یہاں سے کنارہ کر دیں یہ سُنکر وہ خریداری سے رُک جاتا اور دم بھر کے بعد وہاں سے چلدیتا دوسرا شخص آکر اُس کی جگہ تماشا دیکھنے لگتا اسیطرح اُس صیاد کے گرد ایک بھیڑ سی لگ رہی تھی میں نے جونہی اُس طوطے کی باتیں سُنیں اور اُسے سنسکرت بولتے ہوئے معلوم کیا تو حق تو یہ ہے کہ میری عقل کے طوطے اُڑ گئے اور آگے بڑھ کر پانچ روپیہ کہ دُنیا میں کُل وہی میرا سرمایہ تھا صیاد کے ہاتھ پر رکھ دئیے اور طوطا لے کر روانہ ہوا حضور والا وہ یہی طوطا ہے جس کا پنجرا اس وقت سرکار دولتمدار کے سامنے دھرا ہے یہ اکثر پدماوت کا نام جپتا ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اُس کی یاد میں بیقرار رہتا ہے معلوم ہوتا ہے اُس نے اسے پالا ہے فلک نے اس پر یہ پالا ڈالا ہے کہ کسی وجہ سے اُس سے جُدا ہو گیا ہے بیچارے کی آنکھوں کا نور کھو گیا ہے میں نے خیال کیا کہ رانی کا طوطا راجا کے لایق ہوتا ہے اس لئے حضور میں یہ تحفہ لے کر حاضر ہوا ہوں - برہمن یہاں تک کلام کرنے پایا تھا کہ طوطا یک بیک بول اُٹھا رانی پدماوت سنگلدیپ کی راجکماری ہے ٭

چودھواں باب

جلوۂ عشق

راجہ رتن سین جو ہیرالال سے پدماوت کے حُسن کی تعریف سُن کر عاشقِ زار ہو گیا تھا ہجر میں ایکدم جینا اُسے ناگوار ہو گیا تھا اب بدیا برگاش کے بیان سے آتشِ عشق پر روغنِ اضطراب پڑ گیا کہ شعلہ جوالہ ہو کر بھڑک اُٹھی اُسکی آنکھوں سے مُحبّت کا سیلاب اُنڈیل رہا تھا دل بحرِ عشق کی گرداب میں غریق ہو گیا - دماغ انواعِ اقسام کے فکروں اور ترددوں کا مخزن بنگیا نبض کا پارا معمول سے کئی درجہ اونچا چڑھ گیا پریشان خاطر مضمحل دل اپنی جگہ پر نقشِ دیوار بن گیا اُس کے لبوں کی جنبش سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن بالکل خاموش تھا دیکھنے کو برقرار بیٹھا تھا - حقیقت میں بیہوش تھا - دُنیا و مافیہا کی کچھ سدھ بُدھ نہ تھی - دھیان خاص طوطے کے پنجرے کیطرف لگ رہا تھا - کبھی روتا تھا - کبھی ہنستا تھا

کچھ بولنے لگتا تو نالہ گلے میں پھنستا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ یہ دو کلمے کہنے میں کامیاب ہوا کہ ہیرالال و بدیا پرکاش کو ایک ایک لاکھ روپیہ انعام دے کر رخصت کیا جاوے اور طوطا ہمارے پاس رہے کہ دلدار کی نشانی ہے۔ دلِ غمزدہ کے لئے باعثِ شادمانی ہے یہ کہہ کر راجا اپنی خوابگاہ کے کمرے میں چلا گیا۔ طوطا اپنے پاس رکھ لیا اور موںھ سر لپیٹ کر پڑ رہا کھانے کا وقت آیا تو بکاول نے دسترخوان بچھایا اور حضور میں عرض کی کہ کھانے کے کمرے میں جلوہ افروز ہوں راجا نے کہا یہاں کھانے پینے سے بالکل انکار ہے۔ اب کس کا کھانا کہاں کا پینا اُس بن تو سانس لینا بھی دشوار ہے خاصہ بڑھا جائے یہ سُنکر حیران ہی رہ گیا اُس کی سمجھ میں ذری بھی نہ آیا کہ یہ کیا اسرار ہے پہلے اُسے دل لگی کا دھیان ہوا پھر علالتِ طبع کا گمان ہوا سبب پوچھنے میں گستاخی ہو جانے کا ڈر تھا۔ اپنا سا موںھ لیکر لوٹ گیا۔ رات کے وقت رانی پاس آئی تو اُس نے بھی راجا کی عجیب کیفیت پائی کہ چُپ چاپ پڑا زار زار روتا ہے آنسوؤں سے بالین سر بھگوتا ہے۔ کبھی کسی کے خیال میں محو ہو جاتا ہے پھر آہِ سرد بھرتا ہے ہوش و حواس میں فتور ہے جو ادا ہے سو عقل سے دور ہے۔ نہ جاگتا ہے نہ سوتا ہے آپ ہی آپ حیران ہوتا ہے طبیعت پہ ضعف طاری ہے۔ کچھ عجب ہی طرح کی بیقراری ہے سینے میں طپش ہے۔ دل جلتا ہے۔ آنکھوں سے دریا اُبلتا ہے۔ دل کی دھڑک۔ کلیجہ کی پھڑک۔ لب خشک۔ چشم تر۔ چہرہ زرد۔ آہ سرد۔ علامات بیڈھب ہیں۔ کسی واقعۂ ہولناک کے سرزد ہونے کے نشانات سب ہیں۔ نہ آج کھانا کھایا ہے۔ نہ مجھے پیار سے بلایا ہے۔ دم بدم کروٹیں بدلتا ہے یعنے کسی کروٹ قرار نہیں۔ اے نرنکار یہ کیا ماجرا ہے۔ بہرحال مآل نیک ہو۔ چند منٹ تک رانی اسی سوچ بچار میں بیٹھی رہی۔ ہر چند کوشش کی کہ راجہ کوئی بات کرے۔ مگر راجہ نے اُس کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ نہ اُس کی طرف دھیان کیا۔ بدستور اپنے خیالات میں ڈوبا رہا رانی پاس بیٹھی صُبح تک اُنکی حالت پر غور کرتی رہی۔ دن چڑھا تو بھی راجہ جی کی حالت میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی بلکہ دل کی بیقراری رات سے کچھ بڑھ گئی۔ غرضیکہ تین روز تک راجہ اسی حالتِ بیخودی میں پڑا رہا۔ نہ کبھی کام کاج کو ہاتھ لگایا۔ نہ کھانے پینے کا دھیان آیا نہ کسی سے کچھ پوچھا نہ کسی کی بات کا کچھ جواب دیا۔ البتہ اس عرصہ میں ہیرالال اور بدیا پرکاش

کو دو بار اپنے پاس بُلوایا اور دو دو ۲ گھنٹہ تک تخلیہ میں بات چیت کرکے رخصت کر دیا۔ راجہ
کی شورشِ مزاج کا شُہرہ آناً فاناً لوگوں میں پھیل گیا۔ گھر گھر یہی ذکر تھا کہ مہاراج کی عجیب حالت ہو گئی
ہے۔ دن بیقراری میں کٹتا ہے۔ رات اختر شماری میں گذرتی ہے۔ محل میں دل نہیں لگتا۔
بستی اُجاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دن برس برس کا گذرتا ہے۔ رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔
کوئی پاس آتا ہے تو وحشت کو بڑھاتا ہے۔ تنہائی پسند ہے۔ چُپ چاپ پڑے رہنے میں
خرسند ہے۔ نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہیں معلوم کسطرح جیتا ہے۔ ہر دم کچھ اُدھیڑ بُن
رہتی ہے۔ اعضا سُست اور طبیعت سُن رہتی ہے۔ چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا ہے۔ ایسا معلوم
دیتا ہے کہ کسی پری کا سایہ ہے یا کسی حور شمائل پہ دل آیا ہے۔ وزیر با تدبیر اس حوال پُر
اختلال سے بہت گھبرا گیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ آخر رانی جی کی خدمت
میں آکر عرض کی کہ مہاراج کی بیماری کا بھید آپ پر کچھ کُھلا ہو تو ظاہر فرما دیں۔ ہم لوگ فکر میں
گھلے جاتے ہیں۔ عیش و آرام کیا زندگی حرام ہے۔ مہاراج کو خوش رکھنا ہمارا اعلیٰ فرض مقدم
کام ہے۔ نیز چندے اور یہی نوبت رہی تو امورِ سلطنت میں کُلّی فتور واقع ہونیکا شُبہ ہے
آپ اس آفتِ ناگہانی بیماری کا ضرور پتہ لگائیں۔ کہ کوئی درد ہو تو دوا دیجیے سایہ ہو تو دوڑ
دھوپ کیجئے۔ رانی نے وزیر کی بات سُنکر دلِ پُر درد سے آہِ سرد کھینچکر کہا۔ بیشک مہاراج
کی پریشانی سے ایک جہان کی پریشانی ہے۔ اور ہم لوگوں کی تو بالکل تلخ زندگانی ہے مگر
افسوس جس بیماری میں مہاراج مُبتلا ہوئے ہیں۔ وہ مرضِ لا علاج ہے جب سے کسی عورت کی
ایک تصویر ایک ہیرالال نامی سوداگر سے مول لی ہے۔ اُسیدن سے یوں نفرت سر میں
چڑھ گئی ہے۔ طوطے کے ہاتھ لگنے سے وحشتِ دل اور بھی بڑھ گئی ہے۔ طوطا گاہ گاہ رانی
پدماوت سنگلدیپ کی راج کنیا کا نام لیتا ہے۔ شاید وہ اُس راجکماری کا پالا ہوا ہے۔
کسی وجہ سے اُس برہمن کے ہاتھ آگیا۔ جس نے اُسے یہاں پہونچایا۔ اور نہیں معلوم کہ اُس
کے حسن و جمال کی بابت راجہ جی کو کیا کچھ کہہ سُنایا ہے کہ اُنہیں یہ روزِ بد دکھایا ہے بہتر
ہے آپ سیدھے مہاراج کے کمرہ کی طرف چلے جاویں اور سب حال خود دریافت کر آویں اس
بات کی تحقیقات ضرور چاہئے۔ رفعِ شبہ کیلئے کوشش تا بمقدور چاہئے۔ رانی جی کی فرمائش
کے بموجب دستور راستین عمل میں گیا۔ جاکر راجہ جی کو دیکھا۔ تو واقعی حال بہت ابتر پایا۔

یعنے ضعف سے کروٹ لینا محال ہے۔ دم گھُٹ کر گلے تک جاتا ہے۔ بیقراری سے
کسی پہلو چین نہیں آتا ہے۔ ہر وقت آپ ہی آپ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ نہ کسی کی سُنتا ہے
نہ اپنی کچھ کہتا ہے۔ یہ احوال پُر ملال وہ وزیر با تدبیر دیکھکر زار زار رو دیا۔ غم سے دل پارہ
پارہ ہوگیا۔ کانپتا کانپتا سامنے آیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے موجبِ امن جہان و
جہانیان واے! باعثِ انبساطِ زمین و زمان۔ جانتا ہوں کہ چند روز سے طبیعت اعدا
ناساز ہے۔ طبعِ مقدس پر آشوبِ غم پیتوانا ہے۔ حضور کی نمئ چشم سے ایک جہان مبتلائے
طوفانِ بلا ہے۔ بارِ غم سے ہر ایک کی پشت دوتا ہے۔ بندۂ درگاہ کا احوال ازبس
تباہ ہو رہا ہے۔ جہان آنکھوں میں سیاہ ہو رہا ہے۔ اس اپنے خانہ زاد غلام پر ہمیشہ سے
نظرِ عنایت بیغایت رہی ہے۔ کبھی کسی بھید کو مجھ سے نہیں چھپایا۔ اب بھی شہنشاہِ
خرد دوست۔ مغزِ سخن سے پوست اُتار دے۔ دردِ پنہاں کو ظاہر ا کیجئے۔ کہ بیماری کا پتا لگجانے
سے دور ہونا آسان ہے۔ راجہ نے کہا اے وزیرِ دانا۔ جس چیز تک رسائی نہ ہو اُس کو
قابو میں لانے کا قصد کرنا خوابِ خیال ہے۔ آسمان سے تارے اُتارنا انسان کے لئے نہ
ممکن ہے نہ کہ محال ہے۔ میری وہ مرض ہے جسکو علاج سے بیر ہے۔ گل و گلزار کے تماشا
سے جی اُکتاتا ہے۔ کوہ دہامونکی طرف کھینچے لئے جاتا ہے۔ یہ عجیب سیر ہے۔ لیٹتا ہوں
تو ہاتھ پانو سن سن کرتے ہیں۔ بیٹھتا ہوں تو غش چلا آتا ہے۔ درد کا کہیں نام نہیں۔ مگر
لب پر ہر دم آہ جاری ہے۔ اب تم بُوجھ لو کیا بیماری ہے۔ یہ سُنکر وزیر نے سمجھ لیا کہ
راجہ جی کی وہ مرض ہے جس کی جوں جوں دوا کرو ترقی کرے۔ کل رتی ہو تو آج ماشہ ہو۔ دور
تماشا ہو۔ انسان اس میں ہمیشہ رنجیدہ دنیا سے دامن کشیدہ رہتا ہے۔ نزع کے عذاب کی
مصیبتیں سہتا ہے۔ کبھی نالہ و فریاد و شی ہے۔ کبھی لب پر مُہرِ خاموشی ہے۔ لختِ دل کھاتا
ہے۔ خونِ جگر پیتا ہے۔ نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ طاقت دور ہو جاتی ہے۔ نیند کافور
ہو جاتی ہے۔ کبھی بہانہ سے سوتا ہے تو چُپکے چُپکے روتا ہے۔ کوئی دارو اُس کو راس نہیں
آتا۔ خوفِ بدنامی کے مارے طبیب۔ حکیم پاس نہیں آتا۔ سیبِ زنخدان سے کسقدر رنج
تکلیف ہوتی ہے انارِ پستان سے صفرا میں کچھ تخفیف ہوتی ہے۔ غنچۂ دل شاد و نا دہی
کھلتا ہے۔ عناب لب سے اس تپ کو ٹھنڈک آتا ہے ... کا بیمار زندگی سے ہاتھ اٹھا بیٹھا

رگڑتا ہے چھاتی کوٹتا ہے تا دمِ مرگ مصیبت سے نہیں چھوٹتا ہے ::

پندرھواں باب

باب ترغیبِ عشق

جب راجہ رتن سین کو کئی دن رات بے قراری و اختر شماری میں گذر گئے ۔ تو اُس کا دل غم کے حملوں اور اندوہ کی یورشوں کی تاب لانے کے ناقابل ہوتا چلا ۔ چاند سا چہرہ زار و نزار ہوگیا ۔ کنول سا بدن مثالِ خار ہوگیا ۔ پہلے دیوانگی کا جوش خاموش پڑے رہنے اور چپکے چپکے رونے پر تھا ۔ لیکن اَب دستِ جنون گریبان تک پہونچنے لگا ۔ پہلے تصویرِ دلدار مثالِ گوہرِ نایاب کانِ سینہ میں بند تھا ۔ اَب پدماوت کا لفظ وردِ زبان ہوگیا ۔ راحتِ جان کا نام حرزِ جاں ہوگیا ۔ آنکھوں سے بجائے اشک لختِ دل آنے لگے ۔ حضرتِ عشق اپنی کارستانیاں ظاہر کرنے لگے ۔ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا ۔ صحرا میں جوشِ وحشت زیادہ ہو جاتا ۔ فرشِ گُل پر لیٹتا تو ہر رگِ گُل کانٹا سا کھٹکتی تھی ۔ پلنگ پلنگ کی طرح ڈراونا لگتا ۔ بادِ نسیم یا صبا سمومِ جان گزا سے بڑھ کر ایذا رساں تھی ۔ چاند کی چاندنی گرما کی دھوپ سے زیادہ آزارِ دل و جاں تھی ۔ کالی گھٹا کبھی آسمان پر نمودار ہوتی تو وہ دل کا رہا سہا قرار کھوتی ہر قطرۂ باران دل پہ نیا داغ دیتا ۔ آنکھیں ابرِ تر سے شرط باندھ کر روتیں ۔ سیر دریا خاک بھی نہ بھاتا ۔ گل و گلزار کے تماشا سے کلیجہ پھٹ جاتا ۔ غرض یہ کہ کسی جگہ کسی وقت اور کسی پہلو چین نہ آتا تھا ۔ دم گھبرا کر سینہ سے باہر نکل نکل جاتا تھا ۔ ایک روز وزیر کو اپنے پاس بلایا اور کہا ۔ اَب اس حالت میں زندگی دشوار ہے اور جئے بھی تو ایسا جینا کس درکار ہے عاشقی میں کب افسرِ زیب سر اور صاحب لشکر رہے ہیں ۔ سب عاشقِ گریبان چاک خاک بسر رہے ہیں ۔ راہِ عشق وہ کوچہ ہے ۔ جس کی خاک میں ہر بیضۂ مور دُرِ تاجِ سلیمان ہے ۔ عاشق وہ دل ہے جس کا ہر داغِ جگر رشکِ برِ اخترِ آسمان ہے ۔ کوچہ گردی دشت نوردی ازل سے شیوۂ عاشق ہے ۔ تلاشِ یار میں جو جان دیوے وہی عاشقِ صادق ہے ۔ کل ہم سلطنت گھر بار چھوڑیں گے عزیزوں سے مُنہ موڑیں گے ۔ مراد پائی تو واپس آئیں گے ۔

ورنہ عاشقوں میں نام کر جائیں گے - تم وفادار ہو گے تو انتظامِ سلطنت میں حتی المقدور
فتور نہ آنے دو گے - بیوفائی کرو گے تو قیامت کو جواب دینا پڑے گا - راجہ سے یہ
کلام سُنکر وزیر کا مُنہہ فق ہو گیا غم سے سینہ شق ہو گیا - ایسا گھبرایا کہ کچھہ جواب بن نہ
آیا با چشمِ گریاں و دلِ بریاں اُفتاں و خیزاں راجہ کی والدہ پاس آیا آنکھوں سے آنسوؤں
کی جھڑی لگ رہی تھی - مُنہہ سے آواز نہ نکل سکتی تھی - بڑی دقت سے رانی جی کو راجہ کے
ارادہ سے اطلاع دی - اس نے سُنتے ہی غشی کھائی - اور جب ہوش بجا ہوئے تو فریاد
کُنان راجہ کے پاس آئی - پہلے دیر تک اُسے گلے سے لگا کر رویا کی - پھر کہا بیٹا کہاں
کی تیاری کی ہے - پرمیشور نہ کرے کہ تیری جُدائی میں مجھے موت آئے - دُنیا میں اندھیر
مچ جائے - تجھے تختِ شاہی پر حکومت کرنا ہی زیبا ہے کیونکہ زمانہ کا امن و امان تجھہ
سے وابستہ ہے - تیرا بال بیکا ہونے سے عالم کی نبض میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے -
جہاں طوفانِ بلا میں غوطے کھاتا ہے - اس عرصہ میں یہ خبر سارے محل میں پھیل گئی کہ
راجہ رانی پدماوت سنگلدیپ کی راج کنیا کی محبت میں راج پاٹ چھوڑ جوگی بن کر گھر سے
نکلنا چاہتا ہے - آج رات یہاں ہے - کل سفر پر آمادہ ہے - ملکِ دلدار تک پہنچنے
کا ارادہ ہے - رانی ناگمتی اور محل کی تمام خواصیں جو شمعِ روئے راجہ پروانہ کیطرح قربان
ہوتی تھیں - کبھی جو دیکھتا تھا تو بے قراری سے جان کھوتی تھیں حیران ہو کر اپنی
اپنی جگہ سے دوڑ پڑیں بدحواسی سے کسی کی جان میں جان نہ تھی ایک ایک کا مُنہہ تکنے
لگیں کوئی فلکِ کجرفتار کو کوستی کہ اے ظالم تو نے یہ کیا ستم ڈھایا کوئی بختِ ناہنجار کو
دوش دیتی کہ او بے رحم تجھے ہمارا عیش و آرام نہ بھایا کوئی کہتی ہائے ہمارا سرمایۂ عیش لوٹ
لیا - کوئی بال نوچتی - کوئی چھاتی پیٹتی - کسی نے سینہ کوٹ لیا - کسی نے دلِ غمزدہ کو تھام
تھام لیا - کوئی چپ چاپ کھڑی روتی رہی فقط آنسوؤں سے کام لیا رانی ناگمتی کا سب سے
بُرا حال تھا - رونے پیٹنے بال نوچنے سے اُس نے اپنے آپ کو نڈھال کر لیا آہ و نالہ
کا شور تا فلکِ ہفتم میں بلند ہوا صبر و تحمل کا دروازہ بند ہوا آخر رانی ناگمتی دوڑ کر راجہ سے
لپٹ گئی اور کہنے لگی جاتا ہے تو مجھے اپنے ہاتھ سے پیس دے جا تیرے ہجر میں زندگی دشوار
ہے - تیرے بعد کیونکر جیونگی آئے گا آخر تڑپ تڑپ کر دم نکل جائے گا - راجا نے کہا رانی

سنگلدیپ تک جانا مجھے ضروری ہے۔ امر مجبوری ہے۔ تجھے صبر و شکر سے رہنا چاہئے
پرمیشر چاہے تو ہم جلدی ہی واپس آئیں گے۔ رانی کہنے لگی یہاں تجھے کس چیز کی
پرواہ ہے کہ سفر کا ارادہ کیا ہے۔ حسن کے بھوکے ہو تو سنگلدیپ کیا دھرا ہے۔ آپ کے
سوا مجھ سے زیادہ حسین کون ہوگا۔ غور تو کرو۔ پدماوت کو فقط آپ نے سنا ہے۔ دیکھا نہیں
عقلمند تو سنی بات کا اعتبار بھی نہیں کرسکتا۔ چہ جائے کہ عشق کا دم بھرے۔ طور بیلد۔
کرے۔ سنگلدیپ کا ٹاپو سمندر سے پار رستے دشوار گذار کہیں۔ قزاقوں کا خوف چوروں کا
ڈر۔ کہیں جنگلی درندوں کا خطر۔ بالفرض اگر مصیبتیں جھیلتے۔ تکلیفیں اٹھاتے شیروں سے
بچتے بچاتے۔ نہنگوں سے جان بچاتے یاوریٔ اقبال و فضل ایزد بے ہمال سے وہاں جا
بھی پہنچے تو جا کر کیا کرو گے۔ کیا در بدر بھیک مانگتے پھرو گے۔ وہاں کے راجہ نے
بیٹی دینے کے واسطے آپ کو بلایا تو ہی نہیں۔ نہ کوئی یہاں پسند کرنے آیا ہے۔ اے!
آرام جان۔ جان کو جان بوجھ کر خطرے میں نہ ڈال۔ اور یہ خیالِ محال ترک کر دے۔
راجہ نے جب یہ نصیحت اور فضیحت کی باتیں سنیں تو سر اٹھا کر سب کی طرف حسرت
سے نگاہ کی۔ کچھ دیر اپنی والدہ اور دلدادہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہ کی اور فرمایا کہ تمہارا
کہنا درست ہے۔ لیکن میں بھی ان سب باتوں کو جانتا ہوں۔ اپنے بھلے برے کو
پہچانتا ہوں۔ دیوانگی میں بھی تم سے کچھ زیادہ ہوشیار ہوں۔ مگر کیا کروں۔ دل پر
مجھے قابو نہیں۔ بے بس ہوں۔ ناچار ہوں۔ جتنا اسے سمجھاتا ہوں اتنا ہی زیادہ مضطر
پاتا ہوں۔ چپ رہنے سے برہم ہوتا ہے۔ فریاد مچانے سے دل کا بخار کچھ کم ہوتا ہے۔ گھر
میں بیٹھتا ہوں تو سودا اٹھتا ہے۔ سیر کو جاتا ہوں تو دم گھٹتا ہے۔ آہ کو روکتا ہوں تو
دل خون ہوتا ہے۔ شور نہیں کرتا ہوں تو جنون ہوتا ہے۔ ہنسی کی باتوں سے رونا آتا
ہے۔ کام کاج سے دل گھبراتا ہے۔ عالم میں تو اب بھی بدنام ہو چکا ہوں یادِ ابرو میں
آبرو کھو چکا ہوں۔ چند روز اور یہی حال رہا تو زیادہ باعث خواری ہوگا۔ دیوانوں کی
طرح گلیوں میں پھرنا پڑے گا۔ سر ٹکراتے ٹکراتے گلناری ہوگا آخر کو یہ تدبیر کریں گے۔
کہ ہاتھوں میں ہتکڑیاں اور پاؤں میں زنجیر کریں گے۔ بقول شاعر بیت

دیوانے کی مطلق العنانی
ہے باعث مرگ ناگہانی

بھلا اسطرح میرا یہاں رہنا کیا مفید ہوگا - عاشق ہو کر بخوفِ رسوائی یا بطمعِ بادشاہی تلاش دلدار کو نہ جانا - عقل سے قریب اور دیوانگی سے بعید ہوگا - مگر عقل اور عشق میں روز ازل سے اختلاف ہے - عاشق کو نصیحت کرنا جوشِ وحشت کو بڑھانا ہے - زخم دل پر مرہم کی بجائے نمک چھڑکنا ہے - جو کوئی محنت میں تن دیتا ہے - دین دنیا کیطرف سے زہر کا پیالہ پی لیتا ہے - اُس کو سوائے خیال وصال معشوق اور کسی بات کی پرواہ کم رہتی ہے - بادشاہی اور تن آسانی دلارام کی جُدائی میں بہت تکلیف دیتی ہے - دشت نوردی میں تن کی تکلیف راحت اور مصیبت عین مسرت ہو جاتی ہے جس جسم نے آخر آگ میں جلنا ہے - اُس کے بناؤ چناؤ کا اتنا کیا فکر کرنا ہے - یہ تو آبحیات پینا اور بقائے دوام حاصل کرنا ہے - جسکو بھولے لوگ کہتے ہیں راہِ مُحبت میں مرنا ہے اگر محبت سچی ہے تو چند روز میں میسّر وصالِ دلدار ہے - ارادہ مستقل اور عزم بالجزم ہے تو کوچۂ یار پس دیوار ہے - یہ کہہ کر راجہ نے چترِ شاہی اُتار کر پھینکدیا - لباسِ خسروی کی پھاڑ کر دھجیاں اُڑادیں - شان و شوکت کو آگ لگا فقیرانہ صورت بنا بغل میں بیراگن - گلے میں تلسی کی مالا - ہاتھ میں دستپناہ - کندھے پر مرگ چھالا اوڑھ کر محل سے باہر نکل آیا - گھر میں ایک کُہرام مچگیا - واویلا کا شور بلند ہوا - رونا پیٹنا پہلے سے دوچند ہوا - لیکن راجہ نے کسی بات کا خیال نہ کیا - رانی اور والدہ کی بیکلی کا بھی ملال نہ کیا - محل کے قریب ایک برچھ تلے آسن جمادیا - کہ رات وہاں بسر کری - اور صُبح کوئے دلدار کی راہ لی

سولھواں باب

سفر مُلکِ زرنگار کا مُلازم ہونا عشق کی سرکار کا

رات بھر محل میں ایک قیامت مچی رہی کوئی روتا کوئی سسکتا کوئی تڑپتا کوئی بلکتا تھا نوکر چاکر سب اوداس لونڈیاں - خواصین بدحواس - رانیوں نے زیور کے ساتھ بال بھی نوچ ڈالے تھے جا بجا کہیں چوڑیاں ٹوٹی پڑیں کہیں مالا کے موتی بکھرے پڑے کہیں بالے کانوں سے نکالے ہوئے کہیں جھومر - کرن پھول - کہیں بجلیاں اور بازوبند

جو اہرات سے جڑے بیقراری کا یہ عالم کہ ہر ایک پر عذابِ نزع طاری تھا جینا
بھاری تھا مگر رزقِ مقسوم سے زیادہ کوئی کھا نہیں سکا وقتِ معلوم سے پہلے مرگھٹ
میں جا نہیں سکا۔ روتے دھوتے دن چڑھ گیا اہلکاروں میں کچھ پیرانِ جہاں دیدہ
صاحبِ کمال عمر رسیدہ بھی تھے اُنھوں نے اپنی اپنی جگہ پر ہر ایک کو بہت کچھ سمجھایا
بجھایا تو شور و فغاں کا زور ذری کم ہوا اس وقت راجہ نے اپنی ماں سے مخاطب ہو کر
کہا کہ یہ دُنیا سپنے کی مثال ہے ہر ایک چیز اس کی فانی ہے صرف نارائن کا نام جاودانی
ہے محبت سے مُنہ موڑنا رشتۂ اُلفت کا توڑنا نامردوں کا کام ہے ایسی ہی
باتوں سے انسان کا نام بدنام ہے یہاں جو امتحان میں پورا اُترا اُس نے حیاتِ ابدی
پائی شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار سے اُسے عزت کا تاج پہنایا گیا۔ دُنیا و
دین کی دولت اُس کے ہاتھ آئی ماتا جی آپ سب میں سیانی ہیں ہر بات کو سوچ سمجھ کر تسلی
فرماویں اوروں کو بھی سمجھا دیں کہ وہ آپ کی مثال کی تقلید کریں مجھے تو سنگلدیپ ضرور جانا
ہے۔ گوہرِ مقصود پایا اور دل کا مُدعا ہاتھ آیا تو کوئی دن میں واپس آکر پھر اُسی طرح راج پاٹ
کے کام دھندوں میں حیاتِ ناپائدار کے باقی دن پورے کرتا ہوں ورنہ بے نیل مرام
میں واپس آنے کا ہی نہیں اُس کی جستجو میں جان گئی تو جانوں گا جنت میں گھر بنایا اتنا
کہہ کر ماں کے قدموں پر سر جُھکایا پھر در و دیوار پر نگاہِ حسرت سے دیکھا مگر یہ دیکھنا
اُس کا ایک چشم زدن سے زیادہ نہ تھا کیونکہ دوسرے لمحہ میں لوگوں نے اُسے دیکھا تو
سربراہ تھا۔ نقیبِ نالہ آگے آگے لشکرِ رنج و غم ہمراہ تھا یہ حالت دیکھ کر سولہ سو بہادر
راجپوت سردار جن میں سے اکثر راجہ کے اقارب اور بعض ملازمان جان نثار تھے
زندگی سے بیزار ہو گئے لباسِ امارت اُتار سیلی ٹوپی پہن چیلے بن کر فوراً ہمراہ ہوئے
جب لوگوں نے دیکھا کہ راجہ فی الواقع چلا تو آگے بڑھ کر شگون کرنے شروع کئے
کسی نے دہی میں روپا رکھ کر دکھلایا۔ کوئی پانی کی کلس بھر کر لے آیا گوالنیں دہی لے کر
آتی تھیں مالنیں پھولوں کے تاج گوندھ کر لاتی تھیں بستی کو چھوڑ جنگل میں پہونچے تو
بائیں طرف کوا اور دائیں طرف چند بیٹھا پایا دستِ راست ہرن دوڑتا نظر آیا سامنے سے
آکر لومڑی نے اپنی صورت دکھائی دستِ چپ تیتر نے بول بول کر وصلِ یار کی خوشخبری

سُنائی سب نے کہا شگون بہت نیک ہوا بائیں طرف سے چیل کا آسمان پر نمودار ہونا سو میں ایک ہوا اُمید کامل کہ اُمید دلی بر آئے گی غرضیکہ وہ قافلہ جس کا طوطا راہبر اور راجہ قافلہ سالار تھا مگر نہ بضاعت نہ تاجروں کا سا شعار تھا منزل بمنزل روانہ ہوا ہر ایک کے نصیب میں دانا آب۔ روانہ ہوا صبح سے دوپہر تک تو سفر کرتے پھر ڈیرے جما دیتے پکاتے کھاتے اور صبح اُٹھ چلنے کی فکر میں سو جاتے تھے راہ میں جابجا ندی نالے اونچے اونچے پہاڑ گہری گہری گھاٹیاں واقعہ ہونے سے بڑی دقت تھی اس پر راہزنوں سے مقابلے جنگلی درندوں سے لڑائیاں اور بھی آفت ڈھاتیں۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ کہیں کہیں خاردار جنگل آپڑتے جن کا ہر ایک کانٹا یہ طاقت رکھتا کہ جوتی کو پھاڑ کر پاؤں میں جا چُبھتا تھا۔ ایسے موقعوں پر جوگی کھڑاؤں پہنکر بڑی احتیاط سے چلا کرتے تاہم کپڑوں کی دھجیاں اُڑ چکی تھیں کانٹے گریبانِ جسم پر پنجہ مارتے تھے لیکن کوئی شخص حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا تھا۔ راجہ جس کا دامان صبر پہلے ہی سے چاک تھا اس برہنہ تنی پر اور بھی خوش ہوا۔ یہ شعر پڑھتا ہوا خراماں خراماں چلا جاتا تھا شعر تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس ✤ یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا۔ چلتے چلتے ایک دن بیجانگر کی راجدھانی میں وارد ہوئے وہاں کا راجہ اطلاع پاتے ہی استقبال کو آیا اور بڑی عزت و تکریم سے اپنے ہمراہ لے گیا دو روز تک لوازم مہمانداری بجا لاتا رہا۔ خاطر و تواضع کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تیسرے دن علی الصباح راجہ رتن سین کی مزاج پرسی کو آیا تو اُسے سفر پر آمادہ پایا منت عرض کی کہ چندے اور استراحت فرمائیے۔ صعوبات سفر سے آرام ملے گا تو تشریف لیجائیے میں روکنے کا مجاز نہ ہونگا راجہ رتن سین نے جواب دیا کیا آپ نے نہیں سُنا۔ درویش رواں بہے تو بہتر۔ آپ مدیا بہے تو بہتر۔ راجہ بیجانگر نے کہا صاحب زیادہ نہیں تو تین روز تو اور ٹھہریے کہ شرط مہمانداری تو بجا لا سکوں راجہ رتن سین نے کہا مہمانی کا مزہ شادمانی میں ہے۔ جو شخص فراق دلدار میں اسطرح جیتا ہو کہ دیس بدیس کی ہوا کھاتا ہو آبِ غم پیتا ہو اُسے انبساط کی محفلیں کیا مزا دیں اور شیرینی میں کسطرح قرار آوے اگر مہربانی کرتا ہے تو کوچۂ دلدار کا نشان بتا دے ملک زرنگار کی راہ دکھا

راجہ مجبور ہو گیا اور کہنے لگا اس سے آگے کٹھولا پہاڑ آویگا اُس کو عبور کر کے اُتر کیطرف
نہ جانا کہ وہ راہ بہت مشکل ہے بلکہ درمیان کے راستے سے سیدھے رتن پوری کو چلے جانا
کہ ملنگانہ جانب جنوب رہے اور جھاڑکھنڈ کا پہاڑ بائیں طرف پڑے آگے بڑھ کر اڑیسہ
بائیں طرف چھوڑ دیویں تاکہ دائیں طرف کی راہ سے سمندر کا کنارہ جلد ملجاوے اور مسافت
تھوڑی طے کرنی پڑے راجہ رتن سین نے اُس کا شکریہ ادا کیا خیالِ وصالِ جانان
میں اقامت قیامت تھی فوراً کوچ بولدیا۔ جہاں شب باش ہوتے گھاس بچھا کر بستر
جما لیتے۔ پتھر بجائے بالیں سرہانے رکھ کر خوابِ استراحت میں ہو جاتے۔ جب تمام
قافلہ میٹھی نیند سوتا تو راجہ یادِ دلدار میں اپنی بے بسی پر رویا کرتا۔ اسیطرح بعد ایک مہینے
کے سمندر کے اُس کنارے پر جا پہونچا جو راجہ گجپتی کی سلطنت سے تعلق رکھتا تھا جب
اُس نے سُنا کہ راجہ رتن سین والئی چتوڑ گڈھ جوگی کے بھیس میں وارد ہوا ہے۔ جتنے
چیلے ہمراہ ہیں سب لشکر کے بڑے بڑے سردار و اُمرائے نامدار ملازمانِ درگاہ ہیں امیروں
وزیروں سمیت استقبال کے لئے بڑھا اور راجہ کو بڑے کرّ و فر اور دھوم دھام سے لا کر مکان
عالیشان میں اُتارا اور نئی نئی طرح کی خاطریں کرتا انبساط کی محفلیں جماتا انواع و اقسام کے
تماشے دکھاتا۔ تین دن کے بعد جب راجہ رتن سین نے دیکھا کہ اس مہمانداری کو طول ہوا
تو کہا اے راجہ گجپتی اب رخصت دیجئے اور زیادہ تکلف نہ کیجئے کہ اس میں سراسر تکلیف
ہے۔ یہ طورِ ضیافت اُس کو قبول ہو جسے دنیا کی ہوس باقی ہو جس نے سب کچھ تیاگ کر
جوگ لیا ہو اُسے کیوں نہ باعثِ ملال ہو۔ راجہ گجپتی نے کہا آپ جو جوگی بنے ہیں یہ تو
فرمایئے ارادہ کہاں کا ہے کیا شوق جی میں چرایا ہے جس نے حضرت کا یہ حال بنایا ہے
راجہ رتن سین نے جواب دیا سنگلدیپ جانے کی دُھن لگی ہے آپ مہربانی فرمانی چاہتے
ہیں تو چند کشتیاں مہیا کر دیں جن کے ذریعہ اس بحرِ زخار دریائے ناپیدا کنار سے عبور
کر جاؤں۔ گجپتی نے کہا یوں تو میرا سر بھی حاضر ہے لیکن سنگلدیپ پہونچنا کچھ آسان
بات نہیں اس میں خوفِ جان سراسر ہے۔ جب کبھی زور کا طوفان آتا ہے تو بڑے
بڑے بہادروں کا کلیجہ چھوٹ جاتا ہے۔ کہیں قسمت سے کوئی سوداگر ساحلِ مقصود پر
جا پہونچتا ہے مگر تم ایسے نحیف [illegible] کا [illegible] برداشت کرنا بڑی مشکل بات ہے

لہروں کا اُٹھنا۔ کشتیوں کا اُن کے تھپیڑوں سے تہ و بالا ہونا اُس وقت ناخداؤں
کی فریاد و زاری اہلِ کشتی کی واویلا و بیقراری بڑی غضب ہے تم جیسے آرام طلبوں
کے لئے اُن بلاؤں کا سامنا ستم بے لقب ہے راجہ رتن سین نے کہا اے گجپتی افسوس تو
مجھے اُس سختی و تکلیف سے ڈراتا ہے جسے میں نے بادشاہی سی شے چھوڑ اختیار کیا ہے۔
میری جان تو سنگلدیپ میں ہے یہ جسم قالب بے روح یہاں ہے اسے موت
کا کیا اندیشہ کیا تم نے نہیں سُنا کہ جو شخص دردِ محبت رکھتا ہو وہ گذر گیا اور جس کے دلبر
رکستی ہے وہ جان جانے کے خوف سے مُنہہ نہیں پھیرتا۔ جب میں نے دریائے محبت
میں غوطہ مارا ہے تو یہ سمندر میرے نزدیک ایک قطرے کا حساب رکھتا ہے جب میں
نے آرام کو تصدق کر کے رنج کا توشہ ہمراہ لیا ہے تب سنگلدیپ جانیکا کیا قصد کیا ہے
اے گجپتی میں اُس دریا میں تیر رہا ہوں جس کا پاٹ دریائے قضا کا کنارا ہے۔ یہ
سمندر جو سامنے دکھائی دیتا ہے گو اس کا وار پار نظر نہیں آتا نہ اس کی تھاہ ہے نہ کہیں
جائے پناہ ہے مگر میں اسے ہنس کیطرح تیر جاؤنگا میں تو پدماوت کا شیدا ہوں میری
نظر میں دریا اور سمندر کب سماتے ہیں عاشق یا دلدار میں رونے پہ آجاتے ہیں تو آنکھوں
سے دریا بہاتے ہیں۔ یہ سُنکر گجپتی نے سرِ تسلیم کو جھکا دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بیس
چھوٹی کشتیوں اور چار بڑے جہازوں کا بندوبست کر دیا۔ ہر ایک ضروری سامان بلا
اطلاع راجہ رتن سین اُنمیں بھر دیا۔ بس پھر کیا دیر تھی فوراً کمرِ ہمت چُست باندھ لی اور
سنگلدیپ کے رُخ بادبان پھیلا کر لنگر اُٹھا دئے۔ پہلے پہلے تو وہ دل چلے ناز و نعمت کے
پلے سمندر کے طوفان اور بڑے بڑے قد کی مچھلیاں دیکھکر نہایت ڈرا کرتے تھے لہروں
کے زور سے جہاز تہ و بالا ہوتے تو آنکھیں بند کر لیتے جب کبھی کسی ویل مچھلی کو دیکھتے تو
حیران ہو کر اپنے معبود سے نجات کی التجا کرتے لیکن چند روز کے سفر سے لحظہ بلحظہ
اُن کا خوف و خطر کم ہوتا جاتا تھا بلکہ جب کبھی سمندر صاف ہوتا ہوا نرم اور ٹھنڈی چلتی
تو اُس خوبصورت نظارہ سے لطف اُٹھاتے تھے۔ راجہ روز و شب اپنے مطلوب کی یاد
میں محو کبھی رفیقوں سے اپنی آیندہ قسمت کی بابت باتیں کیا کرتا کبھی ہجر کا ستایا کسی کونے
میں تنہا بیٹھ سرد آہیں بھرتا۔

در تمنائے آں دُرِ نایاب — بحرِ در چشمِ ہمتش پایاب
تنگدل گشتہ از بساطِ بسیط — راند کشتی بانبساطِ محیط
جست بر در شتند لشکرِ غم — بادباں بر فلک کشید علم
خواستند از خدا ہی بادِ مراد — شد رواں کشتی مراد چو باد
سیر کردے چو عاشقِ سیاح — بادباں شوق و عشق شد ملاح
شد معلم چو طوطئے تیار — باخدا نا خدا گذاشتہ کار
ہمہ نفس در ہوس براہلِ نہا — راہ کوتاہ شدے اُمید دراز
از قضا طے شد آں مراحلِ رود — کشتی آمد بساحلِ مقصود

سترھواں باب

تدبیرِ وصل

ایک روز صُبح صادق کا وقت تھا۔ سمندر کا پانی بالکل ٹھیرا ہوا تھا ہوا میں کچھ ایسا اعتدال بھرا ہوا تھا کہ اُس کے بدن کو چھوتے ہی مریضوں کے تن میں تاب آتی تھی۔ برسوں کی علالت دور ہو جاتی تھی اُس وقت دلوں کے غنچے پھول کیطرح شگفتہ ہو گئے رنج و غم خود بخود کھو گئے۔ ہر کوئی ہنسی خوشی باتوں میں مشغول تھا راجہ کا ہنسنا بولنا بھی خلافِ معمول تھا کہ شاہِ خاور افقِ مشرق سے جلوہ افروز ہوا سطحِ آب پر زرین فرش بچھ گیا۔ ہر ایک چیز نورانی نظر آنے لگی مشرق کیجانب دیکھتے ہوئے نگاہ چوندھیانی لگی ناگاہ جانب جنوب کوئی شے مثلِ آفتاب درخشاں نظر آئی یہ حیران رہ گئے کہ کیا چیز ہے ایک بولا کچھ طلسم کی کارستانی ہے دوسرا کہنے لگا قیامت کی نشانی ہے راجہ نے کہا ایک اور آفتاب جنوب کیطرف جا نکلا آثارِ حشر نمودار ہوئے لیکن ہمارا ناخدا نکالا رستے میں کنارا دکھائی دینے لگا ہیرالال کو طلب کر کے پوچھا یہ کونسی زمین خجستہ آئین ہے کہ از بس شگفتہ و شاداب ہے ہر طرف رواں چشمۂ آب ہے جو میدان ہے سبزہ زار ہے جو گل بوٹا ہے اُسپہ انوکھی بہار ہے ہوا فرحت انگیز بو باس مُشک

بنی جنون خیز ہے۔ وہ سامنے کوئی چیز فلک تمثال نظر آتی ہے۔ چاند اور ستارے جھلکی دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں دیکھکر دل کچھ بشاش ہوتا جاتا ہے۔ غلبہ شوق بھی پہلے سے تیز ہے۔ مہاراج کیا ہے۔ ہیرالال نے کہا اے خداوند کہ اقبال تیرے استقبال کو آتا ہے اور بخت تیرے لئے سعادت کا تخت بچھاتا ہے۔ سرزمین سنگل دیپ یعنے دیار دلدار یہی ہے۔ وہ ابر ایسی عمارت سر بفلک کشیدہ دیدہ روزگار ندیدہ قلعہ ہے۔ اُس میں جو چاند سا معلوم دیتا ہے راجہ کا محل ہے بسکہ مطلا ہے۔ اس لئے شعاع آفتاب سے آفتاب ہی کی مانند چمکتا ہے۔ ستارے سے جو نظر آتے ہیں سب رانیوں کے محل ہیں۔ وہ فلک تمثال شے مان سرودک تالاب ہے۔ اُس میں روشن چراغ جو جھلملا رہے ہیں۔ دراصل کنول پھول ہیں۔ جو چراغوں کا لطف دکھا رہے ہیں۔

سنیر پربت سا اونچا ہوا سمیر پربت ہے۔ سنگلدیپ میں اس کا وہی درجہ ہے جو ہمارے ملک ہمالاچل یا کانگڑہ کے پہاڑ کا مرتبہ ہے۔ راجہ نے جب ساحل مقصود پاؤں تلے دیکھا تو بیحد خوش ہوا کہ چہرہ بشاشت سے چمک اُٹھا اور بے اختیار منہ سے نکل گیا۔ شکر صد شکر کہ ٹھکانے لگی محنت میری۔ طے ہوئی آج کی منزل ہیں مسافت میری۔ کنوروں کو جب یہ حال دریافت ہوا تو خوش خوش آکر مبارکبادیں دینے لگے۔ راجہ نے کہا کشتئ بخت ساحل مقصود پر تو آپہنچی۔ اب اُس سے کچھ ملاقات کی تدبیر کرنی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے ملنے میں اس قدر تاخیر ہو کہ اس بیقراری کی زندگی ہی اخیر ہو۔ ہیرالال نے عرض کی۔ مہاراج۔ اب ایک بات عقل کی حضور کے لائق ہے۔ اور میری جانچ میں وہی تدبیر سب پر فائق ہے۔ یعنے ماہ ماگھ کے اخیر پاکھ میں سری پنچمی کے روز مہادیو کے منڈپ کا دروازہ کھلتا ہے۔ اُس وقت بڑا بھاری میلا لگتا ہے۔ اغلب ہے کہ پدماوت مہادیو کے پوجنے کو آئے اور آپ سے ملاقات ہو جائے۔ بالفعل حضور مہادیوجی کے قدموں میں سمیر پر ہی آسن چل جمائیں۔ چندے وہاں کے سیر سے راحت پائیں۔ نیز ایک خط طوطے کے گلے میں باندھ کر اُسے چھوڑ دیں۔ وہ ضرور رسیدہ پدماوت کے محل پر جاوے گا۔ آتش عشق جو ادھر مشتعل ہے۔ ادھر بھی جا لگیگا۔ راجہ نے اس تجویز کو پسند فرما کر طوطے کو اُڑا دیا۔ اور آپ ہمراہیوں سمیت سمیر کی جانب چلا۔ وہ ایک پہاڑ تھا۔ نہایت پُر فضا۔ دلِ مردان صفدر کی طرح صاف۔ ہمت جوانان فرح افزا کی طرح سربلند۔ جائے خوش نما۔ مقام دل پسند۔ جوش گل لالہ سے رشک صد گلزار۔ نوائے مرغ مرغانِ خوش الحان سے غیرت نو

پہاڑ اوپر چڑھکر دیکھا تو کہیں گنجان درختوں کے سایہ میں کوئی جوگی شیر کی کھال بچھائے بھبوت رمائے آسن مارے دُھونیا مے کنارے بیٹھا ہے۔ کہیں کوئی سادھو ہاتھ میں تلسی کی مالا نیچے مرگ چھالا آنکھیں بند خاموشی پسند دھونی لگائے یاد معبود میں مشغول ہے۔ کسی ٹیلے پر کوئی صاحب کمال بستر اسّی برس کا سن ڈاڑھی ناف سے بڑھی۔ ہر ایک جٹا راکھ سے بھری آنکھیں جلوہ یار سے لڑی ہوئیں۔ جسم میں جھرّیاں پڑی ہوئیں۔ کہیں کسی غار میں کوئی مہاں پُرش ضعیف الجسم۔ نحیف البدن۔ آنکھیں لال۔ لال۔ ظہور قدرت ایزد متعال۔ اپنے محافظ حقیقی کی یاد میں مصروف۔ ایک طرف پوتھی کھلی پنڈت جی کتھا سنا رہے ہیں۔ اردگرد عورتوں مردوں کا ایک جم غفیر ہمہ تن گوش بنے بیٹھا ہے۔ کہیں ویاکھیان ہوتے لوگ بیراگ اور گیان کی باتیں سن سن کر رو تے۔ مندروں میں ڈھولک طنبورہ چمٹا پریشر کے بھجن گاتے۔ برہم چاری اور ناتھ ادھر اُدھر پھرتے۔ ہر بھیج اور نمو نمو کہکر گذر جاتے۔ ایک سمت بھوانی کا مندر چبوترے پر تلسی کا پیڑ ہرا بھرا پاس پانی کا چشمہ بھرا ایک طرف بھنڈارا بٹتا۔ کڑاہا چڑھا۔ موہن بھوگ بٹتا۔ کہیں دال بھات کا بھنڈارا ملتا۔ کلۂ کوہ پر سایہ دار درختوں کے بیچ میں شِلوار دجی کا مندر کھڑا تھا۔ جس کا سنہری کلس آسمان کو چھو لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ منڈپ کے چاروں طرف چار دروازے تھے۔ جن کے سامنے اچھے اچھے گوسائیں بیٹھے ہوں اور جپ کر رہے تھے۔ ایک طرف کو ایک وسیع میدان تھا۔ فضا میں باغ سے دونا۔ فردوس کا نمونہ۔ باغبان قدرت نے کوسوں فرش زمردین فرحت آگین بچھا دیا تھا۔ بن کا بن صحن چمن بنا دیا تھا۔ راجہ نے وہاں ڈیرا لگا دیا۔ ہر ایک چیلہ نے بھی اپنا اپنا بستر جما دیا۔

اٹھارھواں باب

طلب یار

کسی دانا کا یہ قول کیا درست ہے۔ کہ جانور کا پالنا بڑا کام ہے۔ مفارقت جس کا انجام ہے۔ جب ہیرامن پدماوت کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ تو اُسے بہت رنج والم ہوا تھا۔ چندے تو یہ افسوس نہایت ہی تکلیف دہ رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا۔ پھر بھی جب گاہے بگاہے پس ہفتہ یا ماہ یاد آجاتا تو دل کو بڑی بے چینی ہوتی۔ ایک روز وہ ماہ شب افروز سرِ شام لب بام بیٹھی ہوئی صحرا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہ ایک جانور نہ جھجکا نہ ڈرا۔ اُڑتا ہوا آیا۔ اور

سیدھا پدماوت کے ہاتھ پر آبیٹھا۔ نگاہ غور سے دیکھا۔ تو ہیرامن تھا۔ پدماوت اُسے دیکھ کر ایسی حیران شادمان ہوئی کہ فرطِ طرب سے آنسو نکل پڑے۔ طوطے کو پیار کرنے لگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ گلے میں ایک کاغذ بندھا ہے۔ متحیر ہوئی کہ یہ کیا بھید ہے۔ کوئی خبر جان فرسا ہے۔ یا پیغام نوید ہے۔ عالم شوق میں خط کو کھولا اور پڑھا۔ لکھا ہوا تھا بعد صد آرزوے شوقِ وصال کہ جس کا تمام و کمال لکھنا مشکل و مُحال ہے۔ اُس مرغ نوگرفتار یعنے راجہ رتن سین ہجر کے بیمار کی جانب سے اُس دُرِ یکتا بحرِ محبوبی و رونق افزائی۔ گلشن خوبی۔ چمن سراپا بہار رشک ماہ تمام راجکماری پدماوت نام کو از بس نیاز بصد سوز و گداز واضح ہو کہ جس روز سے چتوڑ گڑھ میں ہیرالال ملک التجار سے تیرے حُسن و جمال کی تعریف سُن پائی اور بدیا پرکاش برہمن سے ہیرامن طوطا حالِ حالِ نیاز نامہ تیری نشانی ہاتھ آئی۔ تیرے ہجر کا رنجور ہو گیا۔ شیشۂ دل ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ گویا اُس پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ پہلے تو پردہ بنا رہا۔ یعنے برنگِ غنچہ سدا خاموش رہا۔ خم غم سے بادہ نوش رہا۔ امور سلطنت کی بدھ سدھ نہ رہی۔ طاقت نے الوداع کہی۔ امیر وزیر درپے علاج ہوئے۔ ساعی بدرستئ مزاج ہوئے۔ وہ بتیرا دوا۔ دارو۔ جنتر۔ منتر جادو ٹونا ہوا۔ مگر جوں جوں تدبیر کی مرض دونا ہوا۔ بھلا مشک و عشق کب پنہاں رہتے ہیں۔ آخر یہ خبر مشتہر خاص و عام ہوئی۔ کہ کسی کے عشق کی بو دماغ میں سما گئی ہے۔ اسی واسطے سیر چمن سے طبیعت اکتا گئی ہے۔ تیری تصویر جو ہیرالال سے ملی تھی۔ حرز جان اور لوح ایمان کی طرح ہر وقت سینہ سے لگی رہتی تھی اس سے سب نے جان لیا۔ کہ یہ پدماوت کا دیوانہ ہے۔ چراغ عقل پر اُسی کے عشق کی ہوا لگی ہوئی ہے۔ جو دماغ پریشان ہو گیا ہے۔ تو اب تک تو میں شکوۂ حسن یا خوف رسوائی سے بالکل خاموش تھا۔ نہ سودا کا زور نہ جنون کا جوش تھا۔ لیکن آخر بے کلی سے جی پر آن بنی۔ صبر و تحمل کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ کھانا پینا چھوٹ گیا۔ جب تیری یاد آتی۔ مثل صبا ٹھنڈی سانسیں بھرتا۔ گل کی طرح گریبان چاک کرتا۔ محل۔ قید خانہ اور پلنگ۔ پلنگ کی طرح ڈراؤنا معلوم دیتا جوش وحشت میں سودائیوں کی طرح باغ کو دوڑ جاتا۔ وہاں اور حیرت کا سامنا ہوتا۔ نرگس کو دیکھا تو چشم کی دھیان آیا۔ گل چنبہ تو پہ نگاہ کی قسمیتی رنگ کی یاد نے بیقرار کر دیا۔ بے اختیار ایک آہ کی۔ اور زار زار رونے لگا۔ سنبل کو دیکھ ان بکھرے بالوں کا خیال آیا

سوسن و سیوتی کے تماشا سے کچھ خوشی ہوئی۔ بلکہ دونا ملال ہؤا۔ نکہتِ گل سے غش پر غش آنے لگے۔ مصاحب لخلخے لا لا کر سنگھانے لگے۔ چند روز میں یہ حال ہو گیا کہ وہاں رہنا محال ہو گیا اور لباس شاہی اُتار فقیرانہ صورت بنائی۔ ہر چند اپنوں بیگانوں نے روکا۔ لیکن وہاں مجھے سانس تک لینا دشوار ہو گیا جھٹ سفر پر تیار ہو گیا۔ کسی کی بات کا خیال نہ کیا۔ غریب الوطنی کا ملال نہ کیا۔ یاوری بخت اور راستی دل کی برکت سے بر و بحر کی تکلیفوں کے صدمے اُٹھاتا۔ یہاں تک آ پہنچا ہوں۔ سمبر پر مقام ہے۔ رات دن وردِ زبان تیرا نام ہے۔ غم کلیجہ کو کھاتا جاتا ہے دم سینہ میں گھبراتا ہے ٭

ایں روز و شب کہ مے گذارم ۔۔۔ از عمر چگونہ مے شمارم

بے وصل تو زندگانیم چیست ۔۔۔ صد خندۂ مرگ بر چنیں زیست

بسنت پنچمی کے دن تک حیات سے وعدہ ہے اُس روز تک آ کر اپنا دیدار دکھائے گی۔ تو زندہ پائیگی ورنہ پچھتائیگی ٭

کوتاہ کنم سخن ازیں پس ۔۔۔ وصل است جواب نامہ و بس

اُنیسواں باب

معشوق کا جلوہ دکھانا۔ عاشق کا غش کھانا

ہندوستان میں بسنت پنچمی کا تیوہار بڑا مشہور اور دلنواز ہے۔ اس پر جاڑے کا خاتمہ ہے گرمی کا آغاز ہے۔ موسم خوشگوار آ جاتا ہے۔ نہ بہت دھوپ پڑتی ہے نہ جاڑا ستاتا ہے درختوں کے زرد زرد پتے جھڑ جاتے ہیں۔ نئی کونپلیں نکل آتی ہے۔ ان سے کوہ و صحرا پر ایسی رونق و شادابی آ جاتی ہے۔ کہ پھر سال بھر یہ نظارہ نصیب نہیں ہوتا۔ نہ صرف اطفال بنات نئے کپڑے پہن کر بسنت کی خوشیاں مناتے ہیں۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے لڑکے بھی بسنتی رومال اوڑھ کر خوشی خوشی بسنت کے گیت گاتے پھرتے ہیں۔ چھوٹے لڑکوں پر کیا موقوف ہے۔ عورتیں دوپٹے سر پر لیتی ہیں اور بسنتی رومال باندھتے ہیں تو بسنتی ہاتھوں میں سرسوں کے پھول لئے آپس میں مبارکبادیں دیتے پھرتے ہیں۔ غرضکہ ہر جگہ بسنت کا ترانہ جاری ہے

باغمیں کوئل اپنی پیاری آواز سے اور بلبل اپنے نغمۂ دلنواز سے بسنت گا رہی ہیں۔ بازاروں میں گائنیں یہ غزل سنا کر لوگوں کے دلوں کو لبھا رہے ہیں +

غزل

ہیں جلوۂ تن سے درو دیوار بسنتی | پوشاک جو پہنے ہے میرے یار بسنتی
کیا فصل بہاری نے شگوفے ہیں کھلائے | معشوق ہیں پھرتے سر بازار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغمیں میدانمیں سرسوں | صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی
گیندو نکے درختوں میں نمایاں نہیں گیندے | ہر شاخ کے سر پر ہے یہ دستار بسنتی
منہ زرد دوپٹے کے نہ انچل سے چھپاؤ | ہوجائے نہ رنگ رخ گلنار بسنتی
رت پھر گئی عالم میں چلی بادِ بہاری | میخوانوں کو سجواتے ہیں میخوار بسنتی
ہے لطف حسینوں کی دورنگی کا امانت | دو چار گلابی ہوں تو دو چار بسنتی

ہر بڑے شہر میں اس روز میلہ لگتا ہے۔ اُس میلے کی کیفیت بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے وہ لوگوں کا انبوہ کثیر ایک بسنتی سمندر لہراتا نظر آتا ہے۔ حلوائی لوگ حلوا اور مٹھائی تک بسنتی بناتے ہیں اور کنجڑوں تک سوائے سنگترہ و نارنگی کے دوسری چیز بِکنی نہیں پاتے ہیں نباتات کی تروتازگی اور روح کی بالیدگی اس موسم میں کوئی بناوٹی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ خواہ نخواہ ہنسنے بولنے اُچھلنے کودنے کو دل چاہتا ہے۔ ہر نئی بات میں مزہ آتا ہے۔ سنگلدیپ میں بھی یہ تیوہار کچھ کم ذوق وشوق کے ساتھ نہیں منایا جاتا۔ بلکہ وہاں کے میلوں کا سرگنا جاتا ہے خاص کر یہ بسنت پنچمی تو جس کا یہاں مذکور ہے۔ نہایت ہی مشہور ہے۔ پدماوت نے سہیلیوں کو بلا کر کہا آج بسنت نئے موسم کا دن ہے بڑا بھاری جشن ہے۔ آج اس کے منانے کی کیا صلاح کرنی ہے۔ سب نے ہم زبان ہو کر کہا مہادیو جی کی پرستش کے لئے منڈپ کی طرف جانا چاہئے محل سے باہر نکل کر بسنت کا لطف اٹھانا چاہئے۔ پدماوت ان کی اس عرض کو مان گئی۔ نہا دھو کر لطیف پوشاک پہنی کہ یاسمن شگفتہ کی طرح نظر آتی تھی۔ تمام سہیلیاں بھی نہا دھو رنگ برنگ ساریاں پہنکر آموجود ہوئیں۔ ہاتھوں میں جاہی جوہی کے پھول اور سیندور کھیلنے کے تھال لئے اور فوج عمزہ کو محافظت کے لئے ہمراہ لے کر منڈپ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ان کی بہار دیکھنا۔ عجب سیر تھی کہ ہر ایک مہ جبین قاف کی پری تھی۔ مگر پروں بغیر تھی۔ اُن کے معطر

جسموں سے خوشبو کی کثرت سے چاروں طرف گلزار سی پھولی تھی۔ وہ سب بسنت پر شیدا تھیں۔ بسنت ان پر پھولی تھی۔ سارے شہر میں شہرہ ہو گیا کہ راجکماری بسنت کھیلتی ہوئی مہادیو پوجنے چلی ہے ہر قوم کی عورت ہنسنے کھیلنے کی خاطر ہمراہ ہولی + نظم

خوشی سے کھیلتی جاتی تھی ہوری
نزاکت سے بھری برہمن کی چھوری

پہنکر ریشمی ساری چلی تھی
کہے تو دیکھ چنبے کی کلی تھی

اگروالن نے تھا وہ روپ پایا
جو تھا حوران جنت سے سوایا

جو کلوارن ہنس کی چال چلتی
دلوں کو پاؤں سے جاتی تھی ملتی

سنارن کے جو پاؤں میں تھی خلخال
کہوں انداز کا اُس کے میں کیا حال

کہ زندے مر گئے ٹھوکر سے اُس کے
بجائے اُن کے مردے جی اٹھے تھے

اگر وہ دیکھتی پٹوں کا خوشرنگ
تو روح افزا پری رہجاتی بس دنگ

پہن کر جھینٹ کی پوشاک جھبین
بنی جادو کا پتلہ تھی سحر فن

زنِ نجار کی پھرتی سی باری
دِل عشاق پر چلتی تھی آری

بہت ٹھکرائنیں جاتی تھیں شاداں
موے کہسار جوں کبک خراماں

چوہانن اور چندیں بصد شاں
چلیں ہمراہ مانند عروساں

جما کر پان کا لاکھا لبوں پر
تنبولن نے غضب ڈھایا دلوں پر

تھا اس انداز سے اس کے یہی غم
کہیں تلوار چل جائے نہ باہم

سہیلیوں اور شہری عورتوں کے سوا بہت سی طوائفیں۔ نٹنیاں۔ ڈومنیاں وغیرہ بھی ہمراہ ہولیں جو اپنی باری میں ناچنے گانے سے حق خدمت ادا کر دیتی تھیں۔ چلتے چلتے کبھی ٹھیر جاتیں۔ اور حلقہ باندھ کر پنچم گاتیں۔ ڈھول۔ مندل۔ تنرئی۔ جھانجھ۔ سنکھ۔ اور مہنچنگ بجاتی تھیں۔ کبھی گانا بجانا موقوف کر کے دھمار کھیلتیں۔ اُس وقت سندور کی وہ خاک اڑتی۔ کہ زمین و آسمان سُرخ نظر آتے تھے۔ اس ان بان سے بسنت کھیلتی ہوئیں مہادیو کے منڈپ تک جا پہنچیں۔ پدماوت نے مندر میں اگر ہاتھ جوڑ تین بار پرماتما کو نمسکار کیا۔ پھر پھل۔ پھول پیش کر کے۔ مہادیو کی مورت کو گنگا جل سے اشنان کروایا۔ سیندور چڑھایا اور دل میں التجا کی کہ اے مہادیو سب سہیلیاں بیاہی ہیں۔ مجھے اب تک شوہر نہیں ملا۔ شوہر کی بجھ سے

ملاقات کرا دو - تو سونے کا کلس ماننے جاتی ہوں - پھر بدماوت نے پجاری سے دعائے خیر کی استدعا کی - مگر جواب کون دے - اُس بیچارے پر تو بجلی گری تھی - اتنے میں ایک سہیلی ہنستی آئی اور کہا دئی جی آپ نے ایک اور تماشا نہ دیکھا - پورب کے دروازہ کیطرف کچھ جوگی آکر ٹھیرے ہیں - نہ معلوم کدھر سے آئے ہیں - کہاں کا ارادہ ہے - مگر خیال گذرتا ہے کہ انہوں نے بنا ہی جوگ سادھا ہے *

ہمہ مجذوب شکل و عاشق خو	ہمہ کم خواب و کم خورد و کم گوہ
ہمہ چوں بادِ دشت و کوہ نورد	ہمہ مانندِ آب بادمِ سرد
ہمہ از خاک چہرہ افروزاں	ہمہ ہمدم با آتش سوزاں
ہمہ از اتفاق چوں یک تن	اختلافِ بغیر بہ نشستن
از جہاں دل بریدگاں چوں ملک	خاکساران و بے نظر بفلک
داد چوں خاک کیمائے برباد	کرد شہرے چوں بیمیا آباد
نہ از عیش و طرب بدل خواہش	نہ از رنج و کرب بہ تن کاہش

یوں تو ہر ایک مجموعہ حسن و ناز ہے - پر ان سب میں ایک ممتاز ہے - وہ انسان کیا ہے - چمن حسن کا شمشاد ہے - یا پرستان کا پری زاد ہے - کیا قد و قامت اور آن و بان ہے - کیسی سج و بج اور شوکت و شان ہے - مثل سرو آزاد ہے - مگر مانند سایہ بر زمیں افتادہ ہے - پیشانی کی سرنوشت سے کھلتا ہے - یہ کسی کا دل دادہ ہے - دیکھنے میں گدا ہے - صورت و سیرت میں بادشاہ ہے - مجھکو تو معلوم دیتا ہے - کہ بتیوں لچھن پورا ہے - نیکی و مروت کی جان حیاء و شرم کی کان - حسن میں مثل آفتاب - راست گوئی میں جواب - پاکیزگی میں یکتا - ہمت میں مرد یکتا - عالی نسب دانائی میں منتخب روزگار خندہ پیشانی - خوش خلق - نیکو کار - صاحب بلاغت - فصاحت مقبول جہاں عالم یگانہ - متقی - تیز فہم - بید خوان - جامہ - زیب - کم خور - پر شکیب گرو ونکا سیوک - دھرمی جی - ابر کرم - دا تا سخی - بات میں وہ تاثیر کہ سننے والے کے دل پر پتھر پر لکیر - کمخواب فضیلت مآب - یہ سنتے ہی پدماوت اُس جگہ آئی - جہاں جوگی جی مہاراج پری زادوں کے حلقہ میں خیال وصال دلدار میں محو بیٹھے تھے - اور آتے ہی جوگی کی نظر کو اپنی نظر میں لے لیا - راجہ نے نقد دل و جان آساس ہوش و حواس نا ب و توان رونمائی

میں دیا۔ بے اختیار گر پڑا اور کچھ ہوش باقی نہ رہا +

بیسواں باب

نیک صلاح

جب پدماوت کی نگاہ راجہ پر پڑی تو اُس کی طبیعت پر الفت کا عجیب اثر پیدا ہؤا۔ راجہ تو بیہوش ہو کر گر پڑا تھا۔ وہ کھڑے کھڑے بے سدھ ہو گئی +

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ ‫ ‫ صبر رخصت ہؤا اک آہ کے ساتھ

دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز ‫ ‫ رنگ چہرے سے کر گیا پرواز

حواس قائم کر کے سوچنے لگی۔ اب کروں تو کیا کروں۔ دل تو چاہتا ہے کہ اُس شہ حسن سے لپٹ کر بلائیں لوں۔ مگر ادھر وہ مستانہ۔ ادھر میرے سر پر شرم وحیا کا تازیانہ۔ ہوش میں ہوتا تو کچھ اشاروں سے ہی مطلب نکالتے۔ لیکن یہاں سب طرح سے ناچاری اور لاچاری پربت سے بھاری۔ سہیلیوں سے کہا۔ پھرتے پھرتے میں بہت گھبرا گئی ہوں۔ اب یہاں ٹھیرنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ کہا اور کلیجہ پکڑ کر سکھپال میں ہو بیٹھی۔ دل کی حالت پر غور کیا تو ثابت ہؤا عشق نے اس کا طور بے طور کیا۔ جیسی خوشی آئی تھی اُس سے زیادہ مغموم محل میں داخل ہوئی۔ قلم دوات لے کر کمرہ خاص کے ایک کونے میں بیٹھ گئی اور جواب نامہ تحریر کیا۔ جب لکھ چکی تو خط کو بڑی صفائی سے تہ کر کے گیسوے عنبر بار سے ایک تار توڑ کر اُس پر لپیٹ دیا اور خط ہیرامن کے گلے باندھ کر اُسے سمیر کے رُخ اڑا دیا +

خط کا مضمون یہ تھا

ای سلطان کشور وفاداری وشاہنشاہ ملک جاں سپاری۔ گرفتار پنجۂ غم وکشتۂ خنجر ستم۔ جاں نثار منزل محبت ومرحلہ پیماے طریق الفت اُس بلبل شیدا ومفتون یعنی پدماوت شیفتہ ودل محزوں کی جانب سے بعد اشتیاق شوق دیدار وآرزوے وصل آں دیدار التماس بصد حسرت ویاس یہ ہے کہ جب سے ہیرامن طوطا مجھ سے چھٹ گیا اُس روز سے تیرا خط پانے کے دن تک دل کی عجب کیفیت رہی۔ یعنے پہلے کچھ دیر تو طوطے کی جدائی

کا ملال رہا پھر جب یہ کچھ ہوا تو ایک رات میں نے ایک خواب دیکھا یعنے آفتاب
بصورت انسان دیکھا اُس کی اُلفت نے مجھ میں ایسا اثر کیا کہ بس پھر اُس کے خیال
میں کبھی کسی بات پر طبیعت نہ لگی اکیلے بیٹھنے سے اکتاتی ہم صحبتوں سے نفرت آتی
گھر میں موحش خیال دل میں گھر کیے رہتے۔ باغ میں گل صورت خار آنکھوں میں کھٹکتے
لکھنے پڑھنے کا یہ حال رہا کہ کتاب کا کبھی خیال تک نہ آیا تختی کو ایکبار آبِ چشم سے
دھو کر رکھا تو مدت تک پھر ہاتھ نہ لگایا جسم دن بدن سوکھتا چلا بھوک پیاس زائل
ہونے لگی بیقراری نے بہت ستایا تو کونے میں بیٹھ کر رونے لگی کسیکو پتہ لگ گیا
اور سبب پوچھا تو کچھ جواب نہ دیا حیران ہو کر منہ کو تکتی رہی دایہ کہ دل و جان سے
مجھ پر قربان تھی یہ احوال دیکھکے حیران تھی بارہا بوجہ کشیدگی اور ملال کی وجہ دریافت
کرتی اندیشہ میں مرتی مگر میں کیا بتا سکوں۔ مجھے تو کچھ معلوم ہی نہ تھا کہ باوجود اس پاس و
پاسبانی کے دل کے خزانے پر کون چور پڑا۔ دایہ نے چپکے چپکے مجھ سے بہتیری تشخیص کی۔ مگر نہ
تو اُسے وجہ رنج و غم معلوم ہوئی نہ دل کی بیماری کی دوا مفہوم ہوئی۔ اس بیقراری اور
اضطراب کے درمیان تیرا خط فرحت نمط شرفِ ورود لایا پڑھا تو سمجھ گئی کہ سقف خانہ
میں آگ لگانے والا اور شعلۂ اُلفت کا بھڑکانے والا تو ہی تھا یہ سوز دروں اور جوش
جنوں تیری اُلفت کی کشش سے ہی دل میں پیدا ہو گیا تھا اب آڈرینا گل کھلا۔
کہ رات سوچ بچار میں کٹتی دل کو ہجوم افکار سے ایکدم فرصت نہ ملتی دن کو تلملانے
کے سوا دوسرا شغل ہی نہ تھا مجنونانہ حرکات کرنے لگی اپنے سایہ سے ڈرنے لگی ہر دم
آہ سرد بھرنے لگی۔ دل کا گھبرانا۔ کلیجہ کا منہ کو آنا اشکِ گلگوں کا چہرہ پر بہنا کبھی
رونا کبھی خاموش رہنا۔ دیوانگی کے سب آثار ایسے جوش کے ساتھ نمودار ہوئے کہ نگرانیٔ
چشم و شیفتگیٔ دل کا حال جو دیکھتا دستِ تاسف ملتا رہجاتا سب سے پہلے مجھ کو دایہ
نے بتایا کہ کسی کی محبت نے تیرا یہ حال بنایا ہے اور اُس نے پہلے پہل مجھے عشق کا نام
سُنایا ہے۔ ورنہ میں عشق اور اُس کے حال طرح فراق و وصال کو کیا جانتی تھی چند روز
تک چپکے چپکے وہ مجھے سمجھاتی رہی خوفِ رسوائی سے بھی ڈراتی رہی لیکن روز وصال
جوں جوں نزدیک آتا گیا آتشِ شوق کو بھڑکاتا گیا تیری مفارقت میں مرنے لگی رات

کے دن گھڑیاں گن گن کے پورے کرنے لگی - بعد انتظار بسیار وہ وقت آیا جس کی مدت سے آرزو لگ رہی تھی میں کس خوشی اور اُمید سے بسنت پوجنے کے بہانے تیرے بُلانے کے موافق منڈپ پر آئی افسوس صد افسوس کہ پھر بھی مُلاقات نہ ہونے پائی لیکن اتنا ضرور ہوا کہ وعدہ وفائی میں نہ قصور ہوا آپ نے نرا جھوٹ بولا بلکہ کفر تو لا کہ آمے گی تو زندہ پائے گی ورنہ پچھتائے گی - میں آئی تو آپ نے کچھ التفات بھی کی خاطر تواضع تو الگ رہی مُنہ سے بات بھی نہ کی بیہوشی کا بہانہ کرکے آرام میں ہو گئے غشی کے پیرائے میں سو گئے بطریق بازی میں نے تجھے چندن بھی ڈالا پھر بھی آپ نے ہوش نہ سنبھالا نزاکت تیری آنکھ کھول نہ سکی اور میں سہیلیوں کی شرم سے بول نہ سکی جوگی تو بن گئے لیکن بھیک مانگنے کا طریقہ نہ سیکھا جو شخص دروازے پر پہنچکر سو جائے اُسے روزی کیونکر نصیب ہو اب بھی ایک تدبیر بتاتی ہوں اُس پر عمل کرے گا تو دولتِ وصل سے مالا مال ہو جائے گا - ورنہ ملنا بہت محال ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ اس قلعہ میں ایک چور دروازہ سمندر کے رخ پورب کی دیوار میں پانی کے اندر بنا ہے - اُس دروازہ کو کھولنے سے ایک زینہ ملیگا - اوپر چڑھ کر ایک سرنگ سی نمودار ہوگی - راتوں رات اس سرنگ کی راہ سے کہ نمونہ ظلمات ہے - قلعہ میں آجاؤ - یہاں حریم باپ سے ملاقات ہو جائیگی - ممکن ہے - آبحیات پاؤ؀

اکیسواں باب

حرکت مجنونانہ

جب وہ راجہ کے دل وجان کی راحت آنکھوں کا نور یعنے پدماوت رشک پری غیرتِ حور سہیلیوں کے ہمراہ رتھ پر سوار ہو کر اپنے محل کو چلی گئی تو اُس سوز محبت کے خریدار چشم نرگسین کے بیمار یعنے راجہ نے ذری سنبھالا لیا آنکھ کھول کر جو نظر نگاہ کی نہ وہ بسنت پائی نہ وہ باغ و بہار تھی نہ وہ کوہ و صحرا تھے نہ وہ گلزار تھی نہ وہ کھیل پایا نہ وہ کھیلنے والی دیکھی نہ وہ برگ و بار دیکھے نہ ڈالی دیکھی نہ اُس مکان کی وہ پہلی سی

رونق و زیبایش ہے نہ اُس جگہ کی وہ شوکت و آرایش ہے وہ چاند اور تارے وہ
چہرے پیارے پیارے سارا ساماں گم پایا بغیر اس مہر سپہر خوبی و رعنائی کے
سارا جہان اندھا کنواں نظر آیا اپنی نادانی پر سر پیٹ کے رونے لگا رہا سہا قرار کھونے
لگا عجیب وسوسے دل میں سمانے لگے کہ جس کی خاطر سلطنت کو چھوڑا عزیزوں سے
مُنہہ موڑا صد مصیبتیں جھیلکر یہانتک آیا وہ ملنے آئی تو اُس سے بات بھی ہونے نہ
پائی نظر بھر دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا - دیدار کی حسرت رہ گئی - ہائے میری غفلت نے
مُجھے مارا پھر بچھڑوں سے سر ٹکراتا رہ گیا برس بعد پھر اُس کے آنے کی اُمید ہے تو اُس
کا ملنا نا اُمیدی میں ہی داخل ہے یہاں اپنا جینا آج بھی نظر نہیں آتا افسوس اتنی مدت
کی ریاضت کچھ بھی کام نہ آئی لیکن اس میں کسیکا قصور کیا جب کہ آپ ہی تن آسانی اختیار
کی خود میری تقصیر ہے اپنے کئے کی کونسی تدبیر ہے وہ پیاری تو پھاگ اور بسنت
کھیلنے کے بہانے حسب الطلب چلی آئی میری عرض کے قبول کرنے میں سر مو کوتاہی
نہ کی اپنی صورت دکھانے ادھر بھی تشریف لائی - ہائے مجھے کیا بجلی مار گئی کہ اُسے دیکھتے
ہی ہوش و عقل اجبار گئی - میں اپنے آپ میں رہتا تو وہ ملنے کا کچھ ڈھب بتاتی دلِ غمزدہ
کو تسکین رہتی - جب میں ہی بے خبر ہو کر سو گیا تو سونے سے وہ کیا کہتی یہی ایک موقعہ
تھا جس پر اُس کے دیدار کی اُمید تھی سو ہاتھ سے نکل گیا - اَبْ زندگی کا کوئی سہارا
باقی نہ رہا دُنیا باُمید قایم ہے درد و مصیبت کی تکیہ گاہ شکستہ جانوں کیجائے - پناہ
غم ایام کے کاٹنے والی دل ناکام کے تھامنے والی یہی ایک اُمید ہے سو اس سے
نا اُمیدی ہو گئی اُس سے مُلاقات کی آس نہ رہی اور بے یار زندگانی کس کام کی ہے حق
تو یہ ہے کہ اَبْ جینا حرام ہے یہ کہہ کر لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کیا اور اُس میں
آگ دیدی کہ جب شعلے خوب بھڑک اُٹھیں تو اُس شمع رو کی یاد میں پروانہ کیطرح جلکر خاکستر
ہو جاوے اور اسطرح دل کی جلن بجھاوے ہمراہی کنور راجہ کے اس ارادے سے
مطلع ہو کر اپنی اپنی جگہ سے دوڑ پڑے اور فریاد مچانے لگے کہ مہاراج یہ کیا خیال دل
میں سمایا ہے پریشر کے لئے یہ غضب نہ کرنا کام صبر سے ہوتے ہیں جلد باز جان کھونے
کے سوا بدنام بھی ہوتے ہیں - عشق میں جان قربان کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن

اسطرح جل مرنا تو ایک فضول کاہلی ہے ادھر اگر آپ کا بال بیکا ہوا تو اُدھر وہ مہ پارہ
تڑپ تڑپ کر مر جائے گی مادر دہر کی گود میں ایسی حور شزاد بمشکل سے آئے گی اپنی جان
کی پروا نہیں کرتے تو اُس کنیا طرہی سنبھلے رہیئے - اگر یہی حوصلہ تھا تو مہاراج عشق کر کیا
ضرور تھا یوں تو ہر ایک کہے گا راجہ عاشق صادق نہ تھا صرف اُس کی عقل میں فتور تھا -
دیوانگی کے دورے میں جل بُجھا - سچ پوچھو تو عاشقِ ہجر میں وصلِ یار سے بڑھ کر لطف پاتا
ہے - رات کے سونے اور دن کے سیر تماشوں سے پچھلے پہر کے رونے میں زیادہ
لطف آتا ہے حضور ابھی سے گھبرا گئے جان دینے پر تیار ہوئے یہ نہ دیکھا عاشقوں
نے کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں کیسے کیسے خوار ہوئے تب کہیں جا کر دامنِ مقصود تک
رسائی ہوئی - کنس نے کونتلا کے ہجر میں کیسی تکلیف پائی - مادھونل نے کام کندلا کے
فراق میں کتنی سختی اُٹھائی راجہ نل نے دمن کے بدلے کیسے آنسو بہائے بھرتری نے
پنگلا کی یاد میں کتنے صدمے اُٹھائے اگر انہیں سے کوئی بھی اسطرح گھبرا کر جان دیدیتا تو
کون اُسے عاشق صادق کہتا نہ اپنے ہمراز کو پاتا نہ وصال کے لطف اُٹھاتا - اگر انسان
جیتا ہے تو کسی روز بچھڑوں سے بھی مل رہے گا مر گیا تو انجام خاک ہوا قصہ قضیہ
پاک ہوا - اسطرح ہر چند سب نے سمجھایا مگر راجہ اپنے ارادے سے ہرگز باز نہ آیا اور کہا آتش
جُدائی ایسی سخت گرم ہے کہ اُس کی تابش سے عذابِ دوزخ مجھ پر طاری ہے - جب وہ
پیاری بہ ارادۂ مُلاقات یہاں تک آئی اور پھر بات تک ہونے نہ پائی تو صاف ثابت
ہے کہ مُلاقات نصیب میں نہیں اور اس مایوسی میں جینے پر حیف ہے دیکھو آگ
اچھی طرح بھڑک اُٹھی ہے سب ہٹ جاؤ میں اپنا کام کرنے کو جاتا ہوں تم نے واپس
جا کر میری ماں کو تسلی دینا اور سمجھانا کہ فرطِ غم میں تلخ زندگانی نہ کرے - رانی سے بھی
کہنا کہ اپنا چھوڑ کر نادانی نہ کرے - پدماوت سے بمنت عرض کرنا کہ اپنے جانباز
کو یاد سے نہ بھولے - اُس کی یاد میرے لئے جنتِ جاودانی ہوگی یہ سُنکر کیا راجہ
کے ہمراہی اور کیا وہاں کے رہنے والے سب کے سب زار و قطار
رو رہے تھے حیران تھے کہ یہ کیا غضب ہونے کو ہے راجہ آگ کیطرف
بڑھنے کو ہی تھا کہ وہ شفیق و رفیق عاشقِ زار مہربان

قاصدِ غم خوارِ خبرِ یار کا لانے والا گشتۂ ہجر کا جلانے والا طوطا پرِ خجستہ تن یعنے طوطا ہیرا من نمودار ہؤا۔ اور آتے ہی راجہ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ زلفِ عنبر بار کی تار نے جس سے خط گلے میں بندھا تھا۔ یہہ تاثیر دکھائی کہ راجہ کے بیقرار دل کو قرار آگیا۔ ہیرا من کو دیکر اپنے استہان پر آبیٹھا اور خط کھول کر پڑھنے لگا۔ جس کے مضمون سے ناظرین بخوبی آگاہ ہیں*

بائیسواں باب

ارشاد کی تعمیل

جب راجہ نے مضمون خط سے طبیعت محبوب اپنے سے زیادہ مائل بوصال پائی۔ اور درِ دلدار تک رسائی کی تدبیر بھی ہاتھ آئی۔ تو امید و بیم رنج و دہشت شکوہ و شکایت الفت و عنایت کے خیالات سے اُس کے دل میں ایک عجیب گھبراہٹ پیدا ہوئی چاہا کہ اوسیوقت روانہ ہوکر اُس ملکۂ حسن کا فرمان بجا لائے۔ مگر ہمراہیوں نے صلاح دی۔ کہ دن بھر صبر کرنا چاہئے۔ کچھ رات رہے کمر بستہ ہو جائیں اور جو تدبیر خط میں قلعہ میں داخل ہونیکے لئے درج ہے۔ اوسے عمل میں لائیں۔ راجہ نے یوں تو اس صلاح کو مان لیا۔ مگر بیصبری نے اوسے بڑا حیران کیا۔ ایک ایک لحظہ برس برس بھر کا ہو گیا۔ کبھی بیٹھ کر آسمان کیطرف نگاہ کرتا۔ اور کہتا اتنی دیر ہوئی آفتاب ابھی سمت الراس پر ہی نظر آتا ہے۔ کچھ بھی نیچے نہیں ہؤا۔ اس طرح سورج ڈوبتے ڈوبتے تو میرا دل ڈوب جاویگا۔ کبھی کہتا سنا ہے۔ ابھی چار ہی بجے ہیں اسطرح رات کب آویگی۔ ایسا نہو رات سے پہلے پہلے مدتِ عمر ہی بسر ہو جاوے۔ کبھی گھبرا کر لیٹ جاتا۔ کہ کسیطرح دن ختم ہو۔ مگر پڑے پڑے کلیجہ ہاتھوں اچھلتا تھا۔ تب راجہ بے اختیار اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ غرضیکہ فرطِ بیقراری سے یہہ حال تھا کہ وہ مکان جنت نشاں اُجاڑ معلوم ہوتا تھا۔ اور دن کا ہر گھنٹہ پہاڑ معلوم ہوتا تھا۔ ہر وقت منہ مہر سپہر اور دل اُس رشکِ آفتاب عالمتاب کیطرف تھا۔ بڑی دعا و ثنا اور آرزو منن

کے بعد فلک پر مغرب کی جانب اُفق کے قریب وہ سرخی جھلک مارنے لگی۔ جسے
لوگ شفق کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور یہہ اس وقت راجہ رتن سین کی ایسی
شفیق اور جان نواز تھی۔ کہ اُسے دیکھتے ہی راجہ کے منہ پر نور آگیا۔ جون جون اندھیرا
بڑھتا تھا۔ راجہ کا فکر گھٹتا تھا۔ اور منہ پر رنگ امید جمتا تھا۔ دل مارے خوشی کے
بلیون اچھلتا تھا۔ بارے خدا خدا کر کے وقت معین قریب آیا۔ بوریا بندھنا سمیٹ
کر سب چل کھڑے ہوئے اور تدبیر مجوزہ کے مطابق بیچون بیچ قلعہ میں آ دھمکے
راہ میں جو تکلیفات سکندر کو راہِ ظلمات میں پیش آئی تھیں۔ اگرچہ اُس سے بھی
زیادہ مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ لیکن قلعہ میں پہونچ جانے کی خوشی کے آگے
اُن کا کچھ اندازہ نہ رہا۔ صبح ہوتے ہوتے سارے قلعہ میں مشہور ہو گیا
کہ جوگیون کا ایک گروہ نہ معلوم کس طرح قلعہ میں گھس آیا ہے۔ اُن کا
گروہ بظاہر گدا ہے۔ مگر خسرو دولت و اقبال اُس کی پیشانی سے پیدا ہے دیکھنے
میں تو فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہہ کیسی بُری حرکت اُس سے صادر
ہوئی۔ کہ بے اجازت شاہی قلعہ میں آ ڈیرا جمایا ہے محافظان قلعہ دوڑے
دوڑے راجہ گندھرب سین کے پاس آئے۔ اور جوگیون کی دستبرد
سے اطلاع دی۔ راجہ نے اس باب میں وزیر سے صلاح پوچھی۔ اوس
نے عرض کی ہے۔ تو یہہ لوگ سخت قصوروار سب کو قتل کریں۔ سولی پر
چڑھائیں۔ زندہ قید فرمائیں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن فقیر کو مارنے میں
بہت بدنامی ہے۔ کیونکہ جس نے اپنے آپ کو مارا ہوا ہو دھرم شاستر میں
اس کا مارنا گناہ کبیرہ میں داخل ہے۔ ہان ملک سے فتنہ و فساد دفع کرنے کے
لئے حضور ہر ایک تجویز عمل میں لا سکتے ہیں۔ اس صورت میں کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جیسی
بانی شر متصور فرما دیں صفحۂ ہستی سے اُس کا نام مٹا دیں بس مصلحت یہ ہے
کہ سپاہ بھیجکر پہلے اُنکو پکڑ منگائیں اور معلوم کریں۔ کہ وہ کون ہیں۔ کہاں سے آنا ہوا
کس طرح قلعہ میں در آئے۔ اُن کے فساد کا مادہ کیا ہے۔ خواہش کیا رکھتے ہیں۔ ارادہ
کیا ہے۔ راجہ نے اس تجویز کو پسند فرما کر ایک سردار کو حکم دیا۔ کہ فوج لیکر ابھی

جاییئے۔ اور سب کو پکڑ لائیئے۔ اس طرح کہ ہر ایک کے ہاتھہ ہتھکڑی اور پاؤں میں زنجیر کریں۔ جو مقابلہ سے پیش آئے۔ اُسے تیغ و تیر کریں۔ یہہ حکم پاکر وہ سردار چار ہزار کار آزمودہ سپاہی ہمراہ لیکر برق و باراق کیطرح جوگیوں کے سر پر جا پہونچا مسلح فوج اور جنگ کا سامان دیکھ کر راجہ رتن سین کے بہادر سرداروں کا خون حرکت میں آیا۔ مہاراج سے عرض کی۔ ہمکو بھی حکم مل جاوے۔ کہ دو دو ہاتھہ کرنے کو آگے بڑھیں۔ سُست بیٹھے بیٹھے بہت مدت گذر گئی ہے۔ میدان رزم ہمارے واسطے عیش و نشاط کی بزم ہے۔ یہہ جلد عرصہ بعد ہاتھہ آیا ہے اسے ہاتھہ سے نہ دینا چاہیئے۔ راجہ نے کہا بہادرو یہاں تمہاری شجاعت ظاہر کرنے کا موقعہ نہیں۔ اگرچہ امید قوی ہے۔ کہ جنگ ہو۔ تو عرصۂ کارزار دشمنوں پر تنگ ہو۔ اور گو اُنکی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ لیکن سوا سو بہادروں کے سامنے جو مرنے مارنے پر تیار ہیں۔ کچھہ حقیقت نہیں رکھتے۔ مگر بات یہہ ہے۔ کہ یار سے گردن کشی مناسب نہیں۔ یہاں گردن جھکانا ہی بہت مناسب ہے۔ یہہ کرشمہ و ابرو کی لڑائی ہے سینہ و بازو نے نہیں۔ بلکہ دل شکستہ نے ہی یہاں فتح پائی ہے میں بادشاہوں کیطرح لاؤ لشکر سے اس ملک پر چڑھائی کر سکتا تھا۔ لیکن اگر کار عاشق جنگ سے ہو جایا کرتا۔ تو عاشق کبھی تنگ ہو کر نہ مرتا۔ میں تو وادئ عشق کا شکار ہوں۔ نہ کہ صیاد خونخوار ہوں۔ تم سب بھی خاموش ہی بیٹھے رہو۔ دیکھو توسہی پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ راجہ کا حکم سنکر سارے سردار جنکی تلواریں بجلی کیطرح میانوں میں تڑپ رہی تھیں۔ ہاتھہ پر ہاتھہ دھرے بیٹھے رہے۔ سپاہیوں نے راجہ سمیت سب کو گرفتار کر لیا۔ اور گنہگاروں کیطرح پکڑ کر دربار کو لے چلے راجہ گندھرب سین نے سب پر ایک نظر غور ڈال کر اُسوقت علم فراست سے کچھہ مدد لی۔ اور اُن کے چہرہ بشرہ کو دیکھہ کر اُن کی حالت سے مقابلہ کرکے حیران رہ گیا،

پھر گروجی کو طلب کرکے فرمایا۔ اگرچہ تمنے وہ قصور کیا ہے۔ جس کی سزا سوائے فرمان موت کے دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن فقیروں پر ہم ہمیشہ رحم فرماتے ہیں اسلئے تمہاری جان بخشی کرکے حکم دیا جاتا ہے۔ کہ ابھی قلعہ سے باہر نکل جاؤ۔ اور پھر کبھی

اس صورت میں یہاں منہ نہ دکھاؤ اگر تمہارا کچھ مال کا بھی سوال ہے۔ تو وہ کہہ دو خزانہ شاہی سے تمہیں مل جاویگا۔ راجہ رتن سین نے کہا۔ دولت دنیا کی تو فقیر پرواہ نہیں کرتا۔ البتہ ہمارا ایک سوال ضرور ہے۔ جس کی خاطر یہاں بھی آنا ہؤا اور گھر بار چھوڑ فقیری بانا ہؤا اتفاق سے ایسی فیاض سرکار ہاتھ لگی ہے۔ اب خالی ہاتھ جانا بیعقلی ہے۔ مہاراج کی بیٹی کی خاطر میں جوگی گدیہ گر بنا ہوں۔ اس بھیکہ کے دینے سے میری آرزو بر آئے گی۔ راجہ گندھرب سین کے یہ سنتے ہی تن من میں آگ لگ گئی چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ سپاہیوں کو زور کے ساتھ کہا۔ کس نے آج تک ان کو زندہ چھوڑا ہے کہ ایسی بے حرمتی کی باتیں کہنے کی جرأت کر سکیں۔ ابھی لیجاؤ اور سب کو سولی پر چڑھا دو۔

تیئیسواں باب

سولی کا میدان و عاشق نیم جان

قلعہ کے ایک طرف خندق کے پرے فصیل سے دور فاصلہ پر ایک چٹیل میدان تھا جس کا ہر ذرہ ریگ ریزۂ اجل سجھائی دیتا تھا۔ وہ ایسا بھیانک ڈراؤنا تھا کہ اُس کے دیکھتے ہی انسان پر موت کا سارا رعب چھا جاتا تھا۔ دور تک انسانوں کی ہڈیاں پڑی نظر آتی تھیں ادھر اُدھر جو چند درخت تھے ان پر کچھ ایک چیلیں اور گدیں بیٹھی ہوئی چیخ چیخ کر اپنی منحوس آوازیں سناتی تھیں۔ جھاڑیوں میں جابجا گیدڑ اور بھیڑیئے دبکے پڑے تھے۔ لیکن ان سب کا دھیان ایک خاص جگہہ کیطرف لگ رہا تھا جو رات کو اکثر ان کا زندیو ہو جایا کرتا تھا۔ جوگیوں کو لیکر جب یہاں پہونچے تو کیا نظر آیا کہ سامنے ایک بڑی سولی ایستادہ ہے ارد گرد اور بہت سی سولیاں نصب کر رکھی ہیں۔ اور گرد ہیں جلاد ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے منتظر ارشاد کھڑے ہیں پولیس والے ڈنڈے پکڑے ادھر اُدھر گشت کر رہے ہیں۔ انکی کالی وردیوں سے وہ بیابان سیاہ پوشوں سے آباد دکھائی دے رہا تھا۔ بڑی سولی کے نیچے راجہ کو کھڑا کیا۔ سنگلدیپ کی راجدہانی کی مردم موذیوں کے مقام جیسا کہ ہمیشہ ایسے موقع پر چند گھنٹوں کیواسطے آباد ہو جایا کرتا تھا اب بھی ایک بھیڑ بھاڑ کی جگہہ ہو گیا۔ لیکن اس

بستر بھاڑ میں وہ جوشِ راحت و خروشِ انبساط موجود نہ تھا جو عموماً کسی میلے کے موقعہ
پر پایا جاتا ہے بلکہ برعکس اس کے ہر فرد بشر کے منہ پر مُردنی سی چھائی تھی سب نے رونی
صورت بنائی تھی ہر شخص کے سینے سے ایک آہ نکلتی تھی جس سے عالم میں اندھیرا
چھا گیا۔ جب کبھی کسی خونی گردن زدنی مجرم کو اُس صحرائے عدم میں سولی پر کھینچا جاتا
تھا تو اُسے بھی باوجود اُس کے گنہگار ہونے کے اس حالت میں دیکھکر کوئی سنگدل
سے سنگدل ایسا نہ ہوتا تھا جو اشکِ حسرت نہ بہائے لیکن یہاں تو کسیکو اتنا بھی
معلوم نہ تھا کہ اس منصور کا قصور کیا ہے۔ جسے اسطرح بخواری تمام سرِ عام سر دار کھینچا
جاتا ہے البتہ اس بات سے سب لوگ ضرور واقف ہو گئے تھے کہ یہ شخص بد ذات کا
عاشقِ زار ہے اُس کے ہجر میں جان سے بیزار ہے بعضوں نے اس بات کو جنہوں
نے راجہ کو جوگی جانا تھا بہت برا مانا تھا کہ تارک الدنیا ہو کر ہوس کی اور ہوس بھی وہ بیجا کہ
اُس کی سزا سولی پر کھینچنا مناسب اور روا ہے۔ راجہ کی بیٹی خصوصاً ایسی اوپ وتی
کا بواہ کسی شمس سپہر شہریاری سے ہونا چاہئے یا گدا بھکاری سے لیکن اس قسم کے لوگ بھی
اس قسم کا شکوہ شکایت کر کے اتنا خیال کئے بغیر نہیں رہتے تھے کہ اس جوگی کی صورت
تو صاف کہے دیتی ہے کہ یہ کوئی چراغ کاشانۂ سلطنت ہے سر پر عشق کا سایہ ہے۔
اس لئے اپنے آپ کو گدیہ گر بنایا ہے اگر فقیر ہوتا تو راجہ سے کسی اور چیز کا سوال کرتا۔
مال و زر پر مرتا مالا مال ہو کر اپنی راہ لیتا گدیہ گر فقیر میں یہ حوصلہ کہاں کہ راج کنیا کا سوال
کرے۔ حضرتِ عشق کی رفاقت کا دم بھرے کوئی جوگی مرشدِ کامل عشق کا مرید ہو یا جنے
کی بات ہے یہ تو تحقیق کوئی شاہزادہ یا بادشاہ ہے عشق کی بدولت یوں حال تباہ ہے۔
اُس دامِ اُلفت کی گرفتار یعنے بد ذات دل زار کو بھی اپنے والد بزرگوار کی آتشِ غضب کے
بھڑکنے اور اُس جگہ پاش پاش دل پارا پارا مسافر بیکس خانماں آوارہ کے قہر سلطانی میں
پڑ کر سنہ اور شیرینے کی اطلاع پہونچ چکی تھی۔ اس خبر کا اثر اُس کے نازک دلبر چلی کے
صدمے سے ہر گز کم نہ ہوا تھا اور اس سے اُس کے جان جانے میں بھی شک نہیں ہو سکتا
تھا۔ لیکن جب تک سانس تب تک آس کا مقولہ مشہور ہے۔ ابتداء آفرینش سے لے کر
آجتک یہی خلقت کا دستور ہے۔ پلنگ پر پڑی نیم بسمل تڑپتی رہی۔ ماہی بے آب کیطرح

کسی پہلو کل نہ پڑی تو اُٹھ کر لبِ بام جا کھڑی ہوئی کہ اُدھر اُس مجنونِ از خود رفتہ کا کام تمام ہو تو ادھر محل سے گر کر یہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ ایک طرف عاشقِ زار با دلِ نمناک و چشمِ اشکبار ہر لحظہ موت کا اُمیدوار ایک طرف معشوق طرحدار با خاطرِ محزوں سینہ پُر ز خون مرنے کے لئے تیار تھا کہ زمانہ نے پلٹا کھایا۔ نیک ستارہ گردش میں آیا ؎

بل مارنے کی ہوئی جو دیری ـــ سُبحان اللہ شان تیری

چوبیسواں باب

پچھلے واقعات پر باز نظری

جب راجہ رتن سین پدماوت کے حُسن غائبانہ کی تعریف سُن کر جوگی کے بھیس میں چتوڑ سے روانہ ہوا تھا تو سولہ سو کنوروں اور سرداروں کے سوا دسوندھی بھاٹ اور ہیرالال سوداگر بھی ہمراہ آئے تھے جو اس وقت سولی کے میدان میں زندانیوں میں شامل نہ تھے کیونکہ اُن دونوں کو جوگیوں سے الگ سمجھ کر کسی نے کچھ باز پرس نہ کی تھی۔ اب انہوں نے راجہ کو نرغہ میں پھنسا ہوا دیکھ کر ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے۔ وہ چنتے تھے کہ کوئی تجویز ہاتھ آئے جس سے راجہ یوں گمنامی کی موت سے نہ مارا جائے ایسے ہمہ صفت موصوف والئ مُلک کا یوں تباہ ہو جانا بڑا دردناک واقعہ ہے آخر ہیرالال سے مشورہ کر کے دسوندھی بھاٹ نہ رہ سکا اور جہاں راجہ رتن سین درباریوں سمیت حالتِ تذبذب میں بیٹھا ہوا مختلف احکام دے رہا تھا وہاں پہونچا جونہیں راجہ کی نگاہ اُس پر پڑی اُس نے بائیں ہاتھ سے سلام کیا اور اشیرباد دی راجہ کو اُس کی یہ گستاخانہ حرکت ایسی بُری معلوم ہوئی کہ وہ فوراً مجرموں کی طرح حضور میں لایا گیا بھاٹ بھی مرنے پر کمر بستہ ہو کر آیا تھا سر جھکائے منتظر کھڑا رہا کہ جونہیں اُس سے کوئی سوال کریں جواب باصواب دے راجہ نے کہا بھاٹ تو تو ہے سمجھ کیا اور دل لیکن تو نے یہ کیا نالائق حرکت کی جو کہ ایک والئ ملک کو جس کے رعب سے بادشاہ ہراساں اور

جس کی شجاعت کے سامنے پیل و شیر لرزاں ہیں بائیں ہاتھ سے سلام کیا جو ایک نہایت حقارت اور تمسخر کی علامت ہے اس سے تو پایا جاتا ہے تو زندگی سے بیزار ہے وسوندھی بھاٹ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا جہاں پناہ غلام سچی بات کہنے سے مارا جائے تو خوشی کی بات بلکہ باعثِ نجات سمجھتا ہے اور میرے مرنے پر تیار رہنے کی یہ وجہ ہے کہ جہاں بے انصافی و غرور کا عمل و دخل ہو وہاں راستی کب دلپذیر ہے اور جہاں دروغ کو فروغ ہے وہاں مارا جانا پہلے ہے۔ جان بچانے کی کونسی تدبیر ہے مہاراج میں سچ کہنے سے مارا جاؤنگا تو سیدھا جنت میں جاؤنگا۔ اور بخوفِ جان خاموش رہونگا تو وفادار اور ذی شعور نہ کہلاؤنگا میں راجہ رتن سین کا قدیمی نمکخوار ہوں اس آڑے وقت میں جان قربان کرنے کو تیار ہوں جس جوگی کو تو گدیہ گر فقیر سمجھا ہے جس کے دل میں تو نے دیکھا ہے غم کی گرہ اور لب پر ہر دم آہ ہے۔ وہ راجہ رتن سین ہندوستان کے راجوں کا سرتاج چیتوڑ گڈھ کا بادشاہ ہے اس کا ملک حضور کی سلطنت سے کئی حصہ زیادہ ہے بھگوان نے زور بازو بھی وہ بخشا ہے کہ چاہے تو کیلاس کو جڑ سے اکھاڑ دے اور پل میں نظم و نسق جہان بگاڑ دے یہی ہیرالال جو اس وقت سرکار کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے اُس کے جوگ دھارنے کا کارن ہوا ہے اسی نے اس عالیشان راجہ کو ایسی بلائے بے درماں کے پنجہ میں پھنسایا ہے جس نے کروڑ کا خون بہا نہیں یہ ظالم عشق ہے جس کی بدولت اس وقت راجہ رتن سین کے سر پر تاجِ شاہی کی بجائے سولی کا سایہ ہے یہ حضرت عشق کی کرامات میں داخل ہے کہ وہ اس سایہ کو ہما پایہ سمجھتا ہے۔ مہاراج آپ میں سب واردات سچ سچ کہہ دیتا ہوں جان جائے یا بچ رہے بلا سے بارے حق نمک ادا ہو جانا شرط ہے۔ پچھلے برس یہ ہیرالال جو چیتوڑ گڈھ کا ایک نامی گرامی مالدار ساہوکار ہے یہاں تجارت کرنے آیا تھا دن بیدے سے تھے کہ بہت سا نفع اُٹھا کر صحیح سلامت چیتوڑ گڈھ میں واپس جا پہونچا راجہ رتن سین نے حسب دستور اُس کے اُسے دربار میں بلا کر جیسا کہ نامور بادشاہوں کا دستور ہے اس ملک کے حالات وغیرہ دریافت کرنے شروع کئے اثنا گفتگو میں ہیرالال نے زمین کی سرسبزی باشندوں کی فارغ البالی حضور والا کی داد گستری تجارت و حرفت کی

رونق وغیرہ کی بہت تعریف کی اور یہ بھی کہا کہ یہاں کی عورات نہایت حسین ونازنین ہوتی ہیں یعنے وہ جادو جمال کہ تیغ نگاہ سے دل بچانا محال ہوجاتا ہے یہانتک تو خیر تھی لیکن گُل یہ کھلایا کہ پدماوت کا ذکر زبان پر لایا۔ راجہ تو نام پر ہی قربان ہوگیا تھا حسن وجمال کا تذکرہ سُن کر تو گویا جان ہی نکل گئی ہیرالال نے ستم یہ ڈھایا کہ پدماوت کی شبیہہ دکھلادے ظالم نے آگ پر آگ بھڑکادی پھر تو راجہ اپنے آپ میں نہ رہا چند روز بہ ہزار خرابی وبیتابی بن کھائے بن پیئے بسر کیئے آخر سامانِ سفر درست کرلیا یعنے لباس عریانی پہنا اور خاک کا گہنا زیبِ تن کرکے کوئے دلدار کی تلاش میں مجنون وار دشت پیمائی شروع کی راہ میں ہر چند کڑی مصیبتوں کا سامنا تھا لیکن غلبۂ عشق سب پر غالب آیا جیسا کہ کسی نے فرمایا ہے ؎

اشعار

اسپکو وہ گراں ہے جو سوا موئے کمر ۔۔۔ گنتے ہیں پُشت پناہ اسکو رہا ئیدہیں بشر
زورق چرخ کو ہیں پاؤں اسکے لنگر ۔۔۔ یہ قوی وہ ہے توانا کو بنا دے لاغر
حُسنِ رفتار زمانے سے جدا ہے اسکا ۔۔۔ چرخ پامالِ نشانِ کفِ پائے اسکا

راجہ عریانیٔ تن کو لباسِ شاہانہ سے بہتر خیال کرتا ابلۂ پا کو ثمرِ نخلِ محبت جانتا لشکرِ آد و نقیبِ نالہ کو ہمراہ دیکھکر کسی چیز کی پروا نہ کرتا کپڑوں کے عوض رنگ بدلتا خیالِ جمالِ محبوب میں ہر ایک تکلیف کو راحت خیال کرتا ہوا یہاں آپہنچا چند روز تک باہر سمیر پر مقام رہا کششِ شوق نے یہ تاثیر پیدا کی کہ بسنت پنچمی کے دن سمیر پر اُس لچھمی کا دیدار نصیب ہوا بجز دیگ نگاہ دل سے آہ اور آنکھوں سے پانی کی ندی جاری ہوئی غشی طاری ہوئی گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے سنبھالا لیا تو اُس مہرِ منور کو گم پایا جہاں آنکھوں میں سیاہ نظر آیا چاہا کہ زندہ چتا میں جلجائے کہ بلائے ہجر سے ٹلجائے ہم لوگوں نے سمجھایا کہ اس امر لاطایل سے کیا حاصل راجہ تو جل ہی گیا ہوتا مگر کچھ مہادیو کی کرپا ہوگئی کہ کچھ سمجھ بوجھ کر کسی نہ کسی طرح یہانتک آپہونچے۔ آگے تمام حقیقت حضور والا کو معلوم ہے۔ راجہ گندھرب سین بھاٹ کی یہ تقریر سُنکر کچھ کھسیانہ سا ہوگیا اور دم بھر متفکر رہ کر ہیرالال کو سامنے بُلایا اور راجہ رتن سین کا حیرت افزا واقعہ دوبارہ تصدیق فرمایا۔ جب دونو کے بیان میں سرِمو تفاوت نہ پایا تو ایک اُلٹے ملک کو اسطرح نابود کردینے کے خیال سے کانپ اُٹھا اور بچائے

مہماں نوازی و سرفرازی کے اُس سے اسطرح پیش آنے سے بہت پشیمان ہوا۔ پھر یہ بات کا بھی دھیان آیا کچھ عرصہ سے اُس کی کشیدگی خاطر اور وحشت دل کا سبب جس کی شکایت وہ کبھی کبھی سُنتا رہتا تھا اب اُس کی سمجھ میں بوجہ احسن آگیا۔ کیونکہ تجربہ اور علم سے اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ محبت کی آگ میں عاشق و معشوق دونوں کے جلنا نصیب ہوا کرتا ہے بہت سی باتوں کا دل ہی دل میں دھیان کر کے اُس نے ایک افسر کو حکم دیا کہ جوگیوں کا گرو جو ہمراہیوں سمیت بزم من قتل سولی کے میدان میں اس وقت موجود ہے فوراً حاضر کرو ۔۔

پچیسواں باب

لیاقت کا امتحان

حکم ہونے کے بعد کچھ بہت عرصہ نہیں گذرا کہ راجہ رتن سین ایک سرکاری افسر کی حراست میں دربار میں پہونچایا گیا۔ اس دفعہ راجہ گندھرب سین سروقد تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور بڑی منت و خوشامد سے جوگی مہاراج کو اپنے پاس بٹھایا۔ تھوڑی دیر بعد کہا آپ مہاتما پُرش ہر ایک بات کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں میرے چند شبہے ہیں براہ عنایت اُنہیں دل سے مٹا دیں تو ایک بھاری بوجھ سر سے چکا دیں اور حکم ہو تو عرض کروں۔ راجہ رتن سین نے جواب دیا بابا فقیر کو کچھ آتا تو ہے نہیں لیکن جو سائیں نے توفیق دی تو کچھ کہیگا آپ بیان کرتے جاویں۔ راجہ گندھرب سین نے کہا آدمی کی زندگی کا مُدعا کیا ہے۔ راجہ رتن سین نے جواب دیا پرمیشر کی بھگتی ۔۔

کہا دُنیاداری کیا چیز ہے ۔ جواب دیا دُکھوں کا مُول ۔۔

کہا زندہ کون مر گیا جواب دیا جس نے خواہشوں کو تیاگ دیا ۔۔

کہا سلطنت کی جڑ کسطرح مستحکم ہوتی ہے۔ جواب دیا عدل سے۔

کہا ملک کیونکر آباد ہوتا ہے جواب دیا رعایا کے خوش رکھنے سے۔

کہا دشمنوں کو کیونکر دور کرنا چاہیئے ۔ جواب دیا نیکی سے

کہا دشمنوں کے حملوں کو کسطرح روکنا چاہئے - جواب دیا نیک چلنی سے -

کہا شہرت کیونکر ہوتی ہے - جواب دیا محنت سے -

کہا آدمی کیونکر پہچانا جاتا ہے - جواب دیا چال چلن سے -

کہا عقلمند کون ہے جواب دیا جو بیوقوف سے نہ ملے -

کہا بیوقوف کون ہے جواب دیا جو اپنا فرض بجالانے میں سستی کرے -

کہا مصیبت زدہ کون ہے کہا جسے کسی کی پروانہ ہو -

کہا آرام میں کون رہتا ہے - جواب دیا جو حیثیت سے بڑھ کر کام نہ کرے -

کہا انصاف کون کرسکتا ہے - جواب دیا جو خوشامد میں نہ آئے -

کہا خسارہ میں کون ہے - جواب دیا جس نے دھرم تیاگ دیا -

کہا نفع میں کون ہے - جواب دیا جس نے آخرت کا توشہ ساتھ لیا -

کہا آخرت کا رشتہ کس سے بنانا چاہئے جواب دیا مستحقوں کو خیرات دینے سے

کہا انسان بُرے کام کیوں کرتا ہے - جواب دیا جہالت کا پردہ دل پر چھا جانے سے -

کہا بڑا بے لحاظ کون ہے جواب دیا جو سب کا لحاظ کرتا ہے -

کہا دھوکا کون کھاتا ہے - جواب دیا جو جلد یقین کر جاتا ہے -

کہا اولاد کسطرح بگڑ جاتی ہے - جواب دیا بچپن کے ناز بیجا سے -

کہا جبلی خراب اولاد کس کی ہوتی ہے - جواب دیا رشوت خوار آدمی کی

کہا بدمعاش کون ہے - جواب دیا جو بید وشاستر کا پابند نہیں -

کہا ظالم کون ہے - جواب دیا جو دوسرے کا حق چھینتا ہے -

کہا کمینہ کون ہے - جواب دیا جو کسی سے ہمدردی نہیں کرتا -

کہا شریف کون ہے - جواب دیا جس کا سلوک ہر ایک سے ایسا ہے جیسا چاہئے

کہا دل تنگ کون رہتا ہے - جواب دیا جو مال جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے -

کہا بیعزت کون جیتا ہے - جواب دیا جو مقروض رہے -

کہا راحت کسکو ہے - جواب دیا بچے کو -

کہا سرفرازی کسکو ہے - جواب دیا بے طمع کو -

کہا بزرگ کون ہے - جواب دیا جس نے نفس کو مارا ہو -

کہا عزیز کون ہے جواب دیا جو خوش شگفتہ رو ہے -

کہا آدمیوں کا فائدہ کس چیز میں ہے - جواب دیا بد کام سے پرہیز کرنیں -

کہا رسوائی کس میں ہے جواب دیا عیش رانی میں -

کہا صحت کا اصول کیا ہے - جواب دیا اعتدال -

کہا سب سے اچھا پیشہ کیا ہے - جواب دیا جس میں خالق کی خوشنودی مقدم رہے

کہا مایوس کون رہتا ہے - جواب دیا جو کام انجان کو سپرد کرتا ہے -

کہا ندامت کون خریدتا ہے - جواب دیا جو بے فائدہ کام کرتا ہے -

کہا برے کی برائی سے بچنے کا کیا طریق ہے - جواب دیا کنارہ کشی -

کہا کیا چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی - جواب دیا الفت اور بیماری -

کہا برے آدمی کو عزیز کون رکھتا ہے - جواب دیا جو خود برائی کا راغب ہوتا ہے

کہا پرمیشر کی برکت کہاں نازل ہوتی ہے - جواب دیا جہاں اتفاق ہے -

کہا کیا چیز کبھی بوڑھی نہیں ہوتی - جواب دیا نیکی -

کہا زیادہ محتاج کون ہے - جواب دیا جس کی زیادہ عیالداری ہے -

کہا دولت کیوں کر پیدا ہوتی ہے - جواب دیا مناسب خرچ کرنے سے -

کہا علم پر عمل کون کرتا ہے - جواب دیا جو تندرست رہتا ہے -

کہا بدقسمت کون ہے - جواب دیا جو دائم المریض ہے -

کہا کس سے سچ کہنے میں تامل نہ کرنا چاہیئے - جواب دیا - طبیب - وکیل اور گرو سے

کہا دولت اڑانیکا سب سے برا طریق کون ہے - جوابدیا قماربازی -

کہا انسان کو بے اعتبار کون بناتی ہے - جواب دیا غمازی -

کہا فضول کیا شے ہے - جواب دیا پیری میں شادی -

کہا شراب خواری کیوں بری ہے - جواب دیا دولت - صحت - عزت کا ایک ستیاناس کرتی ہے -

کہا پیار کس سے نہ کرنا چاہئے - جواب دیا روپیہ اور عورت سے -
کہا بیٹے کی شادی کب کریں - جواب دیا جب لایق دیکھیں -
کہا سب سے اچھا ہنر کون ہے - جواب دیا ریاضت الہی -
کہا اچھا لباس کیا ہے - جواب دیا علم کا -
کہا مفتی کون نہیں چھپتا - جواب دیا جو تن آسانی اختیار نہیں کرتا -
کہا ملتا کسکو ہے - جواب دیا جو ڈھونڈتا ہے -
کہا عورتوں کیلئے اچھی ریاضت کیا ہے - جواب دیا خاوند کی رضا جوئی -
کہا کیا چیز ہے جس پر کچھ صرف کرنا نہیں پڑتا مگر قیمت خوب ملتی ہے - جواب دیا شیریں کلامی -
کہا کس شخص کی دنیا میں کوئی قدر نہیں کرتا - جواب دیا جس میں احسان کرنے کی صفت نہیں -
کہا عموماً جھوٹے کون ہوتے ہیں - جواب دیا قرضدار لوگ -
کہا کس سے انسان کی طبیعت بدلجاتی ہے - جواب دیا دفعتاً خوش اقبالی سے -
کہا غم کہاں موجود نہیں - جواب دیا جہاں عزت کا خیال نہیں -
کہا عقل کہاں موجود نہیں - جواب دیا جہاں شراب موجود ہے -
کہا بچہ پیدا ہوتے روتا کیوں ہے - جواب دیا آیندہ مصیبتوں کے ڈر سے -
کہا لڑکی کی شادی کب کرنی چاہئے - جواب دیا اس سے پہلے پہلے کہ وہ آپ اپنی شادی کرنے پر تیار ہو جاوے -
کہا راحت کون پاتا ہے - جواب دیا جو مصیبت پاتا ہے -
کہا انسان کو سبک کون بناتی ہے - جواب دیا بیوقوف کی زبان -
کہا بہت بڑی فتح کون ہے جواب دیا جس میں خونریزی نہ ہو -
کہا کس کے حق میں بیمار رہنا اچھا ہے - جواب دیا شریر کے -
کہا کیا ہمیشہ خطرہ میں ہے - جواب دیا شیشہ اور جوان عورت -
کہا کون داغ کبھی صاف نہیں ہوتا - جواب دیا بدنامی کا -

کہا کون زخم کبھی اچھا نہیں ہوتا - جواب دیا جوان بیٹے کی موت کا -
کہا کن عورتوں کے گھر کا انتظام خراب ہوتا ہے - جواب دیا جنہیں بناؤ چناؤ
کا زیادہ شوق ہوتا ہے -
کہا دُنیا میں جادو کیا ہے - جواب دیا نیک خدمات -
کہا سب سے بڑی بلا کیا ہے - جواب دیا بے صبری -
کہا غریب کون ہے - جواب دیا جس کی خواہش بڑی ہے -
کہا کس آدمی کو کہیں قرار نہیں - جواب دیا طامع عاشق کو -
کہا کس آدمی کا جینا موت برابر ہے جواب دیا بیعزت کا -
کہا خلیق کون ہے - جواب دیا جو طعنہ زنی نہیں کرتا -
کہا قصور کا بڑا انتقام کیا ہے - جواب دیا معافی
کہا مروت کا کب پھل نہیں ملتا - جواب دیا جب کمینہ سے کیجا وے -
کہا روپیہ کا قدر کب معلوم ہوتا ہے جواب دیا جب قرض لینا پڑے -
کہا کس کا تقاضا ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے - جواب دیا گھوڑے کا [illegible]
کہا کس کے خرچ کا ٹھیک تخمینہ نہیں ہو سکتا - جواب دیا عمارت اور لڑائی کا -
کہا دولت سے بیزار کون رہتا ہے - جواب دیا جو اولاد نرینہ نہ رکھے -
کہا زمانہ کس کو سزا دیتا ہے جواب دیا جو آپ اپنے آپ کو سزا نہیں دیتا
کہا بدبختی کے کیا نشان ہیں - جواب دیا - دولت اور صحت کا ایک ساتھ زوال -
کہا مناسب خرچنا کون جانتا ہے - جواب دیا جو کماتا ہے -
کہا احمق کون شخص ہے - جواب دیا جو آپ کو دانا خیال کرے اور مشورت
لینے سے احتراز کرے -
کہا ملک میں تباہی کیونکر پھیلتی ہے جواب دیا ہمیشہ کی لڑائی سے -
کہا خوبصورتی کیا چیز ہے - جواب دیا جو دل کو اچھی لگے -
کہا آدمی بے داموں غلام کیونکر ہو جاتا ہے - جواب دیا اپنا بھید بتا دینے سے
کہا زندگی کو کیا شے سنوارتی ہے - جواب دیا نیک صحبت -

کہا ہمیشہ کن لوگوں کی مدد کرتا ہے - جواب دیا جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں -

کہا محبت کے لئے کیا چاہئے - جواب دیا وفاداری -

کہا وفاداری کے لئے کیا چاہئے - جواب دیا پائیداری -

کہا بیماری سے زیادہ تکلیف دہ کیا ہے - جواب دیا شریر لوگوں سے معاملہ -

کہا نیک آدمی کون ہو سکتا ہے - جواب دیا جو ارادہ کا پکا ہو -

کہا پرمیشر کسکو ہدایت دیتا ہے جوابدیا جو اُس پر بھروسا کرتا ہے -

کہا ظالم زیادہ دُکھ کس کو دیتا ہے - جواب دیا اپنے آپ کو -

کہا روپیہ جاتا کب اچھا لگتا ہے - جواب دیا عمارت بنانے میں -

کہا عمدہ گھر کون ہوتا ہے - جواب دیا جس میں نیک لوگ بستے ہوں -

کہا بیوقوف سے بُرا کون ہے - جواب دیا بدذات آدمی -

کہا بے طریقہ کون لوگ ہوتے ہیں - جواب دیا بادشاہ لوگ -

کہا آدمی کس سے قابو میں آجاتا ہے - جواب دیا زبان سے -

کہا غرور کس سے پیدا ہوتا ہے - جواب دیا مذہبی فتور سے -

کہا گُناہ کہاں سے پیدا ہوتا ہے - جواب دیا تعلیم و تربیت کے قصور سے -

کہا انسانیت کیونکر آتی ہے - جواب دیا نیک صحبتی سے -

کہا خدا شناسی کیونکر آتی ہے - جواب دیا بدیا سے -

کہا بدیا پر مہربانی کون کرتے ہیں - جواب دیا جو اچھی تصنیفات چھوڑ جاتے ہیں -

کہا بدیا کا قدر کون کرتے ہیں - جواب دیا جو علم والوں پر مہربانی فرماتے ہیں -

کہا بادشاہوں کے کان اور آنکھ کون ہیں - جواب دیا جاسوس لوگ -

کہا نیکی کہاں سے بھاگ جاتی ہے - جواب دیا کنجوس آدمی کے دل سے -

کہا زندہ آدمی کون حالتوں میں مُردہ ہوتا ہے - جوابدیا خواب اور عیش رانی کے وقت -

کہا شیطان کس پر حملہ کرتا ہے - جواب دیا جس میں علم اور خدا کا خوف نہ ہو -

کہا پرمیشر سے کیا مانگنا چاہئے - جوابدیا عزت سے مرنا -

کہا بادشاہوں کو کس چیز کی طلب میں زیادہ توجہ چاہئے - جوابدیا نام نیک -

کہا بیشتر اخلاق کس کا ہے - جواب دیا رسم و رواج کا

کہا ملک میں امن کیونکر قایم رہتا ہے - جواب دیا سیاست سے -
کہا سیاست کیونکر بیٹھتی ہے - جواب دیا نیکوں کو جزا اور شریروں کو سزا دینے کر
کہا کس صحبت کا انجام نہیں - جوابدیا جو اپنے مقصود سے ہو -
کہا جان بوجھ کر دیوانہ پن کا کام کون کرتا ہے - جواب دیا جو کسی کی اُلفت میں گرفتار ہو -

اتنے سوال پوچھ کر راجہ گندھرب سین خاموش ہو گیا فوراً ہی میر اصطبل ایک گھوڑا لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا خداوند ہر چند اس پر چڑھنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ایسا سرکش ہے کہ کسی چابک سوار کو نزدیک تک نہیں آنے دیتا - راجہ نے جوگی جی کی طرف دیکھ کر کہا مہاراج آپ کے سامنے سب مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اسے بھی آسان فرمائیے - جوگی جی بولے بابا ہم فقیر لوگوں کا تو یہ کام ہے نہیں لیکن راجا کا بچن موڑنا گورو جی نے کلیش کا کارن بتایا ہے - آپ کے فرمانے موجب ہُنر آزمائی کرتا ہوں - یہ کہہ کر گھوڑا باگ سے پکڑ لیا اور اُس کے کان کے پاس اس نفرت سے ایک ہنکارا مارا کہ گھوڑے نے گدھے کی طرح کان ڈالدئے - راجہ رتن سین جھٹ اُس کی پیٹھ پر ہو بیٹھا اور چھتیس طرح پھیرا - سب کے مُنہہ سے آفرین - مرحبا کا شور بلند ہوا - راجہ گندھرب سین نہایت خورسند ہوا اور حکم دیا کہ جوگی جی کو اُسی سولی کے نیچے لیجا کر کھڑا کرو -

۲۶ چھبیسواں باب

خوشی کا پیغام شادی کی دھوم دھام

راجہ گندھرب سین کے دل میں جوگی کی طرف سے جو اندیشے موجود تھے وہ اوّل تو چہرے پر غور سے نظر کرنے سے ہی جا چکے تھے دوم اُس کے ہُنر شہسواری کو دیکھ کر بالکل رفع ہو گئے تھے - سوم تصویر خانۂ راج میں اُس کی شبیہ موجود تھی اُس سے مقابلہ کرکے دیکھا تو سر مو فرق نہ پایا یقین ہو گیا کہ یہ جوگی چتوڑ گڈھ کا راجہ ہے اور

ظاہر کی ہے۔ اہلکاروں سے شادی کے باب میں مشورہ طلب کیا تو سب نے یہی صلاح دی کہ ایسا بر جو ذات صفات حسنِ صورت و سیرت خلق مروت ہمت اور جرأت میں لاثانی ہے ملنا بہت مشکل ہے۔ نیک مہورت اور شُبھ لگن دیکھکر شادی کا سامان کر دینا چاہیئے تاخیر کرنے کی نیک تدبیر اجازت نہیں دیتی۔ راجا نے بھی سوچا آخر گھر میں بیٹی بجوان خفت کا نشان ہے۔ جب پرمیشر نے کنیا دی ہے تو اس کا کسی سے بیاہ کرنا لازمی امر ہے۔ پس جتنی جلدی اس سے سرخروئی حاصل ہو اُتنا ہی اچھا ہے یہ سوچکر اُس کے تمام خیالات شادی کا کام سر انجام دینے کیطرف راغب ہو گئے۔ وہ چاہتا تھا کہ شادی بڑے شان و شوکت سے رچے جس کی جگ میں دھوم مچے اُس کو اُس بدسلوکی کا بھی بحال افسوس تھا جو اُس کی جانب سے راجہ رتن سین کے ساتھ ظہور میں آچکی تھی اوّل اُس نے صدر اعظم کو بلا کر حکم دیا کہ ایک دستہ خاص باڈی گارڈ کے سواروں کا کیل کانٹے سے لیس زردوزی کلابتونی وردیوں سے سجے سجائے چار آئینہ لگائے اور پانسو پیادے جن کی آراستگی و پیراستگی کو دیکھکر ایک برات کا نقشہ دل پہ جم جائے لیکر جلد سولی کے میدان کو روانہ ہو اور بعد دلداری و معذرت تمام راجہ رتن سین سے پیغام دے کہ شام تیرہ صُبح اُمید سے مُبدّل ہوئی دل کی اُمید حاصل ہوئی۔ اب یہ لباس بیگانہ یعنے کسوتِ فقیرانہ اُتار دیجئے۔ رنجِ مفارقت اپنا زور دکھا چکا ہے۔ گل و بلبل کا پیوند قرار پا چُکا ہے۔ توشہ خانہ سے اس قدر پوشاکیں قابلِ پوشش شاہانِ نامدار و زیورات مرصع کار جواہر نگار بھی ہمراہ لیجا کر راجہ اور اُس کے ہمراہیوں کے پہننے کے واسطے کافی و وافی ہوں۔ برات شہر میں ایسی سجی سجائی آئی مگر اُسے دیکھ کر مہر و ماہ کی آنکھ جھپک جائے ہاتھی گھوڑا رتھ بہلی سامانِ جلوس چل تیرے پیچھے پہونچتا ہے۔ وزیر اعظم کو اُدھر بھیجکر راجہ نے افسران ہر کارخانہ کو سامنے بلا کر حکم دیا کہ ہندوستان کے مہاراج کی مہمانداری کا سامان ہے ہر شے کی آراستگی میں ایسی دل و جان سے کوشش کرو کہ کسی بات میں کچھ نقص نہ رہ جائے در و دیوار پر وہ نقش و نگار کر کے دکھا دو کہ شہر کو رشک لالہ زار بنا دو ہر ایک دوکان نگارخانۂ مانی پُر فن ہو ہر مکان نسیمِ بہار کا آراستہ چمن ہو۔ گلی کوچہ میں

خبردار جو کہیں خس و خاشاک کا نام و نشان ہو راجہ شہر میں داخل ہو تو اُسے اندرپوری
کا گمان ہو تا کہ نظارہ بالکل خشک اور نامرغوب نہ ہو بلکہ جتنا بھی خس و خاشاک ہو وتنا ہی
فرحناک ہو جا بجا بیل بوٹے لگا دو گل و ریاحین سمن و یاسمین کا فرش پاؤں تلے بچھا دو
نرگس راہ میں آنکھیں بچھائے تو سوسن مبارک باد کے سوہیلے گائے کلی اپنا کمرہ کھولے
آدھم کا اشارہ کرے تو گلاب کشتیٔ زر بطور نذر لا کر آگے دھرے منڈیروں پر برابر گملے
اور فلاور پاٹ دھرے ہوں مگر سب پودوں کو پھول لگے اور ہرے بھرے ہوں۔
عورات جو سیر دیکھنے آئیں مکلّف لباس میں اُن کے پیچھے ایستادہ ہوں راجہ کی سلامی کے
لئے آمادہ ہوں۔ مردوں کو وہاں کھڑے ہونے کی ممانعت ہے۔ دوکانوں کے چبوتروں
پر وہ کھڑے ہو کر جلوس کا نظارہ کر لیں اور اپنا مجرا بجا لائیں۔ موتی باغ اُس انمول رتن
کی رہائش کے واسطے مخصوص کیا گیا ہے اُس کی تزئین و تیاری میں کچھ اور بھی زیادہ کوشش
لازم ہے۔ مہمانوں کی خوشی خاطر سب باتوں پر مقدم ہے ہر ایک روش پٹڑی صفائی
میں ایک تختۂ بلور ہو سڑکوں کو ایسا مصفّا بناؤ کہ دیکھ کر شرمندہ رخسارِ حور ہو جھرنے
ٹپکیں چادریں گریں۔ شفاف پانی کی بھری ہوئی لہروں میں لال پیلی مچھلیاں اِدھر اُدھر
پھریں تمام حوض گلزار کے بنے ہوئے وُرشا ہوار کے صندل کے عطر سے بھر دو۔ زمین
پر گلاب و بید مشک کا چھڑکاؤ کر دو کہ بادِ نسیم غبار کے بدلے بوئے نافۂ تاتار دوش پر
لئے پھرے باغ جنت نظروں سے گرے۔ باغ میں جو مصنوعی درخت سونے چاندی
کے بنے ہیں اُنکی شکست و ریخت پر غور کر لینا لعل و زمرد کے پتوں سے جو گر پڑا ہو نیا
لگا دینا الماس و پکھراج کے بنے ہوئے پرند اُنکی شاخوں پر بیٹھے ہوئے پر جھاڑیں
کُلیلیں کریں زمین پر غزالان رعنا خراماں خراماں چلتی پھرتی نظر آئیں یا چوکڑیاں بھریں
چمن کی آراستگی کے بعد بارہ دری خوابگاہ خاص کے سجانے میں بھی غفلت نہ ہو کسی
کمرے میں بچھے ہوئے قاقم و سنجاب کے قالین ہوں۔ کہیں مخمل کا فرش کہیں حریر و
پرنیان سوم و چین ہوں۔ مہتابی میں چاندنی کا فرش کرا دو نیچلے کمروں کی زمین خجلت دہ
چرخ چہارم بنا دو۔ پردے زربفت کے اور ڈوریاں خواہ مقیش کی لگائی ہوں مگر چلمنیں وہ
لگاؤ جو مژگانِ حور سے یا تار نظر چشم مخمور سے بنائی ہوں طاقچوں میں گلدستے ہرے

بلور سے لطافت سے بھر سے دھرنا - جھاڑ فانوس بلورین ہانڈیاں کافوری شمعیں
مناسب مناسب موقعوں پر رکھنے سے سُستی نہ کرنا ہر جگہ کو ایسا سجاؤ کہ طاق و محراب
سے چشم و ابرو کا نقشہ دکھاؤ دیواروں پر چند تصویریں بھی لٹکائی جائیں مگر اس صفت
کی کہ گل بھیر لے سے ناچ گا کر دل بہلائیں - بلکہ کبھی کبھی ہم آغوشی کا لطف دکھائیں -
جتنے آدم قد آئینے میزوں پر رکھے جاویں وہ اس حکمت کے بنے ہوں کہ دیکھنے والے کے خیال
میں جو کچھ سامنے شیشے میں وہ شے مقابل نظر آئے - حیرت سے بیخودی کی حالت
طاری ہو قبر میں روح سکندر کو بیقراری ہو کونوں میں انگیٹھیاں عود قماری کی گٹھے سے
جمنی عجیب تیاری کی خوش اسلوبی کے ساتھ رکھی رہیں - بارہ دری کے سامنے چند فوا
صرف موتیوں کے بنا و سنگدیپ کی صناعی کا نمونہ دکھاؤ - ہر ایک سے وہ خوشبو دار
کیوڑا گرے کہ وہ بوئے روضہ رضوان سے سر پھیرے - بہت سی پاتریں تو حکم ہو کہ
موتی باغ میں جا کر کہیں کوئی گا رہی ہو کہیں بانسری بجا رہی ہو کوئی سرگرم رقص طاؤس
و کبک دری کی جان پر آفت ڈھا رہی ہو - کسی سرو پر کوئی فاختہ بے دل فریاد مچاتی
ہو تو اسی کے نیچے کوئی شمشاد قد فلک پر زہرہ کو وجد میں لاتی ہو ایک طرف گل پر
بلبل کا ترانہ ہو - دوسری جانب فرشِ گل پر کسی گل اندام کا گانا ہو - تھک جائے تو
اور طرح دل بہلائے - کوئی کسی کو گالیاں دے دے کے پکارے - کوئی کسی کے پھول
ہزارہ مارے - کوئی کسی پر قہقہہ لگائے - کوئی کسی کا منہ چڑائے - کوئی حوض گلاب میں
منہ ہاتھ دھوئے کوئی آب میں پاؤں پھیلائے سوئے کوئی ڈالیاں پکڑ کر جھولتی ہو
کوئی مارے خوشی کے گل کی طرح پھولتی ہو ایک کھڑی نرگس خوابیدہ کو خوابِ غفلت سے
جگاتی ہو - ایک گلِ لالہ توڑ کر دوسری کی چھاتی پر نبرد لگاتی ہو - شہر میں بھی جا بجا تھوڑے
تھوڑے فاصلے پر مہ جمال زہرہ تمثال طوائفوں کو مجرا کرنے کے واسطے مقرر کیا جائے
کہ لوگوں کو تماشا دکھائیں - اس شادی کی تقریب پر خوشیاں منائیں سب کو کھانا
پکا پکایا سرکاری لنگر سے ملا کرے ہر وقت پوری کچوری گرما گرم لیجئے نہایت نرم
لڈو موتی چور کے خوشے انگور کے - ہزاروں خوان کباب کے نہایت آب و تاب کے
پلاؤ زردہ متنجن قورمہ فرنی شیرمال مٹھائی چٹنی اچار مربا نہایت کثرت سے تیار رہے

جو کسیکو باستہ ورثی ملے ۔ مسافر تک بھوکا نہ جائے نہ کسیکو کچھہ کام ہو نہ فکر ہو خوشی سے واسطہ ہو عیش کا ذکر ہو ॥

ستائیسواں باب

پیغام دینا وزیر کا خوش ہونا عاشق دلگیر کا

راجہ رتن سین اُس بیابان قیامت نشان میں متفکر بیٹھا تھا انواع و اقسام کے اندیشے اُس کے دل پر گذر رہے تھے مگر پھر پھر کر اُس کا خیال پدماوت کیطرف ہی جاتا تھا وہ اس اندیشے میں گھلا جاتا تھا کہ رانی کے دل پر میری گرفتاری کا حال سُن کر صدمہ پہونچا ہوگا اُس کا غنچۂ دل اس خبر وحشت اثر سے اور منقبض ہوگیا ہوگا کیونکہ اُس کو رانی کے خط کا مضمون بخوبی یاد تھا کہ اُس کے لفظ لفظ سے نہیں بلکہ حرف حرف اور نقطہ نقطہ سے محبت جان نثاری اور وفاداری ٹپکتی تھی بیچاری نادان سرتاج حسینانِ جہان پہلے ہی اُس مرض میں مبتلا ہے وصال یار یا موت جس کی دوا ہے اب اس صدمہ کی کیسے متحمل ہو سکے گی ہمنشین مجھے ٹھیک سمجھاتے تھے کہ محبت کا یہی انجام ہوتا ہے ۔ ایک طرف عاشق ناکام دم توڑتا ہے ۔ دوسری جانب معشوق کا کام تمام ہوتا ہے ۔ اے کارساز تیری رضا راجہ کے جان نثار ہمراہی بھی جدا جدا بحر فکر میں غوطے کھا رہے تھے ۔ بعض تھوڑے دل والے اپنی اس شرمناک موت کو جس کی تصویر سولی کی شکل میں سامنے نظر آ رہی تھی یاد کر کر آنسو بہا رہے تھے ۔ بعض منچلے افسوس کر رہے تھے کہ ہائے راجہ نے جنگ کی اجازت نہ دی ایک دفعہ سنگلدیپ میں خون کی ندیاں بہتے لاشوں سے بازار پٹے دیکھکر یاد تو کرتے کہ کن سورماؤں سے مقابلہ کیا تھا ۔ چھتری کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا بدنصیبی اور بُری موت ہے کہ میدان کارزار کے سوا گرفتار ہو کر مرجانے یا قسمت یا نصیب کیکو اپنی پیاری بیوی اور اُن ننھے ننھے کی یاد جو بھیلی بیاں دلی میں سو رہا ہے [illegible] اوس کنارے پیدا ہو الٹتے ہیں سینے میں ایک ایسی [illegible] اگر [illegible] کوئی خنجر سے چیر کر دل نکال رہا ہے کسیکو

ننھے ننھے بچوں اور اُنکی پیاری پیاری باتوں کا خیال آتا اُس وقت کلیجے میں ایسی
ہوک پیدا ہوتی گویا کسی نے برچھی ماری۔ جلاد اپنے کام یعنے سولیوں کی ترتیب اور
رسی پٹڑی کی تیاری میں مصروف تھے کہ دیر ہو جانے سے قابل الزام نہ ٹھیریں۔
سپاہی لوگ تماشائیوں کے ہجوم کو بڑی سرگرمی سے پرے ہٹا رہے تھے کہ کوئی
شخص حد مقررہ سے اندر نہ آنے پائے تماشائی کھڑے بدنصیبوں کے حال پر آنسو
بہا رہے تھے کہ افسوس ایسی موت کسیکو نہ آئے دفعتاً سامنے سے ایک غبار سا دکھائی
دیا ساتھ ہی گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز کان میں آئی سب کی نگاہیں اُدھر لگ گئیں
گویا اس غبار نے ایک دم کے لئے دلوں سے کل اندیشے مٹا دئے ہر ایک کو نتیجہ کا انتظار
تھا اور چند لمحے بھی نہ گذرے ہوں گے کہ وہ میدان عجیب شان و شوکت کے سامان سے
بھر گیا ایک طرف پیادے پرا جمائے پُشتوں پر ڈھالیں ڈالے ہاتھوں میں نیزے
دشمنوں کا خون پینے کو زبانیں نکالے ایک طرف اسوار قطار در قطار ہاتھوں میں کمان
ترکشوں میں تیر جان ستان کمر میں گجراتی تلواریں آویزاں آفتاب علم نشان پکڑے جن
کے سُرخ زرد پھریروں نے وہ میدان کشت ارغوان و مزرعۂ زعفران بنا دیا۔ خاموش
کھڑے ہو گئے۔ پیلانِ کوہ تمثال چرخ رفتار کمخواب کے جھول زرین عماریاں پُشت پر
گردنوں پر جوانانِ نوخیز گلرو دل آویز اسوار ہاتھیوں کے دانتوں پر تین تین سُنہری
چوڑیاں چڑھیں کانوں میں نقرئی بالے کوتلیں بیشمار۔ زربفت کے چارجامے ڈالے ساز
ویراق سے سجی سجائیں برق دم پری چہم گاڑی رتھ بہلی جہاں تک نگاہ جاتی نظر آتی
تھیں یہ سب کچھ تو وہاں موجود تھا لیکن جلادوں نامرادوں کے کان میں پرمیشر جانے
کس نے کیا پھونک دیا کہ ہوا ہی تو ہو گئے۔ پھر وہاں کسی نے اُنکا غبار بھی نہ پایا وہ کوئے
سے کانے لینے پولیس والے نہ معلوم کس ہونے سے ڈرے کہ اُٹھ ہی تو گئے۔ پھر وہاں
اُن کا نشان ہاتھ نہ آیا۔ جوہیں نظر پھیر کر دیکھا تو کیا دیکھا کہ جہاں وہ سولیاں دل آزار
کھڑی تھیں اب وہاں لولیانِ ماہ رخسار تماشائیوں کے ہجوم میں ایک ادا کے ساتھ
مُجرا کر رہی ہیں جنہیں دیکھکر پرستان کی یاد آتی تھی ہر طرف عیش و نشاط کا کارخانہ راحت
وانبساط کا زمانہ نظر پڑتا تھا وہ مہجور عاشق [illegible]
[illegible]

کی وہ لشکر تباہی یعنے راجہ کے ہمراہی سرگوشیاں کر رہے تھے کہ آخر پرمیشر کارساز ہے
شاید طالع میموں نے زور آزمائی کی وہ چٹیل میدان جن کی خاک میں ہزاروں پری رو
جوان پیوست ہو گئے تھے وہ بیابان ہو کا مکان جو ہمیشہ سے انسانوں کا قتل گاہ رہا تھا۔
کسی صاحب نصیب کے قدوم میمنت لزوم سے خاصہ عشرت کدہ بن گیا تھا کہیں نقارہ
و چوب نے خوشی سے آسمان سر پر اُٹھایا ہوا کہیں تریئی نے پھول پھول کر غل مچایا۔
شہنائی بڑی سُریلی آواز سے تہنیت گاتی تھی جھانجھ ہنس ہنس کر تالیاں بجاتی تھی ناواقف
ان تقریبوں سے حیران ہونے بھی نہ پائے تھے کہ ایک عالیشان مجمع سے جس کا ہر ایک ممبر
اپنی پوشاک کی زرق برق اور شان و شوکت سے کوئی امیر معلوم ہوتا تھا۔ ایک شخص چالیس
سے اوپر برس کا سن اچھا رعب والا چہرہ بڑی بڑی آنکھیں۔ موزوں ناک۔ چوڑا سینہ۔
گول بازو۔ کھڑکی دار زردوزی پگڑی۔ ایک مضبوط عربی رہوار کی زین سے نیچے اُتر
کر متانت کے ساتھ آگے بڑھا باقی سب اپنی جگہ پر کھڑے رہ گئے یہ شخص جو اُس وقت اُس
فوج کا سپہ سالار معلوم ہوا در اصل راجہ گندھرب سین کا وزیر با تدبیر تھا سیدھا راجہ رتن
سین کیطرف بڑھا اور قریب پہونچکر اپنا مُجرا دکھایا پہلے گردن تسلیم جھکائی پھر نذر دکھائی راجہ
رتن سین نے آہستگی سے پُوچھا آپ کون ہیں جو گردن زدنی مُجرموں کو نذر دکھاتے ہیں وزیر
نے دُعا دے کر کہا حضور غلام مہاراج کا وزیر ہے اس وقت نوید روح فزا لے کر حاضر
ہوا ہے۔ چلیئے اُٹھئے سختی کی گھڑیاں کٹ چکی ہیں مہاجرت کے ایام دور ہوئے مہاراج
نے آپ کو فرزندی میں منظور فرمایا ہے۔ دوست باغ باغ ہو گئے۔ دشمنوں کے سینو نمیں
ناسور ہوئے۔ مژدۂ وصل دلدار سُنکر وہ مہجور اس قدر مسرور ہوا کہ خوشی سے ہاتھ پاؤں
پھول گئے۔ بیڑیاں کٹ کر خود بخود الگ جا رہیں۔ فرط طرب سے دل بیقرار ہو گیا۔ رنگ
اُمید سے چہرہ گلنار ہو گیا۔ اپنی حالت کو خواب سمجھا وزیر کی بات کا یقین نہ آیا تڑپ کر
کہا اس بھید کو ذرا کھول کر بیان فرمائیے۔ آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی وزیر
نے وسوندھی بھاٹ کی معجز بیانی ہیرا لال ملک التجار کی کہانی لیاقت کا جوہر دکھانا ہُنر شہسوار
کا آزمانا۔ تصویر خانہ سے شبیہہ کا منگوانا مہاراج کو آپ کے والئ چتوڑ ہونے کا یقین آنا
اس پر پدماوت کے ساتھ شادی کا پیغام شہر میں سواری کے داخل ہونے کی دھوم دھام

کا انتظام تمام گذرا ہوا احوال مفصل کہہ سنایا اور سامان پیش کر کے عرض کی کہ مہاراج اپنے
آپ کو آراستہ کیجئے ملازمانِ درگاہ کو بھی ارشاد ہو کہ ہر ایک بن ٹھن کر دلشاد ہو ؎

حبذا التیام حسن و جمال | مرحبا ابتسام صبح وصال
خرم آندم کہ درہمہ عالم | یکدلے خستۂ دہد از غم
بیدلے از جہاں شود خوشدل | دل بہ ہجراں نہادۂ بسمل

ستائیسواں باب

داخلہ تزک و احتشام کا وفورِ نشاط جمہور انام کا

اب جو راجہ رتن سین وزیر سے مفصل احوال سنکر بات کو پا گیا تو اس کے کل شبہے دل سے دور ہو گئے خوبیٔ قسمت پر قربان ہوا جاتا ہر لحظہ جہان آفرین کا شکر بجا لاتا فوراً ایک لاکھ روپیہ کی مالائے مروارید بغنی سے نکال کر وزیر کے گلے میں ڈال دی اتنے میں وسوندھی بھاٹ اور ہیرالال ملک التجار بھی آ پہونچے اور ہر ایک نے نذر دکھا کر مبارکباد دی راجہ نے بھی انہیں انعام و اکرام سے مالامال کر دیا کہ پھر عمر بھر انکو دولتِ دنیا کی ہوس نہ رہی۔ آناً فاناً یہ مژدہ جانفزا راجہ کے سارے لشکر میں پہونچ گیا۔ برخاست صدائے کوس شادی۔ نشست خروشِ نامرادی۔ وہ بدنہائے آلودۂ خاک وہ بکھرے ہوئے بال وہ چہرہائے غمناک وہ جوگیان خستہ حال جب اُبٹنا مل نہا دھو لباس کھگوں پہنکر تن کئے تو خاصے چاند کے ٹکڑے بن گئے۔ راجہ رتن سین جب قبائے ناز پہن کر سمند باد رفتار پر سوار ہوا تو اس کی اسواری کی شان و شوکت و پوشاک کی بھڑک روئے رخشاں کی آب و تاب ہمراہیونکی دھوم دھام تماشائیوں کا جوش لوگونکی بھیڑ بھاڑ عورتوں کی چھل بل بچونکی اچھل کود کا کیا کہنا ؎

ایک شاعر کا شعروں میں سواری بادِ بہاری کا فوٹو اتارنا قابل تحسین ہے مسافرِ دنیا نے بجنسہ نقل کر لیا ہدیۂ ناظرین ہے ؎

غرض جبلد راجہ کو نہلا دھلا | دیا خلعت خسروانہ پہنا

جواہر سے سر پر چھایا اُسے — جواہر کا دریا بنایا اُسے
لڑی لٹکن اور کلغی اور نورتن — ہر ایک سے ایک زیب بدن
مرقع وہ سرپیچ جوں موجِ آب — منور بشکلِ رُخِ آفتاب
غرض اسطرح ہو گئے آراستہ — خراماں ہوا سروِ نوخاستہ
زبس تھا سواری کا باہر ہجوم — ہوا جب کہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار — ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار
سُنہری روپہلی وہ عماریاں — شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں — سواروں کے غٹ اور بانوں کی شاں
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی — جھلابور کی جگمگی نالکی
کہاروں کی زربفت کی کُرتیاں — اور انکے دبے پاؤں کی پُھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کی سر اوپر — چکاچوند میں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے — جھلک جنکی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ تختِ رواں — وہ نوبت کہ دولہا کا جیسے سماں
وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما — سُہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی — قدم با قدم با لباسِ زری
سوار و پیادہ صغیر و کبیر — جلو میں تمامی امیر و وزیر
وہ نندیں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں — رتن سین راجہ کو گُندانیاں
ہوئے حُکم سے رتھ کے پھر سوار — چلے سب قرینے سے باندھی قطار
سجے اور سجائے سبھی خاص و عام — لباسِ زری میں ملبس تمام
طرح کے طرح اور بہت کے پرے — کچھ اِدھر کچھ اُدھر سے کچھ پرے
وہ فیلوں کی اور میگڈمبر کی شاں — جھلکتے وہ منقیش کے سائباں
سواری کے آگے گئے اہتمام — لئے سونے روپے کے عاصے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار — یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پُکار
اُسی اپنے معمول و دستور سے — ادب سے تفاوت سے اور دور سے

کہا نوجوانو بڑھے جائیو — دو جانب سے باگیں لئے آئیو
بڑھے جائیں آگے سے چلتے قدم — بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اسطرح سے سواری چلی — کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم — کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم
لگے قلعے سے شہر کی حد تلک — دو کانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
منڈھے تھے تمامی سر دیوار و در — تمامی تھا وہ شہر سونے کا گھر
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند — ہوا چوک کا لطف واں چار چند
رعیت کی کثرت ہجومِ سپاہ — گذرتی تھی رک رک کے ہر جایگاہ
لگا ننھے سے تا ضعیف و نحیف — تماشے کو نکلے وضیع و شریف
وحوشوں طیوروں تلک بے خلل — پڑے آشیانوں سے اپنے نکل
نہ پہنچا جو اک مرغِ قبلہ نماء — سو وہ آشیانے میں تڑپا کیا
نظر جسکو آیا وہ ماہِ تمام — کیا اُس نے جھک جھک کے اُسکو سلام

اٹھائیسواں باب
شادی کی تاریخ

موتی باغ کی تزئین قابلِ دید ہے سطح زمین ہند چمنستان داد محراب مہر و ماہ کی طرح درخشاں سقف و دیوار نور افشاں ہر روش غیرتِ کہکشاں گل و ریاحین کی بہار شاہدانِ چمن کا نکھار بات بیان سے بعید ہے - ہر شاخ کی بہار آفرین سبزہ خضارت آگین موجِ نسیم عنبر بار ہر پھول رشکِ طبلۂ عطار سنبل ردکش جعدِ خوبانِ فرخار گل غیرتِ دو رخسار معشوقانِ سیمین غدار صحن باغ میں راحت و فرحت کے چشم و چراغ ہیں ایک وسیع شامیانے کے نیچے نصف دائرے کی صورت میں زر و زری مسندوں پر جوانانِ حسین پیر تمکین زرق و برق کی پوشاکیں پہنے بڑی آن و بان کے ساتھ متمکن ہیں مہ لقا معشوقانِ حور فریب آتشِ زن کالائے صبر و شکیب سرود و رقص میں مشغول

اپنے حسنِ نمکین اور تبسّم شیریں سے زاہد کے دل میں بھی گُدگُدی پیدا کرتے تھے۔ موسم بہار کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اس پر جھومتی ہوئی مستانہ گھٹا ارباب صحبت ایک نشہ جوانی میں دوسرے شراب ارغوانی میں بھرپور نہ کچھ غم نہ اندیشہ طبیعت پہ ایک عجیب قسم کا سرور تھا اس مجلس کے بیچوں بیچ میں ایک شخص تختِ مرصع پر بآئینِ شاہانہ جلوہ افروز تھا جس کی صورت دلپذیر کے سامنے سب کا حُسن ماند تھا گویا وہ ستاروں میں ایک چاند تھا گو بظاہر عیش و نشاط میں حاضرین کا شریک صحبت ہے۔ لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل کا کنول کھلا نہیں کچھ گہری سوچ بچار میں ہے اُمید و بیم نے چہرے پر ایک رنگ آمیزی پیدا کی تھی کسی محبوب مطلوب کے شریک صحبت نہ ہونے کیوجہ سے اُکتایا تھا ڈیر ریڈرز یہ خود راجہ رتن سین ہی تھا جو آج تک شادی کی تاریخ مقرر نہ ہونے کی وجہ سے بیچین تھا۔ گو اُسے معلوم تھا کہ روز وصال قریب تھا لیکن عشق کی تاثیر اب بھی قرار نہ تھا شادی کے سامان چاروں طرف مُہیّا نظر آتے تھے لیکن بے صبری کا زور کہ ہر ایک چیز سے بیزار تھا اُس کا دل دلبر کیجانب ہی کھچا جا رہا تھا اُس کی روشن سیاہ آنکھیں کُھلی تھیں مگر وہ اُن زہرہ خصال ناچنے والیوں اور اپنے دلاور ہمراہیوں میں سے کسیکو بھی نہ دیکھتا تھا وہ سب کی باتیں سُنتا مگر سمجھتا کچھ نہیں تھا ؎

تھا اپنی ہی سوچ میں وہ سنسان ❊ دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان

غرضیکہ جس روز سے راجہ رتن سین کو موتی باغ میں لا کر اُتارا تھا مہمانوں کا کام شراب میں ڈُبڑھانا۔ لذیذ کھانے کھانا۔ ناچ رنگ دیکھنا۔ عیش منانا ہو رہا تھا۔ مہمان نوازی کا یہ عالم کہ میزبانوں نے خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ کھانے کا وقت ہے تو طرح طرح کی مٹھائیاں لڈو جلیبی۔ خرمہ۔ پراکڑی۔ پیڑا۔ برفی۔ امرتی۔ لوزیات۔ کھاجہ ہر قسم کے پلاؤ۔ زردہ۔ قورمہ۔ قیمی پلاؤ۔ اناناس پلاؤ۔ مربع پلاؤ۔ بادھنو پلاؤ موتی پلاؤ۔ مرغ پلاؤ۔ کباب پلاؤ۔ بُرہل ہندو۔ کولا پلاؤ۔ زیرہ۔ بریانی۔ متنجن۔ موم تخت مزعفر۔ قبولی۔ کھچڑی۔ بریانی۔ خشکا۔ اور نان۔ شیرمال۔ کُلچہ۔ خستہ کچوری ہر قسم کے کباب جیسے دارائی کباب و خطائی کباب۔ نرگسی کباب۔ مچھلی کباب۔ نخود کباب

پنیر کباب اور شبدیگ - آش - نمش - شیر برنج - شیر فالودہ - تخم شربت کا فالودہ -
تیبچتا - خاگینہ - بورانی - رائیتا - بڑی - چٹنی - اچار - مربا پھر نقل از قسم پکوان -
موٹھ - سوگرا - کھویہ - ملائی - ایک ایک کے سامنے دس دس کا کھانا میوہ کھانے کا
وقت آیا تو دنیا جہان کے پھل موجود - خدا جانے کسطرح بہم پہنچائے - شراب کا دور
چلنے لگا تو برانڈی - رم - پورٹ - شیری - بیئر - کلیرٹ - اپاپانا - شمپئین - وہسکی -
شیشوں میں نہیں کنٹروں میں بھری حاضر گلعذار ساقی پلانے کے لئے موجود غنچۂ دہن
گلبدن - غلام خدمت کے واسطے مستعد غرضیکہ مہمان جس بات کا خیال کرتے تھے
فوراً مہیا پاتے تھے - راجہ کو طبیعت پہ اختیار نہ ہونے کے سبب سے کسی بات میں لطف
نہ آتا تھا - البتہ کبھی کبھی حسب الطلب راجہ گندھرب سین دربار میں جاتا اور بعض بعض مقدمات
اور امور سلطنت میں اس سے صلاح طلب کیجاتی تو راجہ کے ذہن کی صفائی - حاضر جوابی
اور طبیعت کی رسائی دیکھکر عقل چکرا جاتی - ایک روز راجہ رتن سین والئی سنگلدیپ کے پاس
تخت جواہر نگار پر بیٹھا تھا - دائیں طرف فاضل پنڈت پوتھیاں لئے جلوہ افروز بائیں طرف
بہادر راجپوت تلواریں ہاتھوں میں شرف اندوز تھے - اسیدن راجہ نے جوتشیوں
سے مشورہ لیکر شادی کا دن اور وقت مقرر کر دیا اس کی خوشی تو پہلے ہی گھر گھر تھی -
اب تو وہ دھوم مچی کہ احاطۂ بیان سے باہر ہے - آج ہی گھڑی کے عاشق و معشوق کی
خوشی کا اندازہ کوئی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے - یہ بات اس گھر کے واقفوں پر ہی بخوبی
ظاہر ہے موتی باغ میں راجہ رتن سین کو اور محل میں پدماوت کو مائیوں بٹھایا گیا - چلنا
پھرنا بند ہوا - نظر بد سے بچانے کا انتظام دلپسند ہوا - آگے رسومات کا آغاز ہے عاشق
و معشوق کے ملنے کا ساز باز ہے ؎

راتوں کو جو گنتے تھے ستارے	دن گننے لگے خوشی کے مارے
واں مہندی نے چومے پائے خورشید	یاں سبز ہوا نہالِ اُمید
وہ واں پہ گلاب سے نہائی	یاں تازگی آبرو نے پائی
واں غازے سے رخ شفق ہیں خورشید	یاں جسم مجھا منہ پہ رنگ مُند
افشاں ہوئے واں ستارہ افشاں	یاں جیغہ سے روشنی دو چنداں

واں مانگ سے رنگ کہکشاں ماند — یاں شملۂ سہرے ہاے میں چاند
واں زلف نے کھائی پیچ پر پیچ — طرفہ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ
آنچل ہوئے واں نقابِ عارض — سہرا ہوا یاں حجابِ عارض
زیبا ہوا واں بدیعہ گہنا — یاں جامۂ وفا کا اس نے پہنا
محرم کے کسے گئے اُدھر بند — ہمت کا اِدھر بندھا کمر بند
واں گل سے بہارِ بوستاں تھی — آرایشِ تختِ گل یہاں تھی
الماس کے وہاں تھے جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروز تختِ طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا واں فرش — یاں چرخی سے چرخ میں سرِ عرش
واں جلوہ حنائی اُنگلیوں کے — یاں روشنی کے تھے پٹاخے
بادل سے وہ واں گرج رہے تھے — یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے

اُنتیسواں باب

شادی خانہ آبادی

۲۰-اپریل ۱۹۱۲ء مطابق ۹ بیساکھ سمت ۱۹۶۹ بکرمی کا دن سنگلدیپ میں عجیب دھوم دھام اور راحت و انبساط کا روز تھا جب تک جہان پر مہر درخشاں چمکے گا یہ بھی صفحاتِ تاریخ پر بطور یادگار لکھا ہوا قایم رہے گا۔ اس مبارک روز سنگلدیپ میں گھر گھر شادیانے بجتے سرود و رقص کی محفلیں گرم تھیں شہر کی آراستگی کا وہ عالم کہ ہر خانہ رشکِ نگار خانۂ چین باغوں میں وہ زور کی جشن کی تیاریاں کہ ڈال ڈال اور پتے پتے کی شگوفہ کاری قابلِ تحسین جا بجا زرین و کمخواب کے شامیانے تنے اطلس کے فرش بچھے حسین حسین جوان بڑی آن و بان سے اُن پر بیٹھے ہوئے سامنے پری زاد طوائفیں زربفت کی پوشاکیں پہنے اپنے گانے اور ادا ہائے دلفریب سے دلوں پر وہ کام کرتی تھیں جو مقناطیس لوہے پر کیا کرتا ہے ایسے نوروز کی رات بھی ہزار شبرات کا مجموعہ تھی لعل و الماس کے چراغوں سے سارا شہر ایک بقعۂ نور نظر آتا تھا میدان آتش بازی کی گلکاری سے رشکِ صحنِ گلزار

بھر رہے تھے - اس وقت موتی باغ میں سماں اور بھی قابل دید تھا - جا بجا فوارے جاری جھرنے ٹپکتے چادریں گرتی تماشے ہوتے مبارکبادیں گائی جاتی تھیں جن میں سے ایک یہ ہے ؎

آج ہے عالم میں وہ رازِ سعادت انتما
دے اگر زاغ و زغن بیضہ تو ہو پیدا ہما

کیا کہوں شادی مبارک کا ترے عالم ہے آج
جوشِ عشرت سے یہ عالم بن گیا عشرت سرا

چھیڑتی تارِ شمع کو گر ناخنِ موجِ نسیم
بزم میں پیدا ہو تارِ سازِ مطرب کی صدا

لب پہ ساغر کے ہے جوں موجِ تبسم موجِ مے
شورِ قلقل لب پہ ہے مینائے مے کی قہقہا

بزم میں تصویراتِ فانوسِ خیالی کی طرح
حلقۂ رقاصگاں ہے زیرِ گردوں جابجا

کر رہا صحنِ چمن میں ہے گیا طاؤس رقص
آشیانے میں ہے رقصاں طائرِ قبلہ نما

خانہائے چشم میں بھی پتلیوں کا رقص ہے
ہے جو منظورِ نظر اسکو تماشا رقص کا

چھوٹی آتشبازی ایسی جسکی گلکاری کو دیکھ
رات کو کہتے تھے آپس میں ثریا و سہا

صنعِ آتشباز پر حیرت زدہ ہوتی ہے عقل
سنگِ پارس سے کہیں بارود کو پیسا تھا کیا

ہوگئی تاثیر جس کی یہ کہ ہر تکلے سے
ریزۂ فولاد نکلے بن کے گلہائے طلا

گنج چھٹتے تھے ستاروں کے عجب انداز سے
ماہ پاروں کا ہے گویا خندۂ دنداں نما

منہ ہے کیا جو رنگ سے مہتاب کے ہمتا ہو
خاز نسے ہر چند جسکو رنگِ روئے مہ لقا

فی الحقیقت یہ وہ شادی ہے کہ اسکے روبرو
جشنِ جمشیدی کا کچھ مطلق نہیں رتبہ رہا

ایک پہر رات گذرے کھانے کے بعد راجہ رتن سین کو سرخ جوڑا پہنا سہرا مرصع تاج دھرا اور ایک اصیل گھوڑے پر اسوار کرایا ایکہزار کنور گبرو جوان جو ابھی کنوارے تھے تصویر کیطرح آراستہ ہو نوشہ بن دولہا کے ہمراہ ہوئے اور برات موتی باغ سے راجہ گندھرب سین کے محل کیطرف بڑھی چاروں طرف مشعلیں روشن سب قسم کے باجے بج رہے تھے اس وقت پدماوت سہیلیوں سمیت کوٹھے پر چڑھی اور برات قریب آئی تو پوچھنے لگی بھلا ان میں جوگی کون ہے خواصوں نے بتلایا وہ جس کا چہرا چاند سا چمکتا ہے جس کے سہرے پر آفتاب صبح سا سرخ چھتر جھول رہا ہے جس کے حسن کی روشنی سب پر غالب ہے جس کے رخسار و ں کی چمک دمک کے سامنے نگاہ نہیں ٹھیرتی وہ جس کی مرگ کی ایسی آنکھیں مخمور سی نظر آتی ہیں

زہ جس کی پیاری پیاری ادائیں دل وجان سے بھاتی ہیں وہ جو گھوڑے پر مہند
جی کیطرح سوار ہے وہ جو براتیوں کے درمیان میں بصد عز و وقار ہے وہ جس کے انگ
لگنے سے زیور کو آرایش ہے وہ جس کی خوبروئی سے حسن کو زیبایش ہے اتنے میں
پدماوت کی نگاہ راجہ پر پڑ گئی۔ الفت کی برچھی سینے میں گڑ گئی پہلے اُسے جوگی کی
حالت میں خاک آلودہ صعوبات سفر سے فرسودہ زار و نزار دیکھا تھا اس وقت اُس کی
صورت میں اُس وقت کی نسبت زمین و آسمان کا فرق پایا بدن کا عضو عضو خوش ہو گیا
شوق نے اُسے اُبھارا اور خواہش نے ایسا جوش مارا کہ محرم کے بند ٹوٹ گئے عین ساعت
ہی ہوش و حواس کے چھکے چھوٹ گئے نڈھال سی ہو کر ایک سہیلی کی گود میں گر پڑی
اُس نے اُسے سنبھال کر شربت پلایا اور کہا دیئے تیرا کیا جی ہے میں نے تو تجھے شوہر
دکھایا تو نے اپنا یہ حال کیوں بنایا پدماوت نے مضمون اُلٹ دیا اور کہا سکھی تو تو کہتی
ہے بابل نے بیاہ رچایا ہے شوہر بن سنور کے آیا ہے میں سمجھتی ہوں یہ مفارقت
دائمی کا پیش خیمہ ہے جتنے براتی آرہے ہیں سب میرے لیجانے والے ہیں اب اپنا
رہنا یہاں نظر نہیں آتا ہے پھر دل نڈھال نہ ہو تو اور کیا ہو یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں
کہ برات صحن خانہ میں جس کی وسعت میدان خیال سے بھی بڑھ کر تھی آ بیٹھی اور
راجہ رتن سین کو جس جگہ صندل کے چار کھمبے گاڑ کر منڈھا بنایا موتیوں کے بندھنوار لگا کر
اوپر سرخ چندوا چھایا ہوا تھا وہاں سنگھاسن پر بٹھا دیا۔ راجہ کے سامنے چاندی کی ٹیری
پر جواہرات سے چوک بھرا سونے کے گھڑے میں پانی بھر کے پاس لا دھرا اب اُس
حور جنت یعنے پدماوت کو پاس لا بٹھایا اور دولہا دلہن کی گانٹھ جوڑی گئی۔ تمام صحن میں چاندنی
کا فرش اس پر لعل و زمرد کے چراغوں کی جگمگاہٹ سے روز درخشندہ کی کیفیت نظر آتی تھی
جب پدماوت نے جی مالا راجہ رتن سین کے گلے میں ڈالا راجہ نے لے کے پدماوت کو پہنایا
اور دونو کی بھونری ہوئی تو سہیلیاں موتی قربان کرنے لگیں۔ پدمنیوں نے منگل چار گایا
اس وقت عورات کے سہاونے گیت پنڈتوں کی بید خوانی دیوتاؤں کی گلفشانی نسیم مرو عنبر کی
روانی عجیب راحت خیز گرد روح انگیز موقعہ تھا۔ اسی رات راجہ رتن سین کے ہمراہی ایکہزار
کنوروں کی شادیاں بھی سنگلدیپ کی پدمنیوں اُمراء و وزراء کی بیٹیوں [illegible] پدماوت کی سہیلیوں

کے ساتھ عمل میں آئیں اور کہتے ہیں کہ کل شادیوں کا اہتمام وخرچ راجہ گندھرب سین نے اپنے ہی ذمہ لیا تھا۔ خیرات کے بعد راج کی سب رسمیں ہو چکیں تو جہیز کا وقت آیا جواہر نگار زیورات اطلس وکمخواب کے زرین پارچات اسپانِ تازی پیلانِ کوہ شکوہ لونڈی غلام وغیرہ جن پر راجہ گندھرب سین نے مُہر کردی اس قدر تھے کہ اگر اُنکی مفصل فہرست لکھی جاوے تو گمان غالب ہے کہ یہ داستان کبھی ختم ہونے نہ پاوے صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ صرف زیورات وپارچات کی فہرست قیمت جو افسر توشخانہ نے سرکار کے پیش کی تھی اس کے نیچے کُل میزان ڈیڑھ کروڑ روپیہ لکھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں موتی باغ اور پدماوت کے رہنے کا محل بھی راجہ نے منجملہ اسباب جہیز لکھ دیا تھا۔ یہ سب کچھ راجہ رتن سین کے سپرد کرکے راجہ گندھرب سین نے کہا بیٹا اس جہیز کی کچھ حقیقت نہیں تم سنگلدیپ کے مالک ہو سب تیرے خادم ہیں امن وچین سے یہاں راج کرو راجہ رتن سین نے ہاتھ جوڑ کر کہا مہاراج پرمیشر آپ کو ابدالآباد تک سلامت باکرامت رکھے اپنے میرے بدن سے خاک چھٹائی حق تو یہ ہے دوبارہ زندگانی بخشی مجھ میں یہ کب طاقت ہے کہ آپ کی تعریف کا ایک شمّہ بھی بیان کرسکوں رسم رسوم ہوچکنے کے بعد وداع کی ٹھیری وقت رخصت پدماوت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور بلکتے بلکتے نڈھال سی ہوگئی سہیلیوں نے تسلّی دینی شروع کی اور کہا بی بی پژمردہ کیوں ہوتی ہو کیا کہیں دور جانا ہے اپنے ہی محل میں تو جا رہنا ہے۔ پدماوت نے کہا سکھیو یہ خیال مت کرو اب تو بیاہ ہے پھر گونا ہوگا اور آخر وہاں جانا پڑے گا جہاں سے پھر آنا نہ ہوگا یہ سُنکر سہیلیاں بھی رونے لگیں راجہ گندھرب سین کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ رانی چنپاوت کلیجہ پکڑے رہ گئی اور کل حاضرین پر رقت طاری ہوئی روتے دھوتے راجہ رتن سین اور پدماوت کو سکھپال میں سوار کیا ہمراہی کنور تو خوش خوش اپنی اپنی دُلہنوں کے ساتھ موتی باغ کو روانہ ہوئے اور راجہ پدماوت کے ساتھ اُس محل کی طرف چلا جو اُسے جہیز میں ملچکا تھا اس وقت کا سماں کسی سحر وجادو نگار نے اس ایک فقرہ میں باندھ کر کیا خوب دکھایا ہے:۔

(۱۰) اہتمام تجمّل سواری کا ساماں ہر شخص خرم وخنداں برات کا بڑھنا لوگوں کا دُلہا دُلہن پر دعائیں پڑھنا نسیم سحر کا چلنا شمع کا جھلملا جھلملا کے جلنا شہنائیوں پر بھیروں بھیاس للت

رام کلی کو پہونچنا نقیب اور چوبداروں کا کویل کیطرح کوکنا نوبت کی ٹکور جھانجھ کا جھانجھ
سے شور جھنجھٹ بیتا وقت نور کا تڑکا کٹکٹیوں کا کڑکا جھجھہ تاروں کی چمک نقاروں کی
صدا دھونسوں کی گمک چاند کی منہہ پر سفیدی دلہن والونکی یاس نا اُمیدی عطر کی ہر لپک
پھولونکی مہک سب کو نیند کا خمار۔ کوئی پیادہ کوئی اسوار پھولوں سے رشکِ چمن صحن
کہیں جھول کہیں شگن کسی جگہ پیڑوں کے پتے کھلے پڑے کہیں لوگ حیران و ششدر
کھڑے محفل کے فراق میں اہلِ محفل کے اشتیاق میں شمع کی زاری اشکباری پروانوں
کی بیقراری و خاکساری دولہا والونکی خوش بشاش تیاری۔ دُلہن کی گریہ زاری کوئی
کہیں نیند کی جھونک میں پڑا کوئی یہ سامان بچشم دیکھتا سقف میں کھڑا شمع فانوس میں
گل گلگیر میں زیر انداز پروانوں کے پر فراش فرش اُٹھانے کی تدبیر میں ہر ایک کی آواز
کہیں شور کہیں ساز۔ بیشک یہ وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ار. جلتا بھی دیکھکر
روتا ہے ؞

تیسواں باب

شبِ زفاف

محل میں پہنچکر راجہ رانی دن بھر تو الگ تھلگ رہے مگر شام کے وقت سہیلیاں
راجہ رتن سین کو اُس کمرہ میں لے گئیں جہاں نورتن سے پلنگ سنوارا تھا اور کہا آج ہم
راجہ جی کا سنگار درست کریں گے سامانِ نشاط چست کریں گے کمرہ کی دیواریں ایسی
صاف شفاف تھیں کہ آئینہ کیطرح اُنمیں منہہ نظر آتا تھا گویا اُنھیں لعل و الماس کی اینٹوں
سے بنایا ہے کافور کا گارہ لگایا ہے مگر جہاں چونے کی ضرورت پڑی ہے وہاں موتی جلا جلا
کر چونہ بہم پہونچایا ہے کمرے کے ہر طرف لونڈیاں قرینہ سے کھڑی تھیں کسی کے ہاتھ میں صندل
کی کٹوری کسی کے پاس زعفران کسی کی بغل میں شربت کی بوتل کسی کے ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ
بصد آن وہاں سامانِ عیش ہر طرف موجود تھا لیکن راجہ پدماوت کو وہاں پر نہ پاکر کچھ اداس
سا ہو گیا ؞ ۵

جلوۂ حسن حسینان کا تھا بازار گرم | شرمگین چشم تھی کوئی تو کوئی نیچی پلک
لب نازک پہ جمائی تھی کسی نے مستی | اور آنکھوں میں لگایا تھا کسی نے کاجل
شوخیاں کرتی تھیں ہر لحظہ و ہر آن نئی | پر شگفتہ نہ کسیطرح ہوا راجہ کا دل

ہر چند کسی نے رجہ کی چٹکی لی - کسی نے بغل میں گدگدی کی کسی نے تیغ ابرو کو چمکایا کسی نے انگوٹھا دکھایا مگر رجہ کو بغیر آرام جان اُنکی کسی ادا میں مزا نہ آیا جمائیاں لیتے لیتے جی جو اُکتایا تو اُٹھکر پلنگ جو وسط کمرہ میں چبوترہ پر بچھا تھا پر جا لیٹا - پلنگ کی پتلیاں راجہ کے آنے پر پہلے جھک کر آداب بجا لائیں پھر ناچنے گانے لگیں خواصیں پاؤں دبانے لگیں - لیکن اس سے بھی اُسکا دل خوش نہ ہوا - پلنگ پر دونوں جانب تکیئے دھرے تھے - جنمیں ریشم روئی کیطرح دھنک کر بھرا تھا - زمین پر نرم نرم خوش رنگ قالین بچھے تھے - وہاں کنیزوں کے پلنگ بچھے تھے - راجہ کے پلنگ پر سرخ چندوا چھایا ہوا تھا - اوس پر کی دلکش تصویریں پیر ہفتاد سالہ کے دل میں بھی جوش شہوت لاتی تھیں - لیکن راجہ کو کچھ خوشی نہ دے سکیں - کمرہ کی ایک طرف تخت بچھا تھا - مضطرب راجہ اٹھ کر اوس پر جا بیٹھا - اب شام ہونی آئی کافور شمعیں روشن کی گئیں - لیکن راجہ کی آنکھوں میں اُس مہ جمال کے بغیر اندھیرا ہی رہا - دھیان دروازے کیطرف لگ رہا تھا ذری کھٹکا پاتا تو جھٹ اُٹھ کر بیٹھ جاتا اتنے میں کچھ سکھیاں آئیں اور مزاج پرسی کرنے لگیں اُنکی راز جوئی کی باتوں نے آتش شوق کو اور بھی بھڑکایا اُن سے کہا جس شخص کی پیاس سے جان جا رہی ہو وہ چشمہ پر پہونچکر پانی پینے نہ پائے تو اُس کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے سمجھ لو اُس سرمایۂ راحت کے بغیر میرے دل کو اُس شخص کی نسبت بھی زیادہ جلن ہو رہی ہے جلد اُسے آب وصال سے ٹھنڈا کرکے مجھے سب دھوں غلام بنا لو کلیجہ میں جو کانٹا چبھا ہے اُسے نکالو سکھیوں نے ہنس کر کہا بھلا ہم کیا جانیں جسکی آپ کو تلاش ہے وہ کہاں ملیں گے - ہاں اگر مل گئے تو تمہارا حال عرض کریں گے مگر تم کچھ منت مانو کہ اُسے سنکر رحم آ جاوے - راجہ نے کہا مہادیو کے مندر پر سونے کا کلس چڑھاؤنگا اور تمکو ساتھ لے کر چڑھانے جاؤنگا - پھر سکھیوں نے کہا جوگی کے منتر میں پوری تاثیر ہوگی تو پری شیشہ میں اُتر آئیگی لیکن اتنی بے صبری کا کیا [illegible]

وہ رانی ہے اپنی آراستگی میں مشغول ہوگی آپ نہیں جانتے پدماوت بارہ ابھرن اور
سولہ سنگار کرتی ہے یعنے اُبٹنا ملکر اشنان کرنا - صندلی جوڑا پہننا پھر مشاطہ کا سر
گوندھ کے موتیوں سے مانگ بھرنا ماتھے پر قشقہ آنکھوں میں سُرمہ لگانا - سُرخ منہ میں
پان چبانا - کانوں میں حلقے - ناک میں کیل - گلے میں چندن ہار - نازک کلائیوں میں کنگن
کمر میں کردھنی پاؤں میں پازیب اور چھڑے - یہ تمام زیور زیب بدن فرماکر سولہ سنگار چار
بڑے چار چھوٹے - چار بھاری چار ہلکے لائق مقام پر پہن کر آراستہ ہوتی ہے - نصف
شب تک اس بناؤ سنگار سے فراغت ہونی ممکن ہے - اُس وقت تک آپ کو رانی جی
کے آنے کا منتظر رہنا چاہیئے زیادہ بے صبری و بے تابی فضول ہے - ناحق کے تلملانے
سے کیا حصول ہے مگر ہم تو یہ حیران ہیں کہ پدماوت رانی ہے اُسے جوگی سے کیا کام جب سے
اب تک سُوکھے ٹکڑوں کی بُو آرہی ہے - راجہ نے کہا پدماوت کا بیروگی ہوں سوائے اُس
کے اور کسی بات کی خواہش نہیں رکھتا جیسے کو تو بال بال میں وہی سما رہی ہے تمہیں
ٹکڑوں کی بو کہاں سے آنے لگی - سکھیوں نے کہا جوگی اور بھونرا بڑے بے درد ہوتے ہیں
جہاں ایک پھول کا رس لے لیا دوسرے کی تلاش میں گھومنے لگے - راجہ نے کہا بھونرا
کمل مالتی کی تلاش میں ہی بے قرار رہتا ہے - کمل چنپا کی ہرگز پروا نہیں کرتا میں نے بھی
پدماوت کی جستجو میں ہی سلطنت سے ہاتھ اُٹھایا ہے - عاشقوں نے دیوانہ - مجنون -
وحشی - خراب - خستہ - کیا کیا خطاب نہیں پایا ہے - اب طالع ہمایون ہزار محنتوں
کے بعد یہ وقت لایا ہے تو شامتِ اعمال کیطرح تم میرے پیچھے آپڑیں اس وقت مدد کرو
گی تو مدت العمر ممنون رہونگا - سکھیوں نے کہا ممنون و ممنون تو ہم جانتی نہیں - ہاں اتنا
بتائے دیتی ہیں کہ پھر بجنے میں اب کچی گھڑی بھی باقی نہیں رہی - راجہ رتن سین لا
یانہ نیاز کی باتیں جن کا زیادہ حصہ پدماوت کے حسن و جمال بناؤ سنگار کی تعریف و توصیف
پر مشتمل تھا - اُن رشکِ لعبتانِ چین کے لب نمکین سے سُنکر اپنے آپ میں نہ رہا -
محبوب مطلوب کی آمد آمد کا مژدہ پاتے ہی از خود رفتہ ہوگیا - بدن تھرانے لگا - بقول شاعر
آتے ہی تیرے چھٹتا ہے رعشہ سا بدن پر - ہر چند کہ ہم بیٹھتے ہیں خوب سنبھلکر - یکایک
انجم پدماوت نے طلوع کیا [illegible] وحش نے اپنی نور

صورت دکھائی - رازداروں نے کہا پدماوت آئی سب سکھیاں کھڑی ہو کر آداب بجا لائیں اور ہاتھ باندھ کر اپنی اپنی جگہ پر نقشِ دیوار ہوگئیں وہ سرجلوۂ حور اُس مضطرو بیقرار صبر و تحمل سے بیزار یعنی راجہ کو سرِ تخت جلوہ افروز دیکھکر شرمائی - گوشۂ چشم سے راجہ کی طرف دیکھکر ایک سکھی کے پیچھے ہوگئی - سچ ہے کرشمہ و غمزہ کا جنگ ہوتا ہے تو صبر و تحمل کا قافیہ اور بھی تنگ ہوتا ہے - راجہ اس ادا پر قربان ہی تو ہوگیا ہے - شرم و حیا کے کُل آداب بھول گئے خوشی سے ہاتھ پاؤں بھول گئے - بے اختیار اُٹھ کر رانی کو چھاتی سے لگالیا سکھیوں نے یکے بعد دیگرے وہاں سے کنارہ کیا ٭

اکتیسواں باب
منظوم
وفائے عہد

الا اے خامۂ نازک خیالی
ذرا ہوشیار ہو اے طبعِ مسرور
ملے ہیں عاشق و معشوق باہم
زمانہ کا چمن آراستہ ہے
ہوائے معتدل ہر سو رواں ہے
گُلوں پر بُلبلوں کا چہچہانا
بجوشِ عیش غنچوں کا چٹکنا
تڑپنا دیکھکر کبکِ دری کا
نہیں یہ بے سبب باتیں میری جاں
خوشی کی دہر نے بیشک صدا دی
اُٹھے جب بسترِ راحت سے شاداں

رواں ہو صورتِ بادِ شمالی
خوشی کا کچھ بیاں کرنا ہے منظور
زمانے سے دو خوش بیٹھے ہیں ہمدم
بہارِ آتشیں نو خاستہ ہے
ہوا معمور راحت سے جہاں ہے
ہزاروں پر ہزاروں کا ترانا
نسیمِ صبح کا ہر سو مہکنا
قمر پہنے ہوئے خلعت زری کا
کیکی تہنیت کہتے ہیں یہ سلاں
سنو آتی ہے یہ کہنا تہ شادی
پئے صبح دونو بزنگِ مہرِ تاباں

چلا اشنان کو وہ شاہِ خوشخو
گیا برجِ حمل میں ماہئ نو

ادھر سکھیوں نے رانی کو نہلایا
نئے سر سے پری پیکر بنایا

پہن پوشاک وہ مسند پہ بیٹھی
نزاکت سے بھری گویا کلی تھی

مبارکباد کا اُسجا مچا شور
نشاط و عیش کا عالم میں تھا زور

کوئی دیکر مبارکباد کہتی
میری پیاری رہے اب خوشحال رہتی

کوئی کہتی تیرا رنگِ منور
پڑا ہے زرد کیوں مُجھ مُجھ مقرر

دھڑک سینے کے آگے ہے سوا ہے
میری جاں رات میں کیا کچھ ہوا ہے

غرض ہنس ہنس کے کرتیں چھیڑ خانی
حیا سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی رانی

بصد تمکین آخر کار بولی
زباں گل نے طرح بلبل کی کھولی

نچھیڑو اے سکھی نادان ہوں میں
کہ ان باتوں سے بس انجان ہوں میں

بہت شوہر سے تھی لرزاں و ترساں
وصل کے نام سے کوسوں گریزاں

ولے اب مدعا پایا کہ شوہر
پیارا ہے جہاں میں سب سے بڑھکر

وہی دل پر تصرف پا رہا ہے
نظر ہر سو وہی وہ آ رہا ہے

وہی لیتا وہی دیتا ہے لذت
وہی لذت ہے خود اصلی حجت

سنو اب اے سکھی اک کام کی بات
کہ وہ پوری ہو پہلی پیچھے ہو رات

مہادیو کی تھی منت میں نے مانی
کہ جب شوہر ملے ہو شادمانی

چڑھاؤں کلس سونے کا بھون پر
کروں دلشاد میں یہ نذر دیکر

مقرر آج ہے جانا وہاں پر
اجازت پوچھ لیں راجہ سے چلکر

یہ سن سب نے مچایا خوشی سے غل
چلیں راجہ کی جانب بے تامل

ادھر راجا نے جب یہ راز پایا
عجب اتفاق سے حیرت میں آیا

کہا میں نے بھی یہ منت تھی مانی
ہوئی جانے کی دوہری شادمانی

بڑے مہاراج سے رخصت بھی پائی
بڑی رانی روانہ کرنے آئی

ملی بیٹی سے آکر با دلِ شاد
ہوئی خرم جو دیکھا گھر کو آباد

منہ پہ چوم کر از طرزِ مرغوب
کلیجے سے لگا کر خوش ہوئی خوب

کہا پھر ایک زرّیں رتھ منگاؤ
مہادیو کی پرستش کرنے جاؤ

وفائے عہد ہے سب سے مُقدّم
وفائے عہد رکھیو دلمیں ہردم

نہیں کرتے ہیں نقضِ عہد انسان
ہو اک رشتۂ مضبوط پیمان

کہ جس کے عہد میں کچھ نقص آیا
اُسے خالق نے نظروں سے گرایا

اجازت اسطرح رانی سے پاکر
ہوئے تیار وہ چلنے کو یکسر

ہوئیں سکھیاں بھی سب ہمراہ یکسر
دُر و لعل و گہر کرتیں نچھاور

چڑھے رتھ میں بصد تمکین و صد شان
سُہاگ اور بھاگ دونو پر یہ قربان

چلا منڈپ کے رُخ وہ رتھ فروزاں
صُبح کے وقت جوں مہرِ درخشاں

ہوا جس وقت تھا وہ رتھ روانہ
تو گایا تھا یہ سکھیوں نے ترانہ

شکر صد شکر تمنائے دلی بر آئی
لگے سکھیوں نے خوشی سے یہ ودھائی گائی

راجہ اندر سا ہمیں حق نے دیا ہے بنا
حور جنت سے کوئی اُتر کے بنی آئی

حق عنایت کرے اب جاگتا جیتا بیٹا
فضلِ خالق سے مُراد اپنی ہو ہمنے پائی

شاد و شاداب ہیں خُرّم و خوشدل جگ میں
مہر کی نظر ہو سالک پہ بھی ہاں فرمائی

ہوئی آراستہ جب حُسن کی فوج
چلی منڈپ کی جانب موج در موج

بلا کا تیز تھا ہر اک سپاہی
پڑی تھی کشورِ دل پر تباہی

کمندِ زلف اُس کی وہ مسلسل
نہ چھوڑے جو کبھی اُلجھا ہوا دل

اگر اک ناوکِ مژگاں کو مارے
تو دل اور جگر دونوں سے گذارے

وہ چشمِ سُرمہ سا اُس کی مقرر
سناں کو سان پر لائی چڑھا کر

نگاہ کی جس طرف برچھی چلائی
ہزاروں کوس تک کردی صفائی

کرشمہ اور غمزہ دو سپہدار
عجب بانکے سپاہی سخت خونخوار

نزاکت سے وہ کرتے کام فی الفور
نہیں طاقت جو کر سکتی بہر طور

ہوئی جب اس طرح با صد صفائی
بہر نزد و نکی منڈپ پر چڑھائی

کیا اُس جگہ سے سب نے کنارا
کوئی جوگی تھا یا منجم بچارا

بچا کر جان سب بھاگے وہاں سے
بیارا کچھ بندھ سکے تھے کب جاں سے

ہوئے مسند میں داخل راجہ رانی
پرستش صد قدل سے کی پھر پھر
وفائے عہد سے ہم ہیں کہ خورسند
ہوئیں سکھیاں بھی سُن کر شاد بھر پور

ادا کی وہ جو تھی منت کہ مانی
بہا دیونے دیا خوش ہو گئے جب دو
عنایت حق کرے گا تم کو فرزند
کہ خالق نے دعا کی اُنکی منظور

بتیسواں باب
مذکور اُس مہجور محزوں کا یعنے ناگمتی جگر برشتہ دل خوں کا ۔

روزِ ازل سے زمانہ کی نیرنگی مشہور ہے چرخِ ستمگار کی بے مہریوں کا چرچا نزدیک و بعید ہے کوئی حرماں نصیب اندوہ کے عہدوں سے پور خانماں آوارہ عزیزوں سے دور جسے دیکھکر دشمن بھی آنسو بہائے ۔تڑپ تڑپ کر دم توڑے ۔ اسے فدا ترس نہیں کوئی بہرہ ور محبوب مطلوب کے ساتھ دادِ کامرانی دے تو اسے تاب نہیں کہ اُسے اس حال میں دیکھ سکے ۔تھوڑے ہی دنوں بعد بیچارہ خستہ و تباہ سینہ چاک لب پر آہ قبرِ مجنوں پر بیٹھا فرہاد کیطرح جانِ شیریں کھو رہا ہوگا ۔ راحت کے دن ہنسی خوشی بہت جلد گذر جاتے ہیں ۔چنانچہ شبِ وصال کروٹ بھی بدلنے نہیں پاتی کہ سحر ہو جاتی ہے فرقت کی رات جب بستی نہ اُجاڑ بیابان نہ پہاڑ کہیں دل کو چین نہیں آتا ایک ایک منٹ سال سال بھر کا ہو جاتا ہے اسی ظالم گردشِ زمانہ نے بیٹھے سوتے امن سے بسر کرتے راجہ رتن سین کو عشق کا بیمار بنایا غریب الوطن کیا اسی نے دل کی مراد پوری کی دلدار سے ملایا اب وہ بیچارہ پورا ایکسال بھی بسر کرنے نہیں پایا کہ ایک نیا گل کھلایا جس کی کیفیت یہ ہے کہ شادی خانہ آبادی کے بعد دادِ عیش و نشاط دینا راجہ رتن سین کا کام تھا دنکو ہوا نِ صحرا کا شکار فرماتا رات اُس غزال رعنا کے دامِ زلف میں اپنے آپکو گرفتار [illegible] اچھی

تھی اس لئے یہ خیال اُس کے دل میں کبھی بھُولے سے بھی نہ سمایا کہ چتوڑ کی رعایا کی آنکھیں اُس کی راہ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئی ہیں سلطنت تباہ ہوا چاہتی ہے رانی ناگمتی اُس کا انتظار کرتے کرتے سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ اب آتش فراق میں جل بھُن کر خاک سیاہ ہوا چاہتی ہے راجہ گندھرب سین اُسے بارہا کہہ چکا تھا بیٹا ہندوستان بہت دور ہے وہاں جا کر کیا کرو گے سنگلدیپ کا راج تجھے مُبارک ہو ہم سب تو تیرے تابعِ فرمان ہیں کوئی دن کے مہمان ہیں جب تک جیتے ہیں بفکرہ شادمانی کر مر جائیں گے تو سلطنت تیرے حوالہ کر جائیں گے داد و دہش حکمرانی کیجیو اُس کے ہمراہی کنور بھی دُنیا کی حاجتوں سے بے نیاز سنگلدیپ کی پدمنیوں سے عیشیں منا رہے تھے۔ اُنہوں نے بھی کبھی اُس فیل کو ہند یاد نہ دلائی کسی کے لب پر وطن واپس جانے کی بات نہ آئی۔ آخر زمانہ نے پلٹا کھایا ایسا دردناک واقعہ پیش آیا جس نے عیش منغص دل بیقرار کر دیا سنگلدیپ میں رہنا ناگوار کر دیا ؎

آہ ازیں بوستانِ جادو برگ — کہ یکے برگ دید و دیگر مرگ
گر گلے رو بلالہ دمساز است — بلبلے ہم بنالہ دمساز است
گر یکے خلعتِ عروسی یافت — دیگرے جامہ آبنوسی یافت
خفتہ بر دوش گل یکے با یار — یکے از خار خارِ دل بیدار
بر درِ آں رسیدہ بخت زراہ — از برِ ایں بدر شدہ دلخواہ

ایک دن محل میں رانی پدماوت نے نہائے دھوئے دھانی پوشاک پہنی جواہرات کا گہنا بدن پر درست کیا مشاطہ نے سر گوندھ کر موتیوں سے مانگ بھری گویا ظلمات میں ایک راہ نمودار تھی اُس وقت اُس کے حُسن پر عجب بہار تھی ؎

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے — وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے
جو کچھ چاہیئے ٹھیک اک سک سے انگ — نزاکت بھرا سیولی کا سا رنگ
کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن — غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن
کرشمہ و غمزہ ہر آن میں — غرض دلبری اُسکی فرمان میں
تغافل حیا ناز و عشوہ غرور — ہر اک اپنے موقع سے وقت ضرور

تبسم تکلم ترحسم ستم
موافق ہر اک حوصلے کی کرم

وہ ابرو کہ محرابِ ایوانِ حسن
جھکے شاخِ نخلِ گلستانِ حسن

نگہ آفت و چشم عینِ بلاء
مژہ دیں صفحوں کو اُلٹ بر ملا

دُرِ گوش جب اُس کا تابندہ ہو
صدف کا دلِ صاف شرمندہ ہو

وہ بینی کہ جس کی نہیں کچھ نظیر
ہے انگشتِ قدرت کی سیدھی لکیر

وہ رخسارِ نازک کہ ہو جائے لال
اگر اُسپہ بوسے کا گذرے خیال

نہیں رطب و یابس کا یاں کچھ حساب
بیاضِ گلو سب کے سب انتخاب

وہ ساعد وہ بازو بھرے گول گول
برابر ہو الماس کے جن کا مول

وہ دستِ حنا بستہ خوبی کا باب
شفق میں ہو جوں غنچۂ آفتاب

زبس مثلِ آئینہ تھا اس کا تن
کہے تو کہ ہے ناف عکسِ ذقن

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جسکو جھک جھک سلام

پری پیکر خواصیں منتظرِ فرمان پاس حاضر تھیں کوئی ہاتھ باندھے سامنے کھڑی کوئی فرش پر نشست کر رہی تھی کوئی مکان کی سجاوٹ میں مشغول ۔ عیش و نشاط کا بندوبست کر رہی تھی ۔ رانی کے دل میں کچھ بےچارگی تھی ۔ گویا کسی کی آمد کی منتظر تھی اسواسطے کبھی بیٹھے بیٹھے گھبرا کر کھڑی ہو جاتی ۔ کبھی اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتی کہ اُسے دیکھکر سورج چھپ جائے اور کہیں جلد رات آئے کیونکہ جس کے آنیکا اُسے انتظار تھا اُس کی زیادہ سے زیادہ شام تک واپس آجانے کی قوی اُمید تھی ۔ پیارے ناظرین یہ آنیوالا شخص خود راجہ رتن سین ہی تھا جو آج صبح سے جانب صحرا شکار کو گیا ہوا تھا ۔ رانی سے کہہ گیا تھا کہ دوپہر تک واپس آکر کھانا محل میں ہی تناول کرونگا ۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ جب راجہ شہر سے دو میل دور نکل گیا تو سامنے ایک ہرن نظر آیا جو راجہ کو دیکھکر جنگل کیطرف اُڑا ۔ راجہ نے بھی گھوڑا پیچھے ڈالا نہ معلوم کتنے کوس نکل گئے ۔ دوپہر کے وقت ہرن تو نظر سے غایب ہو گیا ۔ راجہ تھک کر درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا ۔ یہاں قریب ہی ایک صاف شفاف پانی کا چشمہ بھی تھا وہاں سے ہاتھ دھو گھوڑے پر سوار ہو چلنے ہی کو تھا کہ ایک لمبے قد کا آدمی جس کا رنگ دھوپ کی گرمی سے سا[illegible] بن مانس

معلوم دیتا تھا - تیز قدمی سے آتا ہوا دکھائی دیا - راجہ نے سنگلدیپ میں اُس شکل کا انسان مطلق نہ دیکھا تھا حیران ہو کر نگاہِ غور سے تکنے لگا - قریب آیا تو پہچان لیا کہ یہ تو وہی پیکِ صبا رفتار یادگار عمر عیار ہماری سرکار کے قاصدوں کا سردار ہے - زور سے پکار کر کہا بہنگم تو کدھر چلا - ہرکارہ دوڑ کر قدموں پر آگرا - راجہ نے کہا اپنا ماجرا کہہ بہنگم نے عرض کیا حضور چتوڑ سے رانی جی کا خط لے کر آیا ہوں یہ کہہ کر ایک لفافہ سر بمہر راجہ کے آگے رکھدیا - راجہ نے مُہر کو پہچانا اور خط کھول کر پڑھنا شروع کیا ۔

نامۂ ناگمتی

اے میری جان میرے ماہ پارے ۔ جان و دل تیرے نام پر وارے
پہلے تعریف کبریا کی ہے - جس سے خلقت نے ابتدا کی ہے
جس نے اے راجہ تجھکو پیدا کیا ۔ تیری صورت پہ مجھکو شیدا کیا
جس نے معشوقوں کو جمال دیا ۔ عاشقوں کو غم و ملال دیا
جس نے بخشی ہے گل کو رعنائی ۔ دور بلبل سے کی شکیبائی
عشق اُس کا ہر ایک جاں میں ہے ۔ جلوہ اُس کا ہر اک مکاں میں ہے
بعد از حمد و مدحت داد آر ۔ جس کے لکھنے سے عجز کا اظہار
دست بستہ میں کرتی ہوں پیام ۔ خستہ دل پُر ز محنت و آلام
پھر بیان اپنا حال کرتی ہوں ۔ ضعف فرقت سے گرچہ مرتی ہوں
جب نہ پہنچی تیری خبر کچھ دیر ۔ میری آنکھوں میں چھا گیا اندھیر
ایک مدت تو کچھ اُمید رہی ۔ تیرے آنیکی منتظر میں تھی
آس نے جب سے ساتھ چھوڑ دیا ۔ حوصلہ دل کا سارا توڑ دیا
اب نہ مرتی ہوں اور نہ جیتی ہوں ۔ دردِ دل تجھ بغیر کس سے کہوں
کُشتۂ خنجر ستم ہوں میں ۔ موجِ طوفانِ بحرِ غم ہوں میں
دن تو کٹتا ہے بے قراری میں ۔ رات کٹتی ہے انتظاری میں
نہ رہا آب ابر مژگاں میں ۔ نہ رہا خون جگر [illegible] میں

نہیں تاب جانِ سوزاں میں — درد ہے اِک دلِ پریشاں میں
دل پہ صدمہ جو کچھ گذرتا ہے — تجھکو اس حال کی خبر کیا ہے
ہجر کی رات کس قدر ہے دراز — تو کیا جانے مست عیش اور ناز
سیرِ گلشن کو ساتھ لے دلدار — ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار
تجھکو ہر لحظہ شاد ہوتا ہے — مجھکو درد کے جی کھوتا ہے
صبحدم دیکھکر شگفتۂ گل — نالہ آتا ہے لب پہ جوں بلبل
کاکلِ سنبلیں کا ہے یہ حال — مثلِ سنبل بکھر رہے ہیں بال
اس تن کا ہوا غذا اے فراق — استخواں میری اب ہے کھائے فراق
خونِ دل چشم تر سے جاری ہے — میرے نالوں سے خلق عاری ہے
زندگی گو مجھے نہیں بھاتی — موت بھی پر مجھے نہیں آتی
لیٹتی ہوں تو جان سے ہوں تنگ — کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے پلنگ
بیٹھتی ہوں تو آتے ہیں چکر — جیلخانہ بنا ہے میرا گھر
عیش و آرام سے مجھے کیا کام — رونا دھونا ہے صبح سے تا شام
کھانے پینے کا پوچھتے ہو حال — بھوک اور پیاس دونو خواب و خیال
خونِ دل پینا یا ہوا کھانا — زندگی اسپہ ہے میری جانا
درد جب میرے دل میں اٹھتا ہے — دیکھ دشمن بھی خون روتا ہے
گر یہی حال دردِ دل کی ہے — پھر میری زندگی بھلا تا کے
چند ہی دن میں ہوگا یہ مشہور ہے — چل بسی آج ہجر کی رنجور
میرے مرنے کی یوں خبر سنکر — رنج ہر گز نہ لائیو دل پر
اے دلِ ناتواں کے صبر و قرار — اے فراموش کارِ عاشقِ زار
میرے مرنے کی گو نہیں پروا — رحم مادر پہ کچھ تو کر اصلا
اس ضعیفہ کا سُن ذرا احوال — درد و آفات نے کیا پامال
جب سے تو ہو گیا ہے اس سے دور — اس کی آنکھوں کا اُڑ گیا ہے نور
بوجھ غم کا پڑی اُٹھاتی ہے — ہجر ... بلبلاتی ہے

تاب و طاقت رہی ہے نہیں کہیں — اُس کے جینے کی کچھ اُمید نہیں
تجھکو ہر لحظہ یاد کرتی ہے — یاد کرتی ہے اور مرتی ہے
تیرے پیچھے اگر وہ دے گی جان — باتیں کیا کیا بنائیں گے انسان
بیوفائی کی ہوگی تیری دھوم — کون اُس کی کریگا رسم و رسوم
اب بھی آجاکو زندہ پائے گا - — پھر گیا وقت ہاتھ آئے گا
مسلمانوں کا ہے نواح میں زور — اُنکے چڑھ آنیکا مچا ہے شور
اُنھوں نے گر ادھر چڑھائی کی — جان کے ساتھ مملکت بھی گئی
ننگ و ناموس ہو گیا برباد — فوج ایسی پڑی کبھی اُفتاد
شادی ہوتی ہے خانہ آبادی — پھر لگی ہونے اپنی بربادی
بس مناسب ہے یہ کہ آجاویں — کام تاخیر کو نہ فرماویں
اور تجھکو نہ گر وہ آنے دے — واں آنے میں روک ٹوک کرے
اُس کو یہ خط میرا دکھا دینا — دردِ دل کا بیاں سُنا دینا
اور پیغام دے زبانی بھی — اس قدر کرنی مہربانی بھی
کہ اے ستمگار و سرورِ خوباں — باعثِ مرگ چند خستہ دلاں
تو ہے صہبائے عیش میں مخمور — جان دیتا ہے یاں کوئی رنجور
میرے شوہر کو یوں کیا بس میں — آنسو پیتی ہوں کھا کے میں قسمیں
آپ گھر والی بن کے بیٹھی ہے — میرے حصہ میں جیب برتا کر
بتی سے عیش تو کرے دلشاد — خاک بر سر کروں میں یاں فریاد
چین و آرام ہو تیرا حصہ — دل کی ایذا کا میں پڑھوں قصہ
تیرا کیا مجھ سے ایسا کینہ ہے — میرے شوہر کو مجھ سے چھینا ہے
سوت میری ہے تو نہیں دشمن — دشمنی چھوڑ سوت میری بن
شوقِ دیدار ہے فقط مجھکو — عیش تجھکو سدا مبارک ہو
مجھکو بھی اپنی ایک لونڈی جان — گر ملا دے اُسے تیرے قربان
ہوں نکلجائے حسرتِ پابوس — مرکے ملیں نہ یہ ہے افسوس

گرچہ لمبی ہے داستانِ فراق　　مختصر لکھ دیا بیانِ فراق
جلد آنے میں مصلحت آپ کی ہے　　ورنہ ہو جائے گا مُعاملہ طے

چونتیسواں باب

طلبِ رخصت

راجہ رتن سین پر خط پڑھ کر عجیب کیفیت طاری ہوئی وطن کی محبت - والدہ کی اُلفت رانی ناگمتی کی تباہ حالت کے خیالات نے یکے بعد دیگرے اُس کے دماغ میں خروج کرنا شروع کیا - آنکھوں سے آنسو بہنے لگے چہرہ فرطِ بیقراری سے سُرخ ہو گیا گویا اُس کے سینے میں دل نہ تھا - ایک شعلۂ آتش تھا جو بادِ شوق کی دستیاری سے خوفناک طور پر بھڑک اُٹھا تھا دیر تک تو وہ عالمِ حیرانی میں کچھ سوچتا ہوا کھڑا رہا پھر بھنگم کو ساتھ لے کر محل کی طرف چلا - رانی انتظاری کرتے کرتے گھبرا اُٹھی تھی جوشِ بیقراری میں کئی بار غش کھا چکی تھی - معمول سے زیادہ دیر ہو جانے کے باعث نہایت اندیشہ مند تھی - بیٹھے بیٹھے انگڑائیاں لیتی پھر نوکروں کو حکم دیتی کہ شکارگاہ کی طرف جا کر دیکھو جہاں راجہ جی کو پاؤ جلد تشریف لانے کا پیغام دو دفعتاً ایک خدمتگار نے آ کر یہ مژدہ جان بخش رانی جی کو پہنچایا کہ مہاراج تشریف لئے آتے ہیں لیکن بشاش نہیں آثارِ کلفت و حزن چہرہ سے ہویدا ہیں - علاماتِ رنج و ملال آنکھوں سے پیدا ہیں اتنے میں بھنگم کو ساتھ لئے وہ راجۂ کامگار آیا تو رانی کے دل کو قرار آیا - بڑھ بڑھ کر خواصوں میں پڑی جان - صدقے ہوئی کوئی کوئی قربان — راجہ کو متفکر دیکھ کر رانی سمجھی ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا - جب بھنگم کو بزمرۂ ملازمان ایک جگہ ٹھیرنے کا اشارہ کر کے راجہ گھوڑے سے اُتر محل میں داخل ہوا تو رانی نے دروازہ تک استقبال کیا پھر دو نو جواہر نگار تخت پر جا بیٹھے کچھ دیر وہ دلدادۂ دلگیر اور وہ دلبرِ بے نظیر شمعِ فروزاں اور پروانۂ سوزاں کی طرف دیکھا کئے بالکل چُپ چاپ گویا اُن پر کسی نے جادو کیا تھا - آخر پدماوت نے طلسمِ خاموشی کو توڑا اور مایوسی و اداسی کا سبب پوچھا

ہو جاتا تھا کہ وطن مالوف مفارقت دایمی کی خبر رانی کے دل پر کیسی گذرے گی اور دل پر کیا صدمہ برپا کرے گی اور پھر اس سے اُس کے اپنے دل کا کیا حال ہوگا اس لئے کچھ جواب نہ دیا مگر اس سے رانی کی پریشانی اور بڑھی عارضۂ مزاج محبوب وکلفتِ دل مطلوب معلوم کر کے ایسی بے چین ہوئی کہ استقلال کے پاؤں اُکھڑ گئے حتی کہ ایک خواص خاص الخاص نے اس حال کی آگاہی راجہ گندھرب سین کو جا دی وہ فوراً پدماوت کے محل میں چلا آیا اور رتن سین کو سُست بیٹھا دیکھ کر شفقت سے پوچھا اے نور چشم راحتِ جان آج اس پریشانیٔ خاطر کا کیا موجب ہے کوئی تکلیف ہو تو بلا روک ٹوک بیان کر دیجئے کہ اُس کے رفع کرنے کی تدبیر کیجائے۔ راجہ رتن سین نے ہاتھ باندھ کر کہا مہاراج حضور کے زیر سایہ رہنے میں تکلیف کا کیا ذکر ہے۔ برس بھر سنگلدیپ میں رہا وہ عیش و عشرت کئے کہ کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے گویا سال بھر بہشت میں رہا۔ آج گھر سے خط آیا ہے پڑھ کر دل ٹھکانے نہیں رہا۔ والدہ قریب ہلاکت اور امورِ مملکت میں بڑا فتور واقع ہو رہا ہے۔ بادشاہِ دہلی ہمیشہ موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے فرصت غنیمت جان کر وہ چڑھ آیا تو اُس طوفان کا روکنا مشکل ہو جائے گا پشتوں کا راج ہاتھ سے جاتا رہے گا اور یہ سب کچھ میری غفلت کا نتیجہ سمجھا جائیگا چھتری دھرم ایک راجپوت راجہ کے نام پر یہ ایسا دھبا ہوگا جو کسیطرح دھوئے دھویا نہ جائے گا۔ جبتک مہر و ماہ اپنا جلوہ دکھائیں بھگوان آپ کو سلامت رکھے۔ آپ نے شاہانِ روئے زمیں میں مجھے ممتاز فرمایا۔ اب میری مجبوری پر بھی غور کیجئے۔ ہنسی خوشی رخصت دیجئے۔ رخصت کا نام سنکر رانی جو پس پردہ یہ درد کی کہانی کان لگائے سُن رہی تھی از خود رفتہ ہو گئی۔ راجہ گندھرب سین کو بھی کمال درجہ کا ملال و دلگیر ہوا آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا بیٹا میں نے تو تجھے وارثِ تخت و تاج بنایا تھا ہائے افسوس فلکِ تفرقہ انداز کو یہ منظور ہرگز نہ بھایا میں سمجھتا تھا اب مدۃ العمر جدائی نہ ہوگی مگر یہ صرف خیالِ خام تھا میری آنکھوں کا نور جاتا رہا تو دنیا مجھے اندھیر ہو جائے گی۔ دردِ فرقت میری روح کی دھجیاں اُڑائے گی میری ضعیفی پر رحم کر ورنہ پدماوت اور تیری جُدائی میں میری جان جائیگی۔ راجہ رتن سین یہ کلمات درد انگیز سُنکر ...... لیکن ...... وطن کی کشش اور

خط کے مضمون کا جذبہ اپنا کام کرچکا تھا۔ پھر تو کسیطرح راضی نہ ہوا پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگا اور راجہ گند ھرب سین کے پاؤں پر گر پڑا۔ راجہ نے اٹھا کر چھاتی سے
لگایا سر و چشم کو بوسہ دیا اور بہت سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ ہرگز ٹھیرنے پر راضی نہیں
ہوتا تو رفتا ہوا خوابگاہ کو واپس چلا گیا اس کے جانے کے بعد پدماوت پاس آئی۔
آہ سرد دل پُر درد سے کھینچکر کہنے لگی بزرگوں کا کہنا ٹھیک نکلا کہ پردیسی کسی کے
میت نہیں ہوتے۔ کل آپ میری چاہت میں مرتے تھے بات بات پر جان قربان
کرتے تھے۔ آج ایک خط گھر سے آیا ہے پڑھتے ہی مدہوش ہو گئے۔ کل وعدے
فراموش ہو گئے۔ رانی کے ہجر میں جی کھونے لگے لوح وفا کو آنسوؤں کے پانی سے
دھونے لگے مجھے چھوڑ کے اُدھر سے دل لگاؤ گے ایسا مالتی اور بیلا کہاں پاؤ گے۔
میں تازہ بہار ہوں گلرویانِ عالم کی سردار ہوں۔ آپ کس گُل کی ہوا میں بیقرار ہوئے
جاتے ہیں کہ میری منت اور عاجزی پر بھی خیال نہیں فرماتے ہیں۔ کوئی بات نہیں
بھاتی صرف وطن جانے کی لَو لگی ہے۔ راجہ نے کہا اے جان تیرے حُسن کی بہار کو
سدا شادابی رہے مجھکو رانی کے ملنے کی بیقراری نہیں۔ والدہ کی بیماری نے دل
پر بڑا صدمہ پہونچایا ہے۔ اس سبب یہاں میرا ٹھیرنا دشوار ہے۔ اے مرحوم روان عاشق
زار جوں جوں تم رخصت کے معاملہ کو طول دو گے اس غمزدہ کے دل کو ملول کرو گے
رانی فقط تیرے حکم کی انتظاری ہے اور بس کل صبح چلنے کی تیاری ہے۔ تیاری کا
لفظ سُنکر پدماوت کا دل کانپ اٹھا۔ دامنِ اشک ترسے چہرہ ڈھانپ لیا۔
زار قطار رونے لگی۔ خواصیں۔ سہیلیاں۔ دوڑی آئیں۔ اور پدماوت کو دلاسا دینے
لگیں۔ پدماوت دمبدم ٹھنڈی سانسیں بھرتی حسرت و مایوسی کی تصویر بن رہی
تھی۔ سہیلیوں سے کہنے لگی اب حور جنت سے بہشت چھوٹتا ہے۔ ماں باپ اور
عزیزوں سے منہ موڑ پردیس میں رہنا نصیب ہوگا۔ اے سہیلیو اب میکے میں رہنا
اور یہاں کا چین خواب و خیال ہو گیا۔ جی کا لگنا جی کا جنجال ہو گیا۔ لو سہیلیو اب
مجھے وہاں جانا ہے جہاں واپس آنے کی اُمید نہیں گویا مجھے پیام اجل ہے۔ کلام
تو یہ نہیں اتنی دور جاتی ہوں کہ میرے آرام و مصیبت کا حال کسی پر کاہے کو کھلیگا

ہائے افسوس ناز پیار اور ہنسی خوشی کا خاتمہ ہو گیا۔ سہیلیوں نے کہا رانی ہم صبح راجہ سے کہیں گی تمکو وہ یہیں رکھ لیگا اور راجہ رتن سین تھوڑے عرصہ کے لئے وطن جا کر پھر یہیں آ رہے گا تو ہرگز غم نہ کر پدماوت نے جواب دیا ؎

عشق است انیس روزگارم
با مادر و با پدر چہ کارم

جب باپ نے بے مہری کی تو بیاہ کر دیا۔ اب ہاتھ پکڑ کر کون رکھ سکتا ہے۔ جب شوہر لئے جاتا ہے تو اُس کا حکم موڑنیوالا کوئی نظر نہیں آتا۔ لاکھ باتیں بنائیں آخر چلنا درست ہے سب میں یہی فقرہ چُست ہے پھر ہم ملیں یا نہ ملیں۔ اب جی کھول کرا سے سہیلیو رل لو۔ یہ باتیں سُنکر سب کا جی بھر آیا اور سکھیاں بھی رونے لگیں پدماوت سے کہتی تھیں بی بی سچ ہے۔ جب تم جیسی ہو کر رہنے نہ پائیں تو ہم کون ہیں چند روز میکے میں خوشحال ہیں آخر پرایا مال ہیں یہ کہہ کر گلے مل مل کے رونے لگیں اور ساری رات اسی حال سے بسر ہوئی ؎

پینتیسواں باب

مہورت

جب شاہِ خاور افق مشرق سے نکل کر چہرہ افروز عالم و عالمیان ہوا تو وہ گلشن مُدعا کا گلچین یعنے راجہ رتن سین غمگین راجہ گندھرب سین کے پاس آیا۔ راجہ نے شفقت سے اپنے برابر بٹھایا اور تھوڑی دیر بعد کہا وطن واپس جانے کا ارادہ ابھی تھوڑی دیر کے لئے موقوف رکھئے۔ پدماوت کی ماں کو اُس سے ایسی محبت ہے کہ جب سے تمہاری تیاری کی خبر سُنی ہے مُنہ سر لپیٹ چھپر کھٹ پر پڑی ہے جی ڈوبا جاتا ہے تمہارے جانے سے اُس کی جان جانیکا اندیشہ ہے۔ راجہ رتن سین نے عرض کی پرمیشر مہاراج مہارانی جی کو تا دورِ مہر و ماہ شاد و شادمان رکھے۔ اپنے فضل و کرم کو اُس کا نگہبان رکھے۔ بیشک فرطِ مہر مادری سے بے قرار ہیں۔ جدائی کا نام سُن کے بیزار ہیں۔ شفقت مادری [illegible] سے گھبرا گئیں

لیکن اُن کے برابر کون سیانا ہے - اس بات کی تہ کو وہ بخوبی پہنچ سکتی ہیں - بیاہ ہوئے پیچھے کوئی ہمیشہ ماں باپ کے گھر رہنے پایا ہے سب کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا ہے - زیادہ کیا کہوں حیا مُنہہ پر مُہرِ خاموشی لگاتا ہے - شرم گلو گیر ہوتی ہے - والدہ کی بیماری کی یاد دل میں خارِ الم چبھوتی ہے - مہاراج مجھ پر کرم کیجیے - اور جلد رخصت دیجیے - راجہ گندھرب سین کی تائید کرتے ہوئے ہر چند مصاحبوں نے بھی راجہ رتن سین کو ارادہ سفر ملتوی کرنے کے لئے سمجھایا لیکن وہ بے قرار کسیطرح نہ مانا ناچار وہ سب اس کا ہٹ دیکھکر ہٹ گئے - اور راجہ کو بھی صلاح دی کہ یہ مسافر اب کسیطرح نہیں ٹھہرے گا - سلطنت کا معاملہ بھی بڑا اہم ہے - پرمیشر نہ کرے کہ دشمنوں کو زک نصیب ہو ؎

پردیسیوں سے جو کی ہے لینت ... اب کیجیے ہنسی خوشی سے رخصت
دعویٰ نہیں کچھ دیے ہو مجھ پہ ... قایم جو رہیں کئے ہوئے پر
لازم جو ہے اُنھیں نہ کیجیے ... سائل کا سوال رد نہ کیجیے

راجہ گندھرب سین کو بھی کامل یقین ہو گیا کہ اب یہ کسیطرح ماننے کا نہیں پنڈتوں کو بلا کر حکم دیا تہ جوتش کا لگن وغیرہ کا لحاظ رکھکر وہ اچھی کا نیک مہورت بتائیں - راجہ پاس اچھے اچھے ودوان پنڈت جوتشی موجود تھے - سب نے صلاح و مشورہ کے بعد عرض کی - آیت وار اور جمعہ کو پچھم رُخ اور پنجشنبہ کو دکھن رُخ سفر کرنا مُبارک ہے - مگر دوشنبہ اور شنبہ کو پورب کیطرف اور منگل و بُدھ کو شمال کیطرف بالکل نامُبارک ہاں اگر مجبوری اور کام ضروری ہو تو اپاؤ ضرور کر لینا چاہئے - یعنی منگل کو چلتے وقت دھنیا مُنہہ میں ڈال لے اور سوموار مشرق کیطرف جائے تو آئینہ دیکھ لے شکروار مغرب کو سفر کرنا پڑے تو رائی مُنہہ میں رکھ جائے اور پنجشنبہ کو جنوب کو جاتا ہوا گڑ کھائے - آیت وار جاتے وقت پان چبائے - سنیچر کے دن بائے بڑنگ چبائے - بُدھ کے دن دہی کھا کے چلے تو دُعائے دلی ملے - ورنہ شاستر کے برخلاف چلنے میں تکلیف کا موجب ہے اور چکر جوگنی کا حال اسطرح پر ہے کہ چوتھی - بارھویں - اُنیسویں اور ستائیسویں کو پورب اور دکھن کے گوشے میں - تیسری - گیارھویں - انیسویں اور چھبیسویں تاریخ کو دکھن

طرف شمار میں آئی ہے - دوسری - دسویں - سترھویں اور پچیسویں کو جنوب مغرب کے گوشے میں بتاتے ہیں - آٹھویں - پندرھویں اور تیئیسویں کو پورب میں پتہ لگاتے ہیں سا تویں - چودھویں - اُنیسویں اور بائیسویں کو شمال مغرب کے گوشے میں رہتی ہے - مگر چھٹی و اکیسویں تاریخ کو شمال مشرق میں *

تتھ کے لحاظ سے پریوا و نویں کو مشرق کیطرف - دویم اور دسویں کو شمال کیطرف جانا منع ہے - پھر تیج اور اکادشی کو جنوب کیطرف اور چوتھ سچودس - جیٹھ دواوس اُس کو مغرب کی جانب چلنا نحس ہے - پنچمیں دتیرس کو دکھن میں کال رہتا ہے - سپتمی و پورنماشی کو بائیب کے کونے میں اور اشٹمی و اماوس کو ایسان کیطرف ہرگز سفر نہ کرنا چاہئے - اگر ضرور ہی جانا ہو تو اور ساعت دیکھکر پرستھان دھرے بعد دساسول کا خیال کرلے - تتھوں میں - چوتھ - نومی - دسمی - سنکرانت - اماوس و پورنماشی کے دن سفر کرنا منع ہے - پھر چاندگرہن اور مہاشانت کو بھی کہیں جانے کا خیالِ محال دل میں نہ لانا چاہئے - بیٹھے سوتے آپ کو آفت میں نہ پھنسانا چاہئے - البتہ اشتی - مرگشرا - پنرپس - پکھ - ہست - انرادھا - شرون - دھنشٹا - ست بکھا - ریوتی پنجتھ دل اور ریت - آیشان - شوبھاگ - شوبھن - سوکرما - بردھ - دھرو - شیو - سادھ - شبھ - شکل - اور یہ مہرت جوگ ہیں بلا خوف منزل مقصود کیطرف راہی ہو کہ سب سفر کیلئے سعد ہیں * اب مہاراج چونکہ راجہ کی راس تُلا ہے پس آٹھ روز تک سفر کرنیکا کوئی نیک مہورت نہیں نکلتا - کہیں دساسول سامنے رہتا ہے - جوگنی دائیں طرف پڑتی ہے - کہیں کال مقابل رہتا ہے - چندرمان گھاتیک پایا جاتا ہے - چندرمان کا داقون میں رہنا بھی نقصانِ دولت پر دلالت کرتا ہے -

راجہ گندھرب سین نے جوتشیوں کے کہنے بموجب راجہ رتن سین سے کہا اگر زیادہ ٹھیرنے پر آپ راضی نہیں ہوتے تو چند دن اور توقف فرماویں کہ کسی نیک مہورت سے روانگی ہو - لیکن جب راجہ کی طبیعت اُکھڑ چکی تھی تو قیام کا لفظ ہی اُسے بُرا معلوم ہوتا تھا جواب دیا جو وہ مہربان ہو تو کل مہربان - مہورت سب اُسی کے ہیں پیشانی کی جو بات ہے ہر حال میں پیش آتی ہے نہایت کل ہی روانگی کا انتظام فرماویں

چھتیسواں باب

جُدائی

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے — سینہ جویائے زخمِ کاری ہے
پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے
قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے
چشم دلالِ جنسِ رسوائی — دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے
وہی صدرنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشکباری ہے
دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بیقراری ہے
جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — زورِ بازارِ جانسپاری ہے
پھر اُسی دلربا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

جب راجہ رتن سین نے مہاراج گندھرب سین کی درخواستوں اور مہارانی چنپاوت کی التماسوں کے برخلاف آئندہ سنگلدیپ میں رہنا نامنظور کیا اور اُنہیں رخصت کر دینے پر مجبور کیا تو راجہ گندھرب سین نے تمام اسباب جہیز از قسم نقد و جنس سیم و زر الماس گوہر غلامانِ زریں کمر۔ کنیزانِ سیمن پیکر اسپ و فیل وغیرہ چند جہازوں پر بار کروا دیا وقت وداع داماد و بیٹی کو چھاتی سے لگا کر بادیدۂ اشکبار ایک علیحدہ آراستہ جہاز میں سوار کرایا جب جہاز سمندر میں روانہ ہوئے تو راجہ گندھرب سین و رانی چنپاوت کی بیقراری و اشکباری دیکھی نہ جاتی تھی۔ ناظرین کو برق و باران کی یاد دلاتی تھی۔ جب تک جہاز نظر آتے رہے وہ کنارے پر کھڑے دیکھا کئے نظروں سے اوجھل ہو گئے تو روتے دھوتے مُڑ گئے۔ راجہ رتن سین اپنی کامیابی اور اقبالمندی کو دیکھکر پھولا جامے میں نہ سمایا۔ سمجھا کہ طالع سکندر اور بخت فریدون کی نظیر آئندہ لوگ نہ دیا کریں گے مقرر اب اُنکی بجائے میری خوش قسمتی کی قسم کھائیں گے اس قدر گنج و سپاہ اور ایسی رانی اشک ماہ دنیا میں کس شہنشاہ کے قبضہ میں ہوگی۔ بیشک چھوڑ پہنچکر اُشومیدھ جگ

کرونگا۔ دنیا میں بکرماجیت ثانی کہلاؤنگا۔ جب راجہ نے ابتداء کار میں اُس بے نیاز
کی درگاہ سے نیاز کے ساتھ طلب استمداد کی التجا کرنے اور اُس کی نعمتوں کا شکریہ بجا لانے
کی بجائے غرور بھرے خیالات کو دل میں جگہ دی اور اپنی قوت وحشمت کو دیکھکر بھولا
تو قادر مطلق کو اُس کی یہ ادا پسند نہ آئی تکبر دل میں سما گیا تو ستارہ نحوست میں آگیا۔
چنانچہ سمندر میں ابھی آدھا راستہ بھی طے کرنے نہیں پائے تھے کہ باد مخالف چلنی
شروع ہوئی ساتھ ہی طوفان عظیم الشان کے آثار نمودار ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ
میں یہ نوبت ہوگئی کہ سمندر پہاڑوں اونچا اُچھلنے لگا لہریں اس زور کے ساتھ جہاز
سے آکر ٹکرانے لگیں کہ ہر دم اُس کے ٹوٹنے کا اندیشہ رہا۔ ملاحوں نے مستول گرا دئے
بادبان ٹوٹ گئے۔ سب کی ہمت کے چھکے چھوٹ گئے۔ ہر شخص اس ورطۂ ہلاکت سے
رہائی پانے کے لئے دست بدعا تھا۔ عزیز و اقارب کو یاد کرکے آنسو بہا رہا تھا۔ تین گھنٹے
اسی اضطراب میں گذرے لیکن طوفان میں کچھ تخفیف نہ ہوئی لہریں بدستور جہاز کے
ساتھ ٹکراتی تھیں۔ سب کو یہ سجھائی دے رہا تھا کہ اب جہاز ٹوٹا اور ہم ڈوبے۔ پدماوت
کا بھی نہایت پتلا حال ہو رہا تھا وہ غریق بحر تفکر یعنے راجہ مضطر رانی کو تسکین دینے لگا
کہ سمندر میں اکثر ایسے طوفان آیا ہی کرتے ہیں اور بعد میں ہٹ بھی جایا کرتے ہیں جائے
اندیشہ نہیں کارساز حقیقی انسان کا نگہبان ہو تو کونسی مشکل ہے جو نہ آسان ہو اسی پر
بھروسا رکھنا چاہئے (افسوس اگر انسان اقبالمندی میں بھی پرمیشر کا خوف دل میں
بدستور رکھے تو یہ دن کیوں دیکھے) پدماوت نے مایوسی سے کہا پرمیشر کے بچانے
کے راہ تو نیارے ہیں لیکن سامان اچھے نظر نہیں آتے۔ ہر موج رواں اژدہائے دہان
کی طرح ڈراونی ہے رعد کی کڑک بجلی کی چمک بیتاب کئے دیتی ہے اندھیرا بڑھتا جاتا
ہے۔ دل گھٹا جاتا ہے۔ چاروں طرف چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ لچھن بھلے نظر
نہیں آتے۔ راجہ رانی میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ کسی چیز کے پھٹنے کی مہیب
آواز سنائی دی اس زور شور سے کہ سب کے دل دہل گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں دردناک
چیخوں نے ثابت کردیا کہ ساتھ کے دو جہاز آپس میں ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں۔
اسباب تو تمام ڈوب گیا۔ دل گرفتہ انسان بگرداب بحر ذخار دکام نہنگ خونخوار سے

بچ رہے۔ خالق اکبر کے فضل و کرم سے کسی تختہ کے سہارے کوئی کہیں کوئی کہیں کنارے کو جا لگے۔ اس ہولناک واقعہ کے بعد سمندر پھر زیادہ تندی کے ساتھ جوش میں آیا اور ساتھ کے باقیماندہ جہاز بھی لہروں کے پردے میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس وقت خود راجہ رانی کا جہاز بھی سخت طوفان میں مبتلا تھا اشعار

بادبان آب گشتہ فتنہ شمار — آب از باد گشتہ آدم خوار
لنگر از جوش آب رفتہ بباد — بادبان شد چو باد بے بنیاد
ناخدا با خدا گذاشتہ کار — آب خونخوار و باد صاعقہ بار
زد معلم نفس نولا د علیم — موج چوں فوج غم کشید علم
فلک کشتی شکست لمعۂ برق — کشتئ دل بہ بحر خوں شد غرق
گاہ میزد بسنگ لطمۂ آب — گاہ از صدمۂ نہنگ خراب

وہ غوطہ زن بحر تحیر یعنے راجہ رتن سین متفکر اس گوہر نایاب بحر خوبی یعنے رانی کی دلجوئی میں مصروف ہوا کہ اے جفا دیدۂ محبت یہ بھی ایک چرخ کی شعبدہ بازی اور عشق کی فتنہ سازی ہے کہ ماں باپ اور وطن سے تو جدا کیا ہی تھا سہیلیوں پرستاروں کو بھی ہمراہ رہنے نہ دیا مجھکو تو اب بھی تسکین ہے کہ تو میرے ساتھ ہے ہفت اقلیم کی سلطنت میرے ہاتھ ہے لیکن تجھے غم و اندوہ میں پاکر گھلا جاتا ہوں۔ عاشق تو معشوق سے خورسند ہے لیکن غم معشوق کس عاشق کو پسند ہے۔ راجہ کی عذر خواہی سنکر کہنے لگی اے تاجدار صاحب تخت اگر تیری محبت سے میرے سر پر یہ طوفان پدا وت بلا آیا ہے تو تجھکو بھی تو میری الفت نے ہی یہ روز بد دکھایا ہے۔ اشعار

گر من از بہر تو بدیں روزم — سوختت جانت ز عشق جانسوزم
ہم تو آوارۂ وفائے منی — صد جفا دیدہ از جفائے منی
عذر خواہی چہ میکنی یارا — تو مرا باش حال دریا را

اس اثنا میں صدائے مہیب پھر کان میں آئی جس کے صدمہ سے دونو غش کھا کر گر پڑے۔ تھوڑے عرصہ بعد رانی کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو تختہ پر سمندر میں بہتے پایا۔ ادھر ادھر دیکھا نیلگون سطح آب کے سوا کچھ نظر نہ آیا قریب تھا کہ خوف سے پھر بیہوش

بجا نہ رہیں لیکن اب طوفان جاتا رہا تھا نہ سمندر میں وہ تلاطم و شور تھا نہ ہوا میں وہ
زور تھا بلکہ سطح فلک کی طرح پانی بھی صاف شفاف اور ہر ایک چیز خاموش تھی پدماوت
بیہوش ہوئی سہ پہر شام بہتے بہتے ایک کنارے لگی تختہ پر سے اتر گئی اس پر جا بیٹھی
اور راجہ کی یاد میں رونے لگی کچھ معلوم نہ تھا کہاں بیٹھی تھی اور کہاں جانا ہے وہ پدماوت
جو پری وش پرستاروں کے حلقے میں مینو تمثال محلات کے اندر مخمل کے فرش پر چلتی
جواہر نگار کرسیوں پر بیٹھتی اب خاک پر بیٹھی حیران و پریشان با دل ریش نوحہ کناں بے یار و
غمگساں صحرا میں جلوہ افروز ہے رعشق کی سرکار کا یہ نوروز ہے حسن اتفاق ہے
اس جزیرے کا بادشاہ دیجاہ ساٹھ ستر برس کا سن و سال پیر ستودہ خصال سمندر نام
مصاحبوں سمیت صبح سے سیر و شکار کو نکلا ہوا ادھر سے گذرا اُس ماہ منیر حیرت کی تصویر
رعنا غزال جادو جمال یعنے پدماوت بیجال کو اُس حال میں وہاں بیٹھا دیکھکر حیران ہوا۔
قریب آکر مہربانی سے احوال پوچھا اور کیفیت واقعہ سے آگاہی پا کر بعزت و اکرام اپنے
ساتھ محلات کو لے گیا۔ اب ذرا اُس غمزدہ کا بیان سُنئے کہ جب راجہ رتن سین کو ہوش آیا
تو اُس نے آپ کو بجائے تخت ایک تختہ پر سمندر میں بہتے پایا ادھر اُدھر نظر دوڑائی نہ
دائی نظر آئی نہ ہمراہیان دلخواہ نہ کوئی جہاز نہ ہندوستان کی راہ دل میں آتش غم
شعلہ زن ہوئی ایک آہ شرر بار نکالی اور پھر بیہوش ہو گیا دور وز اسی حال پُر ملال میں
بہتا پھرا تیسرے دن جب کچھ دم باقی نہ رہا جان لب پر آئی تو لب بحر نظر آیا بہزار دقت
و خرابی کنارے پر پہونچا پاس ہی جنگل پُر از اشجار میوہ دار نظر آیا پھل کھا تھوڑا پانی پیا تو
ہاتھ پاؤں میں ذری طاقت آئی۔ ایک طرف کا راستہ لیا تھوڑی دیر چلکر ایک شہر مینو سواد
رشک نوشاد دکھائی دیا۔ کچھ گبرو جوان باہر کھڑے باہم ٹھٹھا مخول کر رہے تھے۔ راجا
کو دیکھکر حیران ہوئے اُنہوں نے اس شکل و جمال کا آدمی اس خراب حال میں پہلے کبھی نہیکو
دیکھا تھا قریب آکر بڑی آرزو سے حال پوچھنے لگے۔ راجہ رتن سین نے آہ بھر کر کہا گم کردہ
کارواں کم بخت انسان ہوں سر پر اسوار روز سیاہ ہے بھوک پیاس سے میرا حال
تباہ ہے نہ مجھ میں طاقت گفتار نہ تاب رفتار بہتر ہے تم مجھے اپنے حاکم کے پاس لے چلو
کہ ایک ہی بار اپنا ماجرا کہہ سناؤں وہ رحمدل جوان راجہ کا احوال دیکھکر بہت خوش

ہو گئے تھے وہی اُس کو رہبری کر کے حاکم شہر کے پاس لے گئے جو ایک نیک طبیعت لطیف طبع آدمی ہے پرکاش نام تھا اُس نے راجہ رتن سین کے چہرہ کو بغور دیکھکر جانا کہ ایک شخص دریجر محبوبی کوئی بادشاہ کسی دیار کا یا وزیر کبھی شہریار کا رنج مفارقت دیدہ یا تلخئ روزگار چشیدہ جستجوئے دلدار میں یا گرفتار گردش روزگار میں اتفاقیہ یہاں آنکلا ہے۔ دمبدم آہ پُرسوز نے متاع صبر و شکیب کو جلا ڈالا ہے دیدار طلب آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان بہ رہا ہے دل ہجر کے صدمہ سے رہا ہے ملائمت سے پوچھا اے گلِ گلزار غربی یوں خستہ خاطر کیوں ہو رہا ہے۔ بتا تو سہی وطن کہاں ہے نام کیا ہے کس کی طلب میں غربت اختیار کی۔ کام کیا ہے راجہ نے آبدیدہ ہو کر کہا

گُل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں　　غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

پرسوں تک چتوڑ گڈھ کا راجا تھا راجہ گندھرب سین والئے سنگلدیپ کا داماد تھا۔ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہر طرح دلشاد تھا آج غریب الوطن ذلیل و خوار گم کردہ کارروان ہجر و بلا کا طالب دیدار ہوں جب پرکاش کیفیتِ حال سے آگاہی پاکر راجہ کے قدموں پر گر پڑا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور چندے یہاں قیام فرماویں۔ جان نثار و نمک غلامان خانہ زاد سمجھئے دل و جان سے خدمتگذاری کے لئے حاضر رہیں گے اور جس کی تلاش ہے اُس کا پتہ نکالنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھیں گے۔

سینتیسواں باب

روانگیٔ لشکرِ منصور تخت گاہِ چتوڑ

راویانِ شیریں زبان و حاکیان خوش بیان ناقل ہیں کہ جس جزیرہ کے حاکم کے پاس وہ حسرت و یاس کی تصویر یعنی راجۂ دلگیر پہنچا تھا وہ حاکم راجہ سمندر کا ایک صوبہ تھا۔ جس کے محل کو اُس شمعِ نور یعنی پدماوت بھیور نے روشن کر رکھا تھا اور وہ راجہ سمندر راجہ گندھرب سین کا ایک وفادار باجگذار تھا اسی کے لئے تو تم نے پدماوت کو محل میں لیجا کر اپنی بیٹی سے

بھی زیادہ لاڈ پیار کے ساتھ رکھا ہوا تھا جسے پر کاش حاکم نوادیپ نے بھی راجہ رتن سین کی خدمتگزاری میں بساط بھر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا سب سے بڑھ کر عالیشان مکان جو وہ مہیا کر سکا راجہ کے رہنے کو دیا عمدہ سے عمدہ سامان سے جو اُس سے بہم پہنچ سکا اُس مکان کو سجایا لیکن کسی آرام جان کے بغیر راجا کی پریشانی میں دن دگنی رات چوگنی ترقی تھی چرخِ کینہ پرور کی جعلسازی اور روزگارِ ناہنجار کی شعبدہ بازی سے حیران یاد دلدار میں آنسو بہاتا کلیجہ کا درد حد سے بڑھ جاتا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا اور کہتا

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا ۔۔۔ کہ جس کے عوض یوں رُلانے لگا
ملا میرے دلبر کو مجھ سے خدا ۔۔۔ نہیں تو میرا دل ٹھکانے لگا

حاکم اُس کی آہ وزاری و بے قراری کو دیکھکر بہت کُڑھتا - دل بہلانے کی خاطر کبھی شغل مے نوشی کے لئے کہتا کبھی سیر باغ کی ترغیب دیتا مگر اُسے قلقل مینا سے خندۂ محبوب کی یاد آجاتی نکہت گل سے رائحۂ عنبر بارِ دہانِ یار اور بادِ نسیم کے سرد جھونکے سے شمیم زلف یار کا تصور جو آجاتا تو پہروں یہ حال ہو جاتا کہ نہ ہوشیار نہ بیہوش مثل تصویر خاموش بیٹھا رہتا کبھی دماغ میں جو سوز پیدا ہوتا تو گھبرا کر یہ اشعار پڑھنے لگتا -

شامِ ہجراں نے دکھایا جو یکایک عالم ۔۔۔ یادِ گیسو نے کیا اور بھی دل کو برہم
وصل کے دن میں جو تھے عیش کے اسباب بہم ۔۔۔ اُسکی فرقت میں ملے خاک میں کیوں دیتے ہم
سنگِ اندوہ جو تھا ہجر نے دلبر مارا ۔۔۔ جامِ عشرت پہ مرے گویا کہ پتھر مارا

ادھر وہ فرشتہ خصال راجہ سمدر ہر چند پدماوت کی دلجوئی میں وتشفی میں کوشش کرتا - لیکن پدماوت کا غم والم کسیطرح کم نہ ہوتا - راجہ رتن سین کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتی - راجہ سمدر کی ایک بیٹری لچھمی نام حسن میں ماہ تمام پدماوت کی ہم سن تھی اُس دن اُس کی دلدہی کیا کرتی لیکن اُسے پیارے شوہر بنیر کبھی کل نہ پڑتی لچھمی کی ماں جیسا بیٹی کو چاہتی تھی اُس سے بڑھ کر پدماوت کو محبت کرتی اُس کے امن و آسایش میں پورے پورے حیلے کو کام میں لاتی چنانچہ کبھی لچھمی کی سہیلیوں کو بلاتی کہ ہنس کھیل کر اُس کا دل بہلائیں کبھی خود سیرِ گلزار کو لیجاتی کہ بوئے گل سے اُس کا دماغ راحت پائے لیکن یہ اسباب خود اُس کے جوشِ جنون کا سامان ہوتے - فغانِ بلبل پر گل کیطرح گریبان صبر چاک کرتی رتبِ فرقت

کی کثرت سے جو سینے میں جلن پیدا ہوتی تو حرکات مجنونانہ اس سے ظہور میں آنے لگتیں چنانچہ کبھی بے حجابانہ شور و فغاں کرنا کبھی طبع فسردہ دل مردہ ٹھنڈی سانسیں بھرتی ایسے حال میں لچھمی اور اُس کی سہیلیاں کہتیں۔ رانی کیوں تجھے جنون سے واسطہ ہے وہ رب العالمین جامع المتفرقین جلد کوئی سبب بنا دیگا۔ راجہ کو تجھسے ملا دیگا۔ اس طرح حال تباہ کرنا تو نرا خبط ہے ہمسے نہ سُننا نہ بولنا۔ کھانا۔ پینا چھوڑ دینا شب و روز آہ و فغاں کرنا ایک دن جان جانیکا ڈر ہے ✦ سے سنسان تو دم بخود ہے رہتی

کچھ کہتی تو خبط سے ہے کہتی

کرتے ہیں جو بھوک پیاس بس ہیں — آنسو پیتی ہے کھا کے قسمیں
جامے سے ہے زندگی کے کیوں تنگ — کپڑوں کے عوض بدلتی ہے رنگ
صورت میں خیال رہ گئی ہے — ہیئت میں مثال رہ گئی ہے
کبتک تو رہیگی بے خور و خواب — زایل ہوئی تیری طاقت و تاب
سطح الم میں مرتی ہے کیوں — ترک خور و خواب کرتی ہو کیوں
ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے — کس چاند کو کیا گہن لگا ہے
رحم اپنی جوانی پر ذرا کر — مُنہہ دیکھ تو آئینہ منگا کر
صورت تیری زار ہو گئی ہے — گل ہو کے تو خار ہو گئی ہے

پدماوت کچھ جواب دُینے لگتی تو آنسوؤں کا تار گلے کا ہار ہو جاتا دم گھٹتا اُس کی مزاج ملال امتزاج کا یہ احوال دیکھکر سب پریشان تھے۔ فکر میں غلطاں پیچاں تھے کہ اے کارساز کرمفرما اس شورش کا انجام بخیر ہو ✦

آخر یہ توجی سے اپنے تھی تنگ — ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ
یاد آئیں جو ابروان خم دار — رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
وہ سبزۂ خط جو یاد آئے — جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے
کر یاد کہیں چہ ذقن کو — کودے نہ کوئیں میں باولی ہو

اس مقام پر ناظرین باتمکین کی آگاہی کے واسطے یہ بات درج کردینی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ رانی پدماوت کے راجہ سمدر کے پاس پہونچنے کے تیسرے دن بعد رانی کی

بہت سی سہیلیاں اور راجہ رتن سین کے ہمراہی کنور بھی سمندر میں بہتے بہتے قریب قریب اُسی کنارے آلگے تھے جہاں رانی پدماوت آ لگی تھی راجہ سمندر کے نوکروں نے جو اتفاق سے اُنکو ملگئے اُنھیں دربار تک پہنچا دیا اور مفصل حال دریافت ہونے پر اُس کے سلامت حال پر نہایت شادمانی کی سب طرح سے مہربانی کی جواہر باغ رہنے کو دیا گیا پدماوت کو سہیلیوں کے ملنے سے خوشی تو ہوئی تھی لیکن اس خوشی کا عمل دخل اُس کے دل پر ایسا ہی تھا جیسے ایک ہوا کا جھونکا ایک جسم کو چھو کر نکل گیا راجہ رتن سین کے فراق میں پھر وہی بیقراری وگریہ وزاری نے دل پر قابو پالیا رات دن میں کسیوقت بھی کبھی دل کو قرار نہ تھا راجہ سمندر پدماوت کی شورش مزاج معلوم کر کے اندیشہ میں گھلا جاتا تھا۔ ایک دن دربار میں بیٹھا ہوا وزیروں سے مشورہ طلب کر رہا تھا کوئی صلاح دیتا۔ راجہ گندھرب سین کو اس باب میں ایک خط تحریر کرنا چاہیئے۔ کوئی کہتا جواب آنے تک پدماوت کو پابہ زنجیر کرنا چاہیئے کہ دیوانے کی آزادی اُس کی بربادی کا سامان ہے۔ کوئی رائے دیتا پدماوت کو ایک جہاز پر اسوار کر کے لنکا بھیجدیا جاوے۔ اتنے میں ایک قاصد نمودار ہوا جس نے حاضر ہو کر پایۂ تخت کو بوسہ دیا اور ایک لفافہ ہمیانی سے نکال کر وزیر کو دیا۔ وزیر باتدبیر نے آقائے نعمت کی اجازت سے کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

بعد ادائے مراسم عبودیت و لوازم اطاعت کہ دیباچہ خلوص اعتقاد کا ہے اور شیوہ غلامان خانہ زاد کا ہے کمترین بندگان درگاہ غلام جے پرکاش حاکم نواویپ عرض پرداز ہے کہ راجہ رتن سین والئی چتوڑ چند روز سے بحال تباہ و دل ناشاد یہاں وارد ہے۔ شادی کا حال حضور والا کو معلوم ہے۔ دنیا میں اس کی دھوم ہے۔ تباہی جہاز و دیگر اسباب نے اُسے یہاں تک پہنچایا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ خود بھی موت کے پنجے سے چھوٹ کر آیا ہے گو خدمتگذاری میں ہم لوگ سر مو فرق نہیں کرتے مگر راجہ ہر وقت بیچین ہے رات دن رونے دھونے سے کام ہے نہ خواب ہے نہ آرام ہے حکم ہو تو پایۂ تخت جلال کی جانب روانہ کر دیں۔ عریضہ نیاز جے پرکاش حاکم نواویپ ۱۲ جیٹھ شمبہ ۱۳ بکرمی بمجرد استماع مضمون خط راجہ سمندر ایسا دلشاد ہوا کہ رنج و فکر سب دور ہو گئے اسی خط کی پشت پر راجہ رتن سین کو فوراً روانہ کر دینے کا حکم لکھکر محل میں آیا اور پدماوت کو پاس

بلا کر یہ مژدۂ جانفزا سُنایا پہلے تو اُسے سُنکر باور نہ آیا سمجھی کہ فقط تسلی کے لئے یہ بہانا بنایا ہے۔ لیکن جب تین روز بعد راجہ رتن سین نے ایک دن جب پدماوت لچھمی کے ہمراہ باغ میں حوض کے کنارے بیٹھی ہوئی اُمید و بیم کی حالت میں عجیب خیالات کی مخزن بن رہی تھی دفعتاً آکر رانی کو سینہ سے لگا لیا تو اُس کے تن مُردہ میں جان آگئی شمشاد کے تلے دونوں گلے مل مل کے ایسے روئے کہ گلے بیٹھ گئے۔ دوچار روز تک تو عیش و انبساط کے جلسے ہوتے رہے۔ عاشق و معشوق داغ ملال کو آبِ وصال سے دھوتے رہے آخر سفر پر تیار ہو گئے۔ راجہ سمدر کا بہت شکریہ ادا کیا اور رخصت روانگی طلب کی بہت سے احترازات کے بعد راجا نے سامان سفر درست کیا اور اتنا کچھ دیا کہ راجہ کُل مال و اسباب کے نقصان کو بھول گیا خصوصاً پانچ تحفے تو ایسے دئے جنہیں عجائبات روزگار میں شمار کرنا چاہئے پہلے ایک سونے کے پنجرے میں ایک ہنس تھا۔ دوسرا تھوڑا سا آبِ حیات جس کے پینے سے جوانی عود کر آتی تھی تیسرا ایک سنگِ پارس جس کے پاس رہنے سے کوئی عارضہ یا آسیب ہونے نہ پاتا تھا۔ چوتھا ہون دستہ طلائی جس میں کوٹی ہوئی دوا کھانے سے ہر طرح کی بیماری دور ہو جائے۔ بلکہ انسان عُمر دراز پائے۔ پانچواں چاندی کے پنجرے میں ایک شیر سُرخ تھا۔ دمِ رخصت لچھمی کی ماں نے پدماوت کو کنار میں لے کر پیار کیا اور دعائیں دیں لچھمی کو پدماوت سے بہت محبت ہو گئی تھی اُس کی مفارقت نہایت گراں گذری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حیرت سے پدماوت کا منہ تکتی کچھ بات نہ بولتی تھی ہاں ٹھنڈی سانسیں بھری جاتی پدماوت نے اُسے آغوش میں لیا اور تسلی کی باتیں کرنے لگی کہ پرمیشر مسبب الاسباب ہے دیکھو پھر جلد ملاقات کا سبب بنا دیگا۔ لچھمی نے آہ بھر کر کہا ؎

آپ کی باتوں سے یہ اور بھی دل دُکھتا ہے
جائیے بہرِ خدا یاں سے کہ دم رُکتا ہے

اڑتیسواں باب

واپسی چتوڑ گڈھ میں راہ دور سے

منوّر ہونا شہر کا پیرایۂ نور سے

اُس جزیرہ سے لنگر اُٹھتے ہی جہاز تیز رفتاری کے ساتھ بحرِ ہند میں ہندوستان کی راہ پر روانہ ہوا ہوا موزوں اور طالع میموں آمادۂ مددگاری تھا تھوڑے ہی عرصہ میں کشتیٔ مقصود ساحل مُراد پر آلگی وطن کی جو ہوا لگی سب کے غنچۂ دل شگفتہ ہو گئے خوشی خوشی کنارے پر اُترے راجہ رتن سین کے بہت سے ہمراہی جو تباہی جہاز کے وقت منتشر ہو گئے تھے اس جگہ راجہ سے ملاقی ہوئے سنگلدیپ کی پدمنیاں جو اُنکی بیویاں تھیں مردوں کی نسبت سمندر کی بھینٹ کم ہوئی تھیں پدماوت اور اپنے خاوندوں سے مل کر باغ باغ ہوئیں۔ مصائب گذشتہ کو ایک دوسرے کے پاس بیان کرکے بچھڑ کر ملجانے کے لئے ہر دم پرمیشر کا دھیان اور شکر کرتی تھیں خاوند تسلّی آمیز باتوں سے اُن کے شکستہ دلوں کی مرمّت میں ساعی تھے اُن بیچارے مردوں کی حالت زار پر بہت رحم آتا تھا جن کے آرام دل دلارام بیویاں ہمیشہ کے لئے اُن کے دلوں پر داغِ مفارقت دیکر راہیان آبِ شور کا طعمہ ہو چکی تھیں اس سے بھی زیادہ قابل رحم حالت اُن غریب آفت نصیب مستورات کی تھی جن کے پیارے خاوند اُن سے اسطرح جُدا نہ ہوئے تھے جیسے کسی کا خاوند بتلاش روزگار یا بنج بیوپار کے واسطے چند دن کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور جسکے واپس آنے اور نفیس نفیس تحفہ جات ہمراہ لانے کی اُمید میں دیدار طلب آنکھیں ہر دم دروازے کی چوکھٹ پر لگی رہتی ہیں بلکہ اسطرح کنارہ کر گئے تھے کہ اُن کی ہستی اب خواب و خیال ہو گئی تھی اُن کی جوانا مرگ سے اُنکی اپنی زندگی جی کا جنجال ہو گئی تھی افسوس نہال قامت میں جوانی کی بہار کے شگوفے ابھی کھلے ہی تھے کہ خزاں نے

اپنی دستبردِ شروع کی عطرِ سہاگ کی بُو ابھی بالوں سے آہی رہی تھی کہ بیوگی کی گرد نے اُنہیں جڑ سے اُکھاڑ کر پھینکدیا۔ ہائے اس صدمہ کا درد وہی جانے جس کی شبِ عروسی کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ ابھی پھیکا بھی نہ پڑا ہو کہ خاوند اُس کا مرجائے۔ تیرِ مفارقت جگر میں چھید کرجائے اس کنارہ سے سری جگنناتھ جی کا مقدس مندر تھوڑے ہی کوس دور تھا اس کے پاک درشنوں سے ثوابِ آخرت حاصل کرنا ضرور تھا اس لئے وہ قافلہ و قافلہ سالارِ ہندوستان میں کامیابی کے ساتھ واپس آنے کی خوشیاں مناتے یادِ رفتگان میں آنسو بہاتے آتے آتے پوری میں آئے اور جگنناتھ جی کے درشنوں سے لابھ اُٹھایا۔ یہاں اور بہت سے راجہ کے گم شدہ جان نثار اور رانی کی خادمان گلعذار اپنے مالک و ملکہ کی شرفِ پابوس سے مشرف ہوکر باعثِ انبساطِ خاطرِ راجہ و رانی ہوئیں چند روز بعد ورودِ لشکرِ نصرت اثر صوبہ اُڑیسہ میں ہوا یہاں راجہ کو بعض خیر خواہانِ دولت نے صلاح دی کہ تعدادِ لشکرِ ظفر پیکر کسیقدر کم ہوگئی ہے کچھ نئی فوج یہاں سے بھرتی کرانی چاہئے کہ باعثِ تزک و احتشام بھی ہو اور آئندہ مہمات میں بھی کام آوے۔ راجہ کو معلوم تھا کہ خزانہ میں نقد روپیہ کی تعداد معمولی ہے اس لئے کچھ طول سا ہوگیا۔ پدماوت نے یہ حال معلوم کرکے وہ وہ جواہر جو بھیمی نے پان کے بیڑے میں رکھکر رخصت کے وقت نذر کئے تھے۔ ہمیانی سے نکال کر راجہ کے حوالہ کئے اُنہیں بیچکر بہت سی نئی فوج بھرتی کرلی گئی۔ اور کوچ درکوچ مسافت طے کرنے لگے۔ تھوڑا عرصہ بعد نواح چتوڑ خیام گاہِ لشکر منصور ہوا اور اُس عالیجاہ مہاراجہ کے وطن پھر آنیکا شہرہ پھیل گیا شہر جو گلشن سرما شدہ کیطرح بے رونق و بے آباد ہورہا تھا اُس نوبہار کے آنے سے ایک آراستہ گلزار کیطرح پُراز نقش و نگار ہوگیا۔ باشندگان شہر جو اُس یوسفِ گم گشتہ کے فراق میں دید کے اشتیاق میں بیقرار شب و روز دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ پرمیشر جلد وہ دن لائے جو اُس کی نورانی صورت نظر آئے۔ اس خبر فرحت اثر کے سُننے سے باغ باغ ہوگئے۔ ارکانِ سلطنت و اُمرائے ذی مرتبت نے صدہا اپنے بادشاہ ذی جاہ کا استقبال کیا۔ دو خلقت کے وقت شہر میں وہ خوشی کا جوش باجوں کا خروش زن و فرزند کا ہجوم پیادہ

واسواری کی دھوم راجہ کے دیکھنے کے لئے لوگوں کی بے قراری گلی کوچہ کی آراستگی و تیاری اس اُجڑے شہر کا آناً فاناً آباد ہونا الم رسیدہ لوگوں کا دل شاد ہونا راجہ کے ہمراہیوں کے عزیزوں سے ملنے کے لئے بیتابی بچھڑوں سے ملنے والوں کی شادابی چھوٹی بچوں کا خوشی سے تالیاں بجانا سٹیٹ بینڈ کا قومی راگ گانا فوج ظفر موج کا سلامی اُتارنا نقیبوں کا مہاراج سلامت عالم پناہ سلامت پکارنا خاص و عام کا پھول برسانا محتاجوں کو روپیہ اشرفی لٹانا سواری کا آہستہ آہستہ بڑھنا بھاٹوں کا دُعائیہ و مدحیہ اشعار پڑھنا کیفیت قابلِ دید ہوگئی گھر گھر عید ہوگئی پہلے راجہ رتن سین محل میں ماں کیخدمت میں حاضر ہوا وہ بیچاری نور چشم سے جدا ہوتے ہی چشم سے بینائی جسم سے تاب و توانائی کھوئے ہوئے زندگی سے بیزار موت کے انتظار میں ایک گوشے میں شیمی رام کا سمرن کیا کرتی تھی بیٹے کے ملتے ہی خوشی سے پھولی جامے میں نہ سمائی قدرت حق برحق دیکھی گئی ہوئی بصارت آنکھوں میں عود کر آئی نوبت خانے میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ کرنانے کان بہرے کر دئے وہ شور مچایا کوس رویئن خم نے آسمان سر پر اٹھایا محل کی عورتیں پدماوت کو سُکھپال سے اُتار کر محل میں لے آئیں جو پہلے سے اس رشکِ قمر کے واسطے مخصوص کر رکھا تھا ہمجولیاں آس پاس بیٹھی مصائب گذشتہ کے ذکر و اذکار سے یاد اقربا و ملک زرنگار سے اپنے بیقرار دلوں کو جو سفر کے بھاری صدمے اٹھائے ہوئے تاہنوز برقرار نہ ہوئے تھے تسکین دینے لگیں پدماوت ایسے دور و دراز سفر کے بعد راجہ کی صحیح سلامت منزلِ مقصود پر پہونچ جانے کے لئے ہردم پرمیشر کا شکر بجالاتی چتوڑ کی عورتیں جوق جوق اس شمعِ بزم کے دیکھنے کے لئے آتیں اور جو آتی پروانہ وار ہٹ کر جانا نہ چاہتی راجہ سعادتِ پابوس والدہ سے فارغ ہو کر اُمراء اراکین و شہر فائے شہر کی ملاقاتوں میں مصروف رہا بیقرار جان نثار آنکھ بھر دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ شام آگئی آفتاب غروب ہوگیا یعنے وہ مرغوبِ خاطر محجوب ہوگیا رانی ناگمتی جو راجہ کے فراق میں ماہی بے آب کیطرح بیتاب رہتی تھی رونے دھونے میں مشغول بے خور و خواب رہتی تھی اس کے آنے کی خبر سنکر بہت خوش ہوئی یہ پژمردہ جان میں

جان آئی - جسم میں تاب و تواں آئی - جیسے برسات کے آنے سے عالم نباتات پر
رونق آجاتی ہے ویسے ہی اُس کملائے ہوئے پھول یعنی ناگمتی ملول کی حالت
پر شگفتگی چھاگئی سارا عالم سرسبز نظر آنے لگا - ہوا کا ہر ایک جھونکا جو اُس کے جسم
کو چھوتا تھا نہایت سرد معلوم ہوتا تھا - جوانی دریائے گنگ کیطرح لہریں مارنے
لگی دل میں سرور آگیا وہی گھڑی میں مُنہہ پر نور آگیا - خادموں سے کہا فوراً
سامان اس اجڑے مکان کا درست کرو - اسباب عیش و راحت جو مُدت سے
ڈھیلا پڑا ہے چُست کرو - مہاراجہ تشریف لانے والے ہیں پہلے اُن کے بیٹھنے کے
لئے تخت بچھانا چاہیئے - سوز و گداز فراق اب آنسوؤں کی راہ بہانا چاہیئے - یہہ
حکم دے کر آپ زیب و زینت میں مصروف ہوئی اور بن ٹھنکر چاند کا ٹکڑا بن گئی -
غرورِ حُسن سے تن گئی - اتنے میں خواص دوڑی آئی اور خوشخبری لائی کہ مہاراج تشریف
لاتے ہیں - رانی ناگمتی دیکھکر تخت کے پیچھے ہو بیٹھی - راجہ نے کہا تعجب اتنے دن
بعد شوہر آوے اور عورت مُنہہ پھیر بیٹھے - پہلو میں اُس کا دل ہے یا پتھر کا ٹکڑا - آہن
بھی اُس کا لوہا مانے تو بجا ہے - رانی نے کہا جو شوہر اُٹھتی جوانی میں عورت کو چھوڑ کر چلا
جاوے وہ پھر کسطرح مُنہہ دکھاوے - سینہ میں اُس کا جگر ہے یا سنگ خارا - پارہ روئین
اُسے کہیں تو روا ہے - راجہ نے کہا رانی شکوہ ہائے ماضی سے ملول نہ ہونا چاہیئے -
بے عقلی کی نشانی ہے - آب خوشگوارِ وصل سے غبارِ دل دھونا چاہیئے حاصل زندگانی
ہے - رانی نے کہا جس کے واسطے آپ سلطنت کے ساتھ ہمیں بھی چھوڑ کر جوگی بن گھر
بار سے کنارہ کر گئے بارِ مفارقت دل پر دھر گئے - اب اُسے چھوڑ ہم سے کیوں ملنے لگے -
راجہ نے کہا مت خیال کر کہ گنگا کا پانی سفید اور عزیز ہے - آب جمن بھی باوجود تاریکئ رنگ
شیریں اور مرغوب طبع چیز ہے - رانی نے کہا نئے کو چھوڑ پرانے کو کون پہچانے جس کا
پیارا پاس ہو وہ جُدائی کی تکلیف اُس کی بلا جانے راجہ نے کہا نیک عورت خاوند سے
کبھی برہم نہیں ہوتی سچی مُحبت کسی حالت میں کم نہیں ہوتی جب برسات بہر آمد جو دھوئی
تو تپش کا کچھہ مذکور نہیں سخت محبت میں جلنا تیرا حق تھا - خلاف دستور نہیں - رانی
نے کہا ہم آپ کے واسطے جل کر خاکستر ہو گئے - ہمارے سوز و گداز سے جنگل کے چرندو

پرند بھاگ نکلے - لیکن آپ نے بھولے سے بھی ہماری یاد نہ کی اب کس اُمید سے ملنے کے لئے باہیں گلے میں ڈالتے ہو یہ ظاہرداری تہ کر رکھیئے - باتیں مجھ سے کرتے ہیں وصیان کہیں اَور ہے - چہرہ پر بے قراری کے آثار نمودار ہیں معاملہ قابل غور ہے - جوگی اور بھونرے کی خاصیت ہے کہ ڈالی ڈالی پھرتا ہے - خواہ انگور کو چھوڑ کر میوے کا رس چکھنا پڑے - سچ ہے سوت عورت کو مرد پر دلیر کر دیتی ہے - راجہ کو رانی کے خطاب باعتاب کا جواب دینا پڑا تو یہی کہ گلے میں باہیں ڈال کے بزور سینہ سے لگالیا - کچھ چاپلوسی کچھ پیار کی باتیں کر کے روٹھے کو منالیا - اب جذبۂ شوق سے شرم وحیا کی کشتی دونوں کی دھینگا مشتی زور کیفیت دکھانے لگی ابھی دو گھڑی بھی چین سے بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ مرغ سحر گلا پھاڑ پھاڑ کر سوتوں کو خواب ناز سے جگانے لگا - چاند دوڑتا ہوا اپنے آرام گاہ کیطرف جانے لگا - ستاروں کے مُنہہ پر ہوائیاں چھُٹنے لگیں - ظالم آسمان کے تفرقہ پرداز اشاروں سے کوئی خوبصورت سونے والا آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا اور کسی آرزومند پر ترچھی نگاہ ڈال کر ماہِ شب افروز کیطرح آنکھوں سے اوجھل ہوگیا - یعنے اودھر آسمان کی بزم آرائیاں موقوف ہوئیں - دروازہ خاور سے مہر عالمتاب کا منظر کھُلا - اُودھر راجہ رتن سین اُٹھ کر پدماوت کے محل میں آیا آکر کیا دیکھتا ہے کہ رانی کا چہرہ ملول ہے - کنول کے پھول سی آنکھیں بے رونق ہو رہی ہیں - غضب و غیرت سے چہرہ تمتمایا ہوا ہے - راجہ کو دیکھکر اور اس لہجہ سے کہا رات تو تارے گن گن کے کاٹی اب سورج کو دیکھکر طبیعت اَور بھی گھبراتی ہے - آپ نے تو رات بھر خوشیاں منائیں - میں نے رو رو کے آنکھیں سُجائیں - جہاں رات بسر کی اب بھی وہیں تشریف رکھیئے - ہم کون غریب پردیسی گھر بار سے نکالے وہ آپ کی رانی آپ اُس کے چاہنے والے راجہ یہ باتیں سُنکر ہنسا لیکن پدماوت زار و قطار روتی سسکیاں بھرتی کسیطرح تسلی کو نہ مانتی تھی -

چالیسواں باب

دو سوتوں کی مُلاقات

رانی کا روٹھنا روتے ساری رات تفرقہ گیا چہرہ پر غم کا بادل چھایا ہوا تھا آنکھوں

سے آنسو ٹپ ٹپ نکل رہے تھے جیسے آسمان سے تارے ٹوٹتے ہیں۔ راجہ نے کہا
پدماوت تو میری جی پران ہے تیرے سوا کسی کی محبت سے مجھے کیا سروکار جان
بغیر سارا جسم بیکار ہے ساری رات تجھ بغیر تڑپتے کٹی اب تیرے گلرو کو دیکھکر غنچۂ دل
نے شگفتگی پائی ہے خوشبو کیطرح تو میرے دل میں سمائی ہے بھونرا جب مالتی کے
غنچہ کو پاتا ہے تو اُسے چھوڑ کر بھلا غیر پھول پر جاتا ہے۔ پدماوت نے جواب دیا میں
سنگلدیپ کی پدمنی ہوں جس کی ہوں ہر دم اُسیکا دھیان رکھتی ہوں مرد ہرجائی
ہوتے ہیں اُن کا کیا اعتبار انہیں شیوۂ وفاداری سیکھنا محال ہے۔ میں نے آپ
کی محبت میں جو کچھ دیکھا آپ جانتے ہیں۔ جان جانے تک دریغ نہیں کیا اس بات
کو مانتے ہیں اس پر بھی اگر آپ کو دوسروں کا خیال ہو تو پھر فرمایئے کیونکہ یہ ملال ہو۔
راجہ نے کہا اے جان مجھے کسی دوسرے سے ہرگز اُلفت نہیں۔ ناگمتی پہلی بیاہی
رانی ہے اُس کو چھوڑنا قانون دھرم شاستر کو توڑنا ہے۔ جدا جیتوں سے ہو نہیں سکتا
اگر رشتۂ شادی ایسا خام ہوتا کہ توڑے سے ٹوٹ سکتا تو میں دوسری عورت کا کبھی
منہ بھی نہ دیکھتا۔ الزام بیوفائی سے چھوٹ سکتا لیکن اس معاملہ میں لاچاری ہے غیر
حاضری قابل معافی ہے بے اختیاری ہے۔ پدماوت نے کہا میں رانی کے پاس
جاتے منع نہیں کرتی افسوس یہ ہے کہ آپ نے میری خبر بھی نہ لی روتے روتے میری
آنکھیں رہٹ کے گھڑے بن گئیں جو خالی تھے آپ نے انہیں بھر دیا جو بھرے تھے
انہیں خالی کر دیا۔ راجہ نے پھر رانی کو بہت تشفی دی گلے سے لگایا خواصوں نے بھی
سمجھایا کہ رانی اُٹھو ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلو۔ ناشتا کھاؤ۔ راجہ کے ساتھ ذری
باغ کی سیر کرو دل بہلاؤ *

اس وقت رانی ناگمتی خوشی خوشی خواصوں سمیت کسی چمن میں کسی گلگشت پر ہے
سہیلیاں پھول چنتی ہیں ہار سنگار کی بدھیاں بناتی ہیں اور رانی کو پہناتی جاتی ہیں۔ غیر
جو شوہر کے ملنے سے باغ باغ ہو رہی ہے زمین پر پاؤں نہیں جمتے۔ خوشی سے دمبدم
پھولتی ہے۔ ناگاہ رانی پدماوت بھی خواصوں سمیت راجہ کے ساتھ ساتھ کسی روش
پر ٹہلتی ہوئی دکھائی دی آگئی یہ دیکھکر دل میں جل ہوئی تاہم پاس ادب سے

پیشوائی کے طور پر آگے بڑھی۔ راجہ رانی ناگمتی کو آتے ہوئے دیکھکر خود تو دیوانِ عام کو تشریف لے گیا اور پدماوت کو ملاقات کے لئے وہاں چھوڑ گیا۔ رانی ناگمتی پاس آ کر آداب بجالائی مزاج پرسی فرمائی اور ہاتھ پکڑ کر پھولوں کی سیر کرانے لگی پدماوت کی مزاج میں جیسے پھول میں بو ہوتی ہے ظرافت بھی تھی۔ ناگمتی کو چھیڑنے کے لئے کہا رانی پھلواری تو تمہاری بہت خوب ہے طبع کو مرغوب ہے۔ لیکن کچھ بے قرینہ ہے جہاں ناگیسر اور مالتی کے پھول ہیں وہاں سنگدھرا لگانا خوب نہ تھا اور جہاں بانکی املی موجود ہے وہاں نارنگی کا سایہ خوشگوار نہیں لگتا۔ ناگمتی سمجھی پدماوت نے چوٹ کی ہے۔ تیوری بدل کے جواب دیا آپ اگر خوشنما لگتا ہے تو کس کام جب کہ دل میں بال ہوں اس سے تو سیاہ رنگ جامن بھی بہت بھلی اور سچ پوچھے تو پھول در حقیقت وہی اچھا جس پر بھونرا فریفتہ ہو۔ پدماوت نے کہا بعض پھولوں پر بھولے سے بھونرا جا بیٹھتا ہے تو وہ اسے ایسا چمٹ جاتے ہیں کہ جدا ہونا محال ہو جاتا ہے۔ ناگمتی بولی تم ناحق غیر کے باغ کو الزام دیتی ہو میں بھی اعتراض کروں تو ابھی پانی چھوڑ دو اور منہہ خشک ہو جائے۔ میرے باغ میں بیر خاردار ہے تو پھر بھی تیرے جنگلی بیگن سے بہتر ہے تجھے اس پھلواری کی بو خوش نہیں آتی تو میں بھی اپنی ناگیسر چھوڑ تیرے انبراؤں میں نہیں جاتی۔ یہ سخت کلامی سنکر پدماوت نے برہم ہو کر کہا میں کیا جانوں تو ہند کی زہر بھری ناگنی ہے ہنسی سے میں نے ایک بات کی اس سے تجھے آگ کیوں لگ اٹھی کہ واہی تباہی بولنے لگی۔ بھلا تیری میری کیا نسبت میں حسنِ صورت و حسنِ سیرت میں حورانِ جنت سے بڑھی ہوں۔ ذات کی پدمنی بھونرا اور ہنس جس کی خدمت کرتے ہیں مانسرتالاب کے کنول پھول میری رنگت اور نزاکت کے سامنے پانی بھرتے ہیں تو ہند کی کالی کوئل جس کے سانپ جیسے خواص ہیں جو زنا تے کے حق میں زہرِ قاتل کا اثر رکھتے ہیں۔ ناگمتی نے جل کر کہا تو میرے ترنج اور جھنبیر کو سیاہ سمجھتی ہے۔ نہیں جانتی کہ نیم اگرچہ تلخ ہے سایہ تو گھنا ہے۔ اچھا تیرے کہنے سے میرا کیا ...... نقصان بھیں اور درخت پر ڈھیلے پڑا ہی کرتے ہیں۔ سدا پھل فروتنی کیوجہ سے ہی ہمیشہ پھلتا ہے۔ انار کا زشک سے سینہ پھٹتا ہی رہتا ہے۔ جائپھل لونگ سپاری اور چھوہارا تو دیکھ نہیں سکتی مرچ کی جان سوختہ ہوتی ہے۔ میں فراقِ شوہر میں جل کر

چونے سے رنگ ہو گئی جو دراصل پان کا رنگ ہوں میں رانی اور شوہر راجا تو کون ہے جس کا خصم جوگی ہے - اگرچہ کچھ شرم و ننگ ہو تو مجالِ سخن تنگ ہو چلّو بھر پانی میں ڈوب مرے - باہیں اٹھا اٹھا کے باتیں نہ کرے - پدماوت یہ سنکر بہت برافروختہ ہوئی - غصّے سے محرم کے بند ٹوٹ گئے - ناگمتی کو لگی سیدھیاں سنانے - غرضیکہ اُس نے اِس کو اور اِس نے اُس کو جو جی میں آیا کہنے سے تامّل نہ فرمایا ہاتھا پائی کی نوبت آئی - قریب تھا کہ دونوں خوریں اکھاڑے میں اُتر آئیں اور جوانی کی اُمنگ میں باہوں کا زور دکھائیں کہ کسی خواص نے دوڑ کر راجہ کو خبر پہنچا دی کہ دونوں رانیاں جھگڑتے جھگڑتے لڑنے کو تیار ہیں راجہ فوراً چلا آیا اور آپ پند سے دونوں رانیوں کے آتشِ غضب کو بجھایا دونوں کی صلح کروا دی - ایک دوسرے کے گلے ملا دی ؞

اکتالیسواں باب

راگھو کا اخراج

راجہ دونوں رانیوں کو اتفاق سے رہنے سہنے کی نصیحت کر کے اپنے ساتھ لے کر محل میں آیا پُر تکلّف دسترخوان بچھایا گیا سب نے ملکر کھانا کھایا - راگ رنگ کا لطف اُٹھایا دل کی کدورتیں دور ہوئیں طبیعتیں مسرور ہوئیں اس وقت سے راجہ رتن سین نے یہ قاعدہ مقرر رکھا کہ ایک رات پدماوت کے محل میں شب سحر کرتا تو دوسری رات رانی ناگمتی کے محل میں بسر کرتا - غرضیکہ شب اُن پری پیکروں سے اور دن داد و دہش سیر و شکار میں گذرنے لگا سب طرح سے خوش و خرم بے رنج و غم کٹتی تھی - شبِ زلف اور صبحِ رخسار کی سیر کرتے کرتے جب کچھ زمانہ گذر گیا تو دونوں رانیوں کے بطن سے جُدا جُدا دو بیٹے پیدا ہوئے - رانی پدماوت کے بیٹے کا نام کنول سین اور رانی ناگمتی کے بیٹے کا نام کنک سین رکھا اور نجومیوں کو بلا کر اُن کے طالع میں غور کرنے کے لئے کہا اُنہوں نے اس پر گرہ شمار کر کے عرض کی کہ دونوں بہت بڑے راجا ہمایوں بخت صاحب تاج و تخت ہوں گے زمانہ کو اُن کی جاہ و حشمت پر رشک آئے گا - راج ملک ہو سکے پہلے پہلے ہی بھائیوں میں تفرقہ پڑ جائیگا

راجہ نے جوتشیوں کو بہت سا انعام و اکرام دیکر رخصت کیا اور خوشی کے جلسے شروع کردئے
اس قدر خیرات کی کہ لوگوں کے دامانِ آرزو بھر گئے۔ جب خوشی کے جلسے اور عیش و
استراحت کی بہاریں انتہا کو پہونچ چکیں اور دنیائے دوں کو آئندہ اُن کا آرام و چین نہ
بھایا تو امن و آسایش کے زوال کا وقت آیا۔ راگھو چیتن ایک فاضل برہمن بید شاستر سے
باخبر نجوم و رمل کا ماہر مرد جہاندیدہ گرم و سرد روزگار چشیدہ پھرتا پھرتا چتوڑگڈھ میں وارد
ہوا یہ مقام اُس وقت عالموں ہُنرمندوں اور صناعوں کا مخزن تھا اور اُنکی قدر بھی یہاں
خوب ہوتی تھی راگھو چیتن چند ہی روز میں مہاراج کے مصاحبوں میں داخل ہو گیا۔ سچ ہے
تونگر وہ جو گنی کا گُن پہچانے جوگی وہ جو اسرار معرفت کو جانے سچا بہادر وہ جو نفس امارہ
کو مارے غصہ کو کھالے اور سنگار وہ جو شوہر کو بھالے راگھو پر راجہ کا اعتبار ایسا بڑھا کہ
اُس کے عروج کے سامنے سب کے طالع مدہم پڑ گئے دربار میں بلبل ہزار داستان کیطرح
چہچہا کرتا اور کوئی بات کرتا تو یہ اپنی فصاحت کے زور سے اُس کی بات اسطرح کاٹ ڈالتا
کہ بیچارہ کو مُنہہ کی کھاکر خاموش ہی رہنا پڑتا۔ بُرے دن جو آتے ہیں تو علم و ہُنر سب خاک
میں ملجاتے ہیں ایک روز کا ذکر ہے راجہ دربار میں سریر سلطنت پر جلوہ آرا تھا۔ امیر و
وزیر پر جوتشی پنڈت اپنی اپنی جگہ پر رونق افروزی بارگاہ تھا۔ طرح بطرح کے ذکر اذکار ہو
رہے تھے۔ اتفاقاً راجہ رتن سین پوچھ بیٹھا دویج کب ہے راگھو کے مُنہہ سے نکل گیا مہاراج
آج ہے۔ باقی سب پنڈتوں نے ملکر کہا اس کے دماغ میں خلل ہے دویج کل ہے۔ راجہ
نے پہلے پنڈتوں کیجانب نگاہ کی پھر راگھو کیطرف دیکھا وہ حضور معلی کا منشا تاڑ گیا مُنہہ پر
ہاتھ پھیر کر کہنے لگا اگر دویج آج نہ ہو تو کبھی دربار میں یہ مُنہہ نہ دکھاؤں ورنہ ہر ایک پنڈت
کو ذلیل کراؤں پنڈت لوگ اُس کے برخلاف تو تھے ہی سمجھے کہ اب خوب قابو آیا اقرار
و انکار بحث مباحثہ کے بعد قسم کو اور بھی پختہ کر دیا اور شہر بدر ہونے کی شرط قرار پا چکی اب
راگھو نے گھر میں آکر شمار کیا تو دویج کا ہونا واقعی دوسرے دن پایا اپنی عجلت اور شیخی پر
پچھتانے لگا مگر اب وقت نکل جانے پر پچھتانے سے کیا بن سکتا تھا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اس
طرف خیال کے گھوڑے دوڑانے لگا۔ اتفاق سے اُسے کُل وشٹ بند کھیل یاد تھا اپنی
سمت پاجائے زور سے شام کو سطح فلک پر ہلال دکھا دیا پنڈتوں نے مل کر مہاراج کی

خدمت میں عرض کی کہ گنواروں کو دھوکا دینا محال ہوتا ہے۔ عالم پناہ یہ تو گشت شدہ
ہے نہ کہ ہلال ہے یہ پنڈت تو کوئی پورا پورا ساحر ہے جو ایسے ایسے جادو کر دکھاتا ہے،
کل شام تک دیکھئے کیا تماشا نظر آتا ہے۔ حقیقت میں دوسرے دن سرِ شام آسمان پر
جو نگاہ کی تو دویج کا چاند صاف دکھائی دیا سب نے کہا بیشک راگھو چیتن نے کل روز
منتر دکھایا ہے راجاؤں کے دربار میں جادوگروں کا کیا کام ایسی ٹھگ بدیا سے ڈر کر
رہنا چاہئے اس نے تو کامروپ دیش میں جادو سیکھا معلوم ہوتا ہے اس کے گرد لونا
چماری ہے یہ تو جس مکان میں رہے گا اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا شہر میں الو
بلا دیگا جس نے اماوس میں دویج دکھا دی وہ ایک دن چاند کو گہن بھی لگا دے
تو کیا تعجب ایسی ایسی باتوں سے پنڈتوں نے راجہ کو راگھو کے برخلاف ایسا اکسایا
کہ راجہ رتن سین نے غصہ میں آکر راگھو کے حق میں جلا وطنی کا حکم دے دیا اور یہی حکم
اس کے عروج و اقبال کی جڑ کاٹنے کے لئے درانتی کا کام دینے لگا آناً فاناً یہ خبر شہر
میں پھیل گئی اور راگھو کا معاملہ بازار کی عام گفتگو ہو گیا کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ نتیجہ یہ ہوا
کہ دوسرے دن علی الصباح ہی راگھو کو بوریا بندھنا باندھ کر چتوڑ گڈھ سے کوچ کرنا پڑا،
رانی پدماوت نے بھی یہ سب احوال الف سے لیکر یے تک سنا سر دھنا اور بہت
افسوس کیا کیونکہ اسے خیال ہوا کہ راگھو جیسا تیز فہم اور فطرتی شخص جب آدمی کے ہاتھ سے
ذلت و رسوائی کے ساتھ شہر بدر کیا جاویگا اس کے راہ میں کانٹے بونے سے بس لگے کوتاہی
نہیں کریگا ایسا نہ ہو بادشاہ دہلی سے جا ملے اور مہاراج پر کوئی آفت ڈھائے در پردہ
اس کے پاس پیام بھیجا کہ آج سورج گڈھ میں قیام رہے اور کل صبح شہر چھوڑنے
سے پہلے محل کے نیچے آکر ٹھیرے مجھے کچھ کہنا منظور ہے۔ رانی پدماوت جیسی حسن
جمال میں رشک حور و پری تھی ویسی ہی دانائی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس لئے
راجا سے اجازت لے کر راگھو کو کچھ دان بھی دینا چاہا اور اجازت لینے تک رہنے کو
مقام بھی بتایا لیکن اس پر راگھو نے بہت پیچ و تاب کھایا جب صبح رانی کے محل کے نیچے
پہنچا یکایک ایک دریچہ کھلا جس سے ایک روئے رخشاں نمودار ہوا جو آفتاب کا جواب ہونے
میں کچھ بھی شک باقی نہ رکھتا تھا ٹکٹکی باندھ کر راگھو نے جو سر اٹھایا تو وہ غارت گر ہوش

چہرہ رحم سے اپنی طرف دیکھتا ہوا پایا ہرگز تاب حسن نہ لا سکا اس طرح بے سدھ ہو کر زمین پر گر پڑا کہ بجلی نے مار لیا۔ رانی نے ہاتھ کا مرصع کنگن جس کی قیمت مصبروں نے اڑھائی لاکھ روپیہ آنکا ہوا تھا اُتار کر باری سے نیچے پھینکدیا گویا چاند ٹوٹ کر زمین پر آ پڑا۔ گلے میں موتیوں کا ہار پڑا تھا جلدی میں وہ ٹوٹ گیا اور بہت سے موتی کنگن کے ساتھ ہی زمین پر آ رہے یعنے چاند کے ساتھ ستارے بھی گرے رانی کو خیال تھا کہ راگھو اس تمام مال سے مالا مال ہو کر چنپت ہو جائے گا لیکن وہ مدہوش فرش زمین سے ہم آغوش وہیں پڑا رہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا کوئی اثر اس میں باقی نہیں۔ رانی ڈری کہ اگر مر گیا تو بڑا شاپ ہوگا خواصوں کو کہا دوڑو اور جلد خبر لو فوراً چند خواصین آئیں اور راگھو کو خبردار کرنے لگیں کسی نے رانچہ زلف عنبر بار دماغ میں پہنچایا کسی نے گلاب عرق رخسار کا نخلخہ سنگھایا تب کہیں جا کر اُس نامراد کو ہوش آیا آنکھیں کھولدیں اور ادھر اُدھر جھانکنے لگا۔ خواصوں نے پوچھا راگھو تجھے کیا ہوا تھا تجھپر سحر کا اثر ہے یا مرگی کی کسر ہے کس نے تجھے کچھ کھلا دیا کہ سانپ ڈس گیا تو چنگا بھلا گر کیوں پڑا تھا۔ راگھو کی آنکھیں جھروکے کی طرف ہی لگ رہی تھیں۔ آہیں بھرتا روتا جاتا تھا یا تو کچھ بولتا ہی نہ تھا یا اپنی کہتا دوسرے کی نہ سنتا تھا۔ دیوانوں کیطرح سر دُھنتا تھا اگر بارہا کسی نے بلایا اور بیکسانہ اُس کی طرف نگاہ کی تو ساتھ ہی آہ کی اور مایوسی کی تصویر کھینچدی۔ خواصین اُس کا یہ احوال دیکھکر ششدر ہو رہی تھیں۔ کوئی کہتی آسیب زدہ ہے کوئی کہتی شاید اسے جھولا مار گیا ہے کسی نے کہا فی الواقع مسحور ہے کسی نے کہا لوگ تو کہتے تھے راگھو چیتن ہے یہ تو نرا بے شعور ہے۔ الغرض خواصین اُسے وہ کنگن اور جواہرات سپرد کر کے محل کیطرف لوٹ گئیں اور راگھو روتا دھوتا چتوڑ گڑھ سے روانہ ہوا۔ جب کبھی اُس چشم نرگسی کا دھیان آ جاتا تھا تو آنکھوں سے خون کے دریا بہاتا تھا۔ دل کا یہ عالم تھا کہ غم فراق سے پارا پارا ہو گیا۔ جیسے تالاب کا پانی خشک ہو جانے سے زمین پھٹ جاتی ہے ۔۔

چالیسواں باب

ناگوار پیام

یادِ زلف معنبر سے پریشان اور خیال روئے رخشاں میں حیران ناتوان راگھو چلا جاتا ہے اور سوچتا ہے کدھر جاؤں۔ چھوڑا سا دلکش مکان اور رتن سین سا راجہ فیاض زمان کہاں پاؤنگا سوچتے سوچتے تیر کیطرح اُس کے دل میں ایک خیال سمایا جو دل کے پرلے درجہ کی کمینگی اور خود غرضی پر مبنی تھا یعنے اُس نے سوچا کہ دہلی کا سلطان بادشاہ سلطان علاوالدین آج عالم پناہ شہنشاہ ہے اُس کے پاس آپ کو پہنچانا چاہیئے اور عالم آشوب حسن پدماوت کا ذکر زبان پر لانا چاہیئے۔ یقیناً وہ سُنکر عاشق زار ہو جاویگا مجھے تو اُس نے کلپایا ہے گُل وہ بھی نہ پائیگا۔ پدماوت کو علاوالدین اُڑا لے جائیگا۔ اور راجہ ماہی بے آب کیطرح تڑپتا رہجائے گا یہ منصوبہ دل میں باندھ کر رات دن سفر کرنے لگا۔ بعد طے منازل و مراحل تھوڑے دنوں بعد دہلی آپہنچا جاسوس بات بات کی خبر بادشاہ کے پاس پہنچا دیا کرتے تھے فوراً سلطان علاول الدین کے پاس یہ اطلاع لے گئے کہ آج اس رنگ ڈھنگ کا ایک ہندو مسافر شہر میں وارد ہوا ہے دوسرے دن راگھو درِ دولت بادشاہ پر حاضر ہوا دیوان عام کا ایوان فلک نشان دیکھکر عقل دنگ رہگئی کبھی طلائی چھتوں کی مینا کاری بوقلموں دیکھتا کبھی اطلس و کمخواب کے فرش گونا گوں دیکھتا۔ پھر نگاہِ حیرت دیواروں پر ڈالتا تو عالم پرستان کا دھیان دل میں سما جاتا۔ سامنے کی طرف سب سے اونچا ایک طلائی تخت بچھا تھا جو جواہرات کی کثرت و آب و تاب سے جگمگا رہا تھا اُسی پر سلطان بڑے جاہ و جلال سے اجلاس فرما رہا تھا۔ دائیں بائیں اُمراء و وزراء عالی المراتب سنہری روپہری کُرسیوں پر باادب سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چوبدار سُرخ بانات کی وردیاں زیب تن کئے ہاتھوں میں سونے کے عصا لئے بُت بنے حکم کے منتظر کھڑے تھے سامنے میدان میں دور تک پیادوں اسواروں اسپان باساز و یراق فیلان ہیبتناک کا نظارہ پیش نظر تھا اگرچہ [illegible] جاگئی تھی لیکن بیدار مغز بادشاہ

کا دھیان یکساں سب پر تھا بہت سے راجہ و نواب ڈیوڑھی پر سلام کے آرزومند ایستادہ تھے پر مجرا و کھانے کی نوبت نہ ملتی تھی کچھ لوگ ہاتھوں میں عرضیاں لئے کچھ زبانی گذارش کرنے کے واسطے سایہ تلے چادریں بچھائے پڑے تھے۔ راگھو بھی باہر کی ڈیوڑھی کے ایک کونے سے لگا کھڑا رہا سوچتا تھا جہاں راجہ و نواب کھڑے کھڑے خشک ہوتے ہیں اور سلام نصیب نہیں ہوتا وہاں اس غریب کو کون پوچھیگا۔ مگر یہ اندیشہ راگھو کا بالکل غلط تھا فوراً ایک چوبدار نے آکر حکم سنایا کہ جہاں پناہ نے تم کو بلایا ہے۔ راگھو کانپتا کانپتا حاضر ہوا۔ زمین خدمت کو بوسہ دیکر دعا دی اور رانی پدماوت کا بخشا ہوا وہ پارہ نزہت افزائے چشم نظارہ رومال پر دھر کر سلطان علاؤالدین کو نذر میں دکھایا۔ بادشاہ نے فرمایا بظاہر تو آدمی کم پایہ مرد غریب معلوم ہوتا ہے یہ بیش بہا کنگن کہاں سے تیرے ہاتھ آیا ہے کس نے عنایت کیا ہے یا کسی خزانۂ سلطنت سے چرایا ہے۔ راگھو نے اہلِ دعا کیطرح ہاتھ اٹھا کر چند اشلوک بادشاہ کی تعریف میں پڑھے اور عرض کیا جہانپناہ چتوڑ گڈھ کا راجہ رتن سین سنگلدیپ کی راج کنیا پدماوت کو بیاہ کر لایا ہے اس کے حسن کی تعریف و توصیف احاطۂ بیان سے باہر ہے دن کو مہر نیمروز اور رات کو ماہِ شب افروز اس کے حسن کے آگے ماند پڑ جاتا ہے۔ اسی شہنشاہ خوبانِ جہاں کا بخشا ہوا یہ دست پیرایۂ مرصع کار ہے۔ حورِ جنت جسکو کہنا سزاوار ہے بادشاہ سُنکر ہنسا اور راگھو سے کہا کہ اے بے شعور زمانے میں ایسی عورت کہاں ملسکتی ہے۔ جس کے حسن کے آگے چاند سورج ماند ہیں خوبرو تو نے کہاں دیکھے ہیں جو کہتا ہے اس عورت کے حسن کا بیان ہی نہیں ہو سکتا میرے محل کی ایک لونڈی کا بھی حسنِ نمکین دیکھ پائے تو نمک کیطرح گھلجائے میرے سولہ سو بیگم دنیا کی خوبصورتی کا انتخاب ہے میرا محل روضۂ رضوان کا جواب ہے حور فریب جادو جمال عورتیں موجود ہیں تو یہاں ہیں ان سے بڑھ کر نہیں انکی نظیر بھی اور کہاں ہیں۔ راگھو نے سر عجز زمین نیاز پر رکھ کر جواب دیا عالم پناہ میں چار دانگ عالم میں پھرا ہوں عورتوں کے اقسام و اوصاف و خو بو سے بخوبی آگاہ ہوں حکم دیں تو اس راز سربستہ کو چھپانہ رکھوں بلکہ مفصل بیان کروں تاکہ حضور انور پر بخوبی روشن ہو جاوے کہ دوسری حسین نازنین عورتیں اور پدماوت کے حسن عالم آشوب میں کیا فرق ہے۔ بادشاہ نے کہا مفصل کہہ اس پر راگھو

بولا جگپال دانایان ہند نے باعتبار حسن و وضع عورتوں کی چار قسمیں لکھی ہیں پہلے
ہستنی عورت کے اوصاف بیان کرتا ہوں وہ ہاتھی کیطرح جھومتی ہوئی چلتی ہے
بہت کھلے چالچلن کی بہت پیٹو شوہر کو ہرگز نظر میں نہیں لاتی غیر مرد پر اُس کا دل
مائل رہتا ہے۔ بُرے خیالات ہر وقت دل میں گھسے رہتے ہیں۔ صفائی اور پاکیزگی
کی عادت اُس میں مطلق نہیں ہوتی خراب شہد کی سی بو اُس کے پسینے سے آتی ہے
سر اور پاؤں اُس کے فربہ۔ گردن چھوٹی سینہ تنگ۔ مگر کمر کی موٹی ہوتی ہے لباس
شرم سے بالکل عاری مائل بدکاری پیار دلاسے کو مانتی نہیں تشدد کرنے سے کسیقدر
دبی رہتی ہے جیسی ہتنی انکس سے کام دیتے ہیں دوسری سنکھنی عورت ہے
جس کی مزاج میں ہر وقت غرور غصہ بھرا رہتا ہے۔ شوہر کو ہمیشہ آزردہ رکھتی ہے۔
کھانے کی خواہش زیادہ مگر خوراک کم رکھتی ہے۔ شیر کیطرح ڈھیلے قدم سے چلتی ہے۔
اور خوب قوت والی ہوتی ہے۔ اپنی خوبصورتی اُسے بہت بھاتی ہے۔ دوسرے کی
بناؤ سنگار کو دیکھ رشک سے جلجاتی ہے کن آنکھوں سے دیکھنا نڈر رہنا مباشرت
کے وقت شوہر سے لپٹ جانا بعض اوقات سینے میں ناخن مارنا یہ سب باتیں اُس
کی عادت میں داخل ہیں اُس کے پسینہ سے شراب کی سی بُو آتی ہے اُس کا سینہ
چوڑا کمر پتلی جسم کی کھال موٹی پنڈلی اور رانوں میں بال گھنے ہوتے ہیں۔ تیسری قسم
عورت کی چترنی ہے جو عقیلہ شکلیلہ نرم دل خوش شمائل شوہر کی پیاری پوری فرمانبردار مالک
پر جان دیدینے کو تیار غصہ کرنا جانتی ہی نہیں پھول کی طرح شگفتہ گوشت نہیں
کھاتی دودھ چاول وغیرہ نفیس غذا تھوڑی ہی کھا کر آسودہ ہو جاتی ہے۔ اس کا
دل زیب و زینت اور پان پھول پر مائل رہتا ہے۔ کبک رفتار گلبدن بد ریما
ہوتی ہے۔ گلاب کی ایسی خوشبو اُس کے بدن سے آتی ہے۔ ایسی عورت کا جسم نرم و نازک
پستان سخت ہنس کی سی چال اور از بس خوش جمال ہوتی ہے خوش نصیب ہے
وہ شخص جس کے قبضہ میں ویسی عورت ہے۔ چوتھی پدمنی ناری ہے۔ جس کا پدم کا سا
رنگ اور گل پدم کی سی خوشبو اُس کے پسینے سے آتی ہے جسے کہ بھونرے اُس خوشبو پر
فریفتہ ہو کر سر پر تصدق ہونے لگتے ہیں غذا اُس کی ایسی نفیس و لطیف ہوتی ہے کہ

دودھ چاول بھی کھائے تو گرانی ہو جائے اُس کے حُسن شہر آشوب کو کوئی دیکھ پائے تو دیوانہ ہوئے بغیر نہ رہے اُس کی رفتار قدم قدم پہ قیامت برپا کرتی جاتی ہے۔ قد نہایت موزوں رکھتی ہے۔ نہ زیادہ لنبا نہ چھوٹا نہ دُبلا نہ موٹا عقلمندوں نے اُس کے حُسن کے سولہ حصّے کئے ہیں جن میں سے چار لنبے چار چھوٹے چار پتلے اور چار موٹے ہوتے ہیں اوّل سر کے ملایم باریک بال ہاتھوں کی اُنگلیاں تیز دیکھنے والی نرگسی آنکھیں اور ہنس کی سی گردن یہ چاروں اعضاء خوبصورت ہوتے ہیں۔ موتی کے دانے جیسے دانت نارنگی جیسی چھاتیاں ہلال کی سی پیشانی اور ناف یہ چاروں چھوٹے اور خوش اندام ہوتے ہیں اسیطرح چار چیزیں نازک و باریک ہیں پہلے ناک جیسے تلوار کی دھار دوسری کمر جسے دیکھکر چیتا بھی رشک کھائے۔ تیسرا آئینہ سا شفاف شکم جس سے کھایا پیا نظر آئے۔ چوتھے لب جان مرجان غیرتِ لعل بدخشان چار چیزیں فربہ اور بھری ہوئی ہوتی ہیں پہلے رخسار زیب روئے رخشاں دوسرے سرین تیسری ساعدِ سیمین چوتھی رانیں کیلے کے ستون جن کی آن بان ہیں پھر اُس کے چہرے سے بشاشت و عظمت آنکھوں سے مسرّت جھلکتی ہے لبوں سے حلاوت ٹپکتی ہے اُس کی رفتار و گفتار میں قیامت کا اثر ہوتا ہے اُس کا انداز و ناز سحر سامری کا عطر ہوتا ہے جہاں پناہ یہ پدمنی جسے راجہ رتن سین سنگلدیپ سے بیاہ کر لایا ہے غضب کی حسینہ ہے۔

نہ دیکھا حسن میں مہ اس کا ہمسر — بُتِ کافر جفا جو ہے وہ یکسر
پری ہے یا وہ دختِ نازنیں ہے — قمر و شمس جو کہو سخن جبیں ہے
سیہ گیسو ہیں اُس کے لیلۃ القدر — نزی مہ یا فتنہ ہے یا لیلۃ البدر
وہ ترکِ چشم دونوں ہیں ستمگر — نگہ ارتیاعِ حُسنِ رُخسار
خمِ ابرو سے گر اک تیغ زن ہے — مژہ سے دوسرا ناوک فگن ہے
لطافت آنکھ میں دیتا ہے کاجل — گماں ہو جس پہ ہر عشاق کا جل
گُلِ رُخسار سے کھاتے ہیں گل خار — بہارِ بے خزاں ہے حُسنِ رخسار
مزین سلکِ گوہر سے ہیں دو کان — عجب موتی کی کھیتی ہیں وہ دو کان
وہ شیرینی لب کیونکر ہو اظہار — شکر جھڑتے ہیں لب ہنگامِ گفتار

مسی مالیدہ دندان ہیں سراسر | گوندھے ہیں رشتۂ نیلی میں گوہر
اگر دیکھی کبھی چاہ زنخداں | تو قیدی چاہ سے ہو ماہ کنعاں
صراحی ہے بلوریں ہے وہ گردن | نہ پائی حور نے یہ خوبیٔ تن
نہیں ہیں بال شانوں پر نکالے | کہ لپٹے شاخ صندل میں ہیں کالے
وہ دیکھی شمع ساں جس نے کلائی | نہ پروانہ صفت اُسکو کل آئی
خجل ہے پنجۂ نگیں سے مرجاں | جگر خوں اُس سے ہے لعل بدخشاں

راگھو نے جب پدمنی عورت کے اوصاف بیان کیے اور پدماوت کے حُسن کی تعریف بے اندازہ کی تو بڈھے بادشاہ کے دہانِ طمع میں پانی بھر آیا۔ طبیعت پر ایک بیخودی سی چھا گئی۔ نیز ہیرالال ہاک آلتجار سے پدماوت کی خوبصورتی کی تعریف سُن کر راجہ رتن سین کا عاشق ہونا جذبۂ عشق سے راج پاٹ چھوڑنا عزیزوں سے مُنہ موڑنا ہزاروں تکلیفوں کے بعد رانی کا ہاتھ آنا پھر چتوڑ میں لانا گذرا ماجرا گویا پدماوت کی صورت سامنے آ گئی۔ محل میں جتنی عورتیں تھیں سب فراموش ہو گئیں۔ بار بار راگھو سے پدماوت کا حال پوچھتا جو اُس کے دل میں کچھ ایسی سما گئی تھی کہ ہر دفعہ یہی خیال میں آتا تھا جسطرح بنے پدماوت کو قابو میں لانا چاہیئے اُس بن جینا حرام ہے راگھو کو پان کا بیڑا دیا اور دس ہاتھی بیس گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفی عنایت کر کے کہا جس روز پدماوت کو پاؤنگا چتوڑ گڈھ کے تخت پر تجھکو بٹھاؤنگا۔ پھر اُسیوقت راجہ کیطرف نامہ لکھوا کر سرجا راجا ایک نیر پرست سردار اور نذر آور پہلوان کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اسیوقت چتوڑ کو جائے اور جواب لائے ؎

اکتالیسواں باب

نامہ اور اُس کا جواب

چتوڑ گڈھ میں گھر گھر خوشی کے سامان ہیں نہ کسیکو درد و مصیبت کا سامنا نہ کسی کے ظلم و تعدی سے فریاد۔ اپنے داد گستر راجا کے ظلِ حمایت میں خوش و خرم پیر و جوان ہیں۔ ہر صبح و شام چھوٹا بڑا یہی دعا کرتا ہے بھگوان ایسے مہربان رحمدل شور بیر راجا کو سدا ہمارے سر

پر سلامت اور شادمان رکھیو - ایک دن راجا دربارِ خاص میں رونق افروز ہے جلیل مرتبہ راجپوت حسب مراتب مشرقی وضع کی زرق برق پوشاکیں پہنے اپنی اپنی جگہ پر قرار ہیں دو خوشرو گبرو جوان شجاعت کے پُتلے قوم راجپوت کی ناک جن کی شجاعت کی دھاک چاردانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے - راجہ رتن سین کے چچیرے بھائی دلاوری و سخاوت میں بے مثل گورا و بادلِ شمشیر برقع کف سب سے ممتاز جگہ پر راجہ کے عین قریب نشست کر رہے ہیں ایک جانب پیادہ فوج صف بستہ دوسری جانب سوار قطار در قطار جن کے جھنڈوں کے سُرخ پھریرے آسمان کو چھو لینے کی کوشش کر رہے ہیں جو ارشاد ہوتا ہے بجا لا رہے ہیں - امیروں وزیروں میں ایک امر بحث طلب درپیش ہے کہ چوبدار نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا مہاراج بادشاہ دہلی کا ایلچی باہر کھڑا ہے دربار میں ایک سناٹے کا عالم ہو گیا ہر ایک حیرت سے ایکدوسرے کا منہ تکنے لگا - راجہ نے کہا اندر بلاؤ ایلچی دربار میں لایا گیا - ایک لائق جگہ پر بٹھایا گیا دلیر رسول نے ادب بجا لا کر بیٹھتے ہی بادشاہ کا خط وزیر کے ہاتھ میں دیا اور اُس نے آقائے نامدار کے اشارے سے پڑھنا شروع کیا۔

نامۂ سلطان علاؤالدین

بعد از حمد ربِ بے ہمتا
وز پس مدحتِ رسولِ خدا

ہمگذارم مراسمِ اعطاف
مشتمل بر مراحم الطاف

کاے بجوہر زیب و زیں بتو
میدہم خطۂ او جبیں بتو

آنچہ خواہی دہم ز ہندوستان
لیک خواہم ز رائے مونس جان

آں غزالے کہ تازہ در دام است
پدمنی زادۂ پدم نام است

گرچہ داری لبسینہ مہر نگار
لیک بر نفس خویش کن ایثار

ایکہ اندردِ عشقِ آگاہی
دلبرم دہ اگر دلم خواہی

ورنہ اینک رسیدہ ام بسبرت
دلبر و دل کشیدہ ام زبرت

خط کا مضمون سُنکر راجہ فرطِ غضب سے کانپ اُٹھا جوشِ غیرت سے چہرے کا

رنگ سرخ ہو گیا بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ گورا بادل نے شرم و غصہ سے مُنہ ڈھانپ لیا ہاتھ کی خنجر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔ بہادر سرداروں کا راجپوتی خون جمعیت کی رگوں میں موجزن ہوا سب نے اپنی اپنی تلواروں پر ہاتھ رکھ لئے۔ لیکن غصہ نکالیں کس پر۔ منصف مزاج بادشاہوں کے دربار میں ایلچی کو تو کوئی کچھ کہہ ہی نہیں سکتا سب کی صلاح سے عطاروفن منشی بُلایا اور جواب نامہ لکھوایا جس کا مضمون یہہ تھا:۔

سمروں آد ایک کرتارو | جیں جیو دینھ کینھ سنسارو
کینھس راجہ بھوجہ راجو | کینھس ست گھور تنہ ساجو
کینھس تنہ گُنہ بہت پراسو | کینھس کوئی ٹھاکر کوئی داسو
کینھس درب گرب جنہ ہوئی | کینھس لوبھ اگھائے نہ کوئی
بھنہ جو ساہ بیم پٹ بھاری | ہانک نہ کوو برک کی ماری
ہوں سورتن سین بکندھی | راہ بید جسی سربندھی
ہنونت سبرس بہار جیں کاندھا | راگھو سرس سمند جیں باندھا
بجرم سرس کینھ جیں ساکھا | سنگلدیپ لنہہ جو تاکا
جو اس لکھا بھیو نہ اوچھا | جیت سنگھ کی گمی کو سوچھا
درب جو مانگو مجھ سے پاؤ | چاہے پدمنی سنگل جاؤ
مانو ترک مرو نہ آئے | ہوئے اسکندر کی نائے
شن اسرت کبھی بن دھاوا | ہاتھ نہ چڑھا رہا پچھتاوا
او تنہ دیپ پتنگ ہوئے پرا | اگن پہاڑ پاؤں دس چھرا
دھرتی توہ سرگ بہا تا بنا | جیو دینہہ پہنچت کر لابنا
یہہ چیوڑ گڈھ لوئی پہاڑو | سور اُٹھے دھک ہوئے انگارو
سپت دیپ مُنہہ چُن چُن آنی | وہ توری سورہ سوانی
کہاں گئی وہ ہراک داسی | ساہ کو ایسی بھئی اوداسی
پہلے وہ قابو میں [illegible] | جہاں [illegible] ہیں [illegible] چھاڑو

تو ہے ساہ چھترپت بھاری | سرت تیری ہے کس نے اری
ناری پاپیے کرے لڑائی | ایسا لکھتے لاج نہ آئی
تو داتا ایسا بڈ کنییاں | تو کیوں نیاودھرم سب چھپنیاں
جو جڑھ آنی جائے جبتائی | تب کا بھی سو جیت جتائی
سمجھ اگر سن میں نہ آوے | کالہ آدن سو آج چل آوے

چوالیسواں باب

جنگ کی تیاریاں

پدماوت کے خیال میں سلطان علاوالدین کی بیقراری روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ بڑھے بادشاہ کی مرض اس قدر جوان ہوگئی کہ کلمے کی جگہ پدماوت وردِ زبان ہوگئی نہ کام کاج پر دل لگتا نہ ہنسی تماشے سے طبیعت ٹھیرتی۔ نہ کوئی بزم عشرت دل کو راحت پہنچاتی نہ جلسہ بھاتا۔ غم کلیجے کو چاٹتا جاتا۔ ایسا غمخوار کوئی نظر نہ آتا جسے سوزِ نہانی کی کہانی سناتا اور اس سے رہائی پانے کی وہ تدبیر بتاتا ایسا طبیب کوئی ذہن میں نہ سماتا جو اس مرض کے گھٹانے میں مدد دیتا جو پوست و گوشت کو چھوڑ ہڈیوں میں اثر کر گئی جس سے بھوک جاتی رہی تاب و طاقت نے الوداع کہی چہرے پر زردی نہیں مردنی چھا گئی۔ رات آئی تو سر پہ تازہ بلا لائی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے ہڈیاں چور ہوگئیں نہ خواب آئی نہ صبح امید نے صورت دکھائی۔ دن چڑھا تو آزارِ دل اور بڑھا گھنٹے گنتے گنتے جنون ہوگیا نہ کسی صورت دو گھڑی قرار آیا نہ وہ قاصد غمخوار جہاں بازرفتار آیا جس کی انتظاری دلِ رنجور کو کچھ تسکین دیتی جواب نامہ آنے تک بارِ مفارقت اٹھانے کو کہتی تھی۔ ایک دن وہ خستہ و دل حزیں سینہ سلطان علاوالدین مغموم صورت بنائے بارِ غم سے سر جھکائے محل میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ سرجا راجا کے چتوڑ سے واپس آنے کی اطلاع پہونچی۔ سنتے ہی باچھیں کھل گئیں کہ یار جواب نامہ تو آیا۔ مگر خط لے کر پڑھا تو اس کا ایک ایک حرف گرمی کمان سے تیر کیطرح دل میں چھید کرنیوالا پایا۔ غصے کے مارے جیٹھ مہینے کے آفتاب کیطرح سرخ ہوگیا۔ آنکھوں سے

لہو برستا تھا فوراً طبلِ جنگ کے بجنے کا حکم دیا۔ خیمے چتوڑ کے رُخ ایستادہ کئے
گئے۔ ہر صوبہ کے حاکم کے نام فرمان جاری ہو گئے کہ اپنی اپنی فوجیں معہ سامان رسد و
باربرداری ہمراہ لے کر دہلی یا چتوڑ کی راہ میں شامل لشکرِ قاہرہ ہو جاویں۔ فرمان پڑھ کر
ایسی جلدی روانہ ہوں کہ کھانا کھاتے ہوں تو پانی راہ میں آ پیئیں قلعے کے سامنے میدان
میں دریائے جمنا کے کنارے سُرخ سفید خیموں کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی حتّٰی کہ
جہاں تک پیکِ نگاہ کام کرتا فوج کے دل بادل یا سامانِ جنگ کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔
کہیں قسم قسم کے گھوڑے مُشکی کُمیت سبزے سُرخ خنگ۔ سمرنگ۔ بور۔ ابلق۔ ابرس
لکھی۔ شیرازی۔ سمند۔ قرمزی۔ نقرہ۔ زردا۔ سیاہ۔ ہرمزی۔ عراقی۔ عربی۔ ترکی
بھوٹئے۔ پہاڑی۔ چودھرجال۔ پچکلیاں۔ اور سنجاب سرو دُم اُٹھائے پھر پھر کرتے
پھرتے ہیں۔ کہیں پیلانِ کوہ تمثال جسم پر لوہے کے پاکھر مستک پر گینڈے کی ڈھال
سیاہ بادلوں کیطرح چل رہے ہیں گرجتے تھے تو زمانہ تھرّا اٹھتا تھا صوبہ صوبہ کے حاکم
اپنی اپنی فوجیں لئے الگ الگ ڈیرے ڈالے پڑے تھے سب کی جُدا جُدا وردیاں
الگ الگ نشان علیحدہ علیحدہ بولیاں ہر ایک لڑائی پر تُلا ہوا لڑنے مرنے پر تیار۔
کوئی کمانوں کی تانت پر موم چڑھا رہا۔ کوئی ہندی فولاد کے بلم کے پھل چمکا رہا
ہے۔ بہت کمانٹے رنگا رنگ و تیر ہائے خدنگ سے مسلح ہوتے اکثر گرز یا تلوار
ہاتھ میں پکڑے تول رہے طبل بجتے تھے۔ ہاتھی کالے بادلوں کی طرح گرج رہے تھے۔ عالم
شور و شغب سے بھر گیا۔ فرمانِ جنگ سے ساتویں دن ایک ہزار بہادر جنگ آزمودہ
سرداروں کے نشان بادشاہ کے جھنڈے تلے گھوم رہے تھے۔ اور نو لاکھ اسوار زرہ
بکتر پہنے میدانِ جنگ میں جان دینے کو تیار فرمان کے انتظار میں جمائیاں لیتے شمار
میں آئے۔ بادشاہ کو بے قراری کا زور تھا۔ پہلا کوچ ہی تیس روز کا ہوا اور پھر کبھی ایک کم
چالیس کوس سے ادھر دم نہ لیا۔ سر رجھتن سین کو بھی ہرکاروں نے آکہا کہ مسلمان بادشاہ بیشمار
لشکر ہمراہ لئے بڑھا چلا آتا ہے جہاں اُن کا قدم پڑتا ہے وہاں صدہا کوس تک اردگرد زراعت
و آبادی کا نام و نشان ہاتھ نہیں آتا۔ راجہ نے تمام راجپوت راجوں کو گیا نوتر کیا ہیں۔
سودی۔ گھلوت۔ اگرجار۔ چوہان۔ پرمار۔ سوکرے۔ اور بلھنس قاصد بھیجکر مدد کے لئے

بُلا لیا اور قلعہ سامان جنگ و رسد سے ایسا سجایا کہ سات برس تک اگر کوئی چیز بھی باہر سے نہ آئے تو ہرگز کمی نہ ہو۔ ہر روز خیل خیل راجا لوگ آگے آگے باجے اور سنکھ بجتے سپاہی صندل اور سیندور کٹوریوں میں گھولتے زندگی سے بیزار آن پر جان دینے کو تیار چتوڑ گڈھ میں داخل ہوتے تھے۔ راجاؤں نے قلعے کے مقامات باہم بانٹ لئے جابجا دمدمے تیار کئے گئے ہر کنگرہ پر چوکیدار حفاظت کے لئے بٹھائے اور ایسا بندوبست کیا کہ چپہ بھر زمین بکٹ چوکی بغیر نہ چھوڑی۔ ریجدار خندق کو لبالب پانی سے بھر دیا۔ کناروں پر سیاہ سفید پتھروں کی تصویریں تراش کر نصب کردیں جنکا شفاف پانی میں عکس پڑنے سے اجنبی کو ہموار فرش رخام کا دھوکا ہو اور جو کوئی گذرنے کا ارادہ کرے تو عمیق پانی میں ڈوب مرے قلعے کے بُرجوں پر میدان کارزار کی وہ حسین عورتیں جن کا نام توپیں ہیں خوب سجا کر یعنی سیندور کا غازہ مُنہ پر مَلا بیرخ کا بھیرا اوڑھنے کے لئے سینے پر دھرے قسقے کا فتیلہ ماتھے پر چڑھایا۔ بارود کی شراب سے بدمست کیں اور جابجا محافظت پر کھڑی کردیں۔

پینتالیسواں باب

بیان جنگ ہے

حرص کا قافیہ تنگ ہے

جس ٹڈی دل فوج اور اُس کے متعلقہ ساز و سامان نے دو ہفتہ پہلے قلعہ دہلی کے سامنے میدان کو بالکل ڈھانپ رکھا تھا۔ آج وہ چتوڑ گڈھ کے وسیع چٹیل میدان میں چھا رہی ہے۔ لق و دق صحرا کی بھیانک فضا ایک بیس کوس لمبا چوڑا پُر رونق شہر بن گئی ہے۔ بازار موجود ہیں۔ لین دین کی گرم بازاری ہے فوجوں کی مسلسل آمد ابھی جاری ہے۔ شفاف آسمان کی نیلی چادر کا ایک بڑا خیمہ سب پر تنا ہوا ہے جس کے نیچے ہزاروں سفید سفید تنبو ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ سُرخ سبز جھنڈے جن کے سر آسمان

سے لگے ہوئے حوصلوں کیطرح ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔ کہیں چو منزلے اور چوبی قلعے تیار ہوتے ہیں۔ کہیں سُرنگ کھودے جاتے ہیں۔ زینے اس قدر فراخ بناتے ہیں کہ ہاتھی توپیں لے کر اوپر چڑھ سکیں ہر سپاہی کے دل میں ایک جوش ہے سُلطان علاؤ الدین کا دل گوہر مقصود ہاتھ میں لانے کے لئے سمندر کیطرح اُچھل رہا ہے۔ قلعہ میں راجپوت سرداروں نے راجہ رتن سین کو صلاح دی ہمیں قلعہ بند ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے یہ ترک ہمارے آگے حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں۔ خرگوشوں کیطرح بھگا بھگا کر نہ مارلیں تو چھتری کیوں کہلائیں۔ فوراً دھاوے کا حکم بولدیا جاوے راجہ کچھ تردد میں تھا اس سبب سے نہیں کہ مخالف کا رُعب یا لڑائی کا خوف اُس کے دل پر چھا گیا تھا بلکہ اُسے خیال تھا کہ جب میں میدان جنگ کو جاؤنگا تو پدماوت کا دل کڑھے گا۔ لیکن اب جو مخالف کے طبل جنگ کی آواز کانوں میں پہنچی برق تیغ کا چمکنا رعدِ توپ کا گرجنا سنا تیروں کی بارش ہونے لگی۔ گولوں کے اولے پڑنے لگے۔ تو راجپوتی بہادری نے جوش مارا حکم دیا باجے لڑائی کے بجنے شروع ہوں اُنکی آواز سُنکر سر بکف راجپوت سردار راہوار گھوڑوں پر اسوار جن کی اونچی گردنوں کی آڑ میں اسوار کا چہرہ نظر نہ آتا تھا اپنی اپنی فوجیں لے کر باہر نکلے اور آن کی آن میں سُلطان کی فوج کے مقابل جا ڈٹے۔ سُلطان نے مقابلہ کی قوت کو بڑھانے کے لئے جنگی ہاتھیوں کی قطاریں سدِ راہ بنا رکھی تھیں۔ مگر لوہے کے توڑنے کے واسطے فولاد اُدھر بھی موجود تھا۔ ہاتھی سے ہاتھی اور اسوار سے اسوار ٹکرا گئے۔ ایسا شور بلند ہوا گویا پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ گرد و غبار سے جہان تیرہ و تار ہو گیا۔ اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی۔ جو جس کے سامنے آیا مار گرایا۔ جسطرح برسات میں مینہ برستا ہے برچھیاں اور تیر ایسی کثرت سے گذر رہے تھے تلوار سے تلوار ٹکرا کر جو لمعۂ برق کی سی روشنی ہوتی تھی تو آدمیوں کے سر بازو دھڑ الگ الگ ہاتھیوں کے سونڈ گھوڑوں کی گردنیں جہانتک نگاہ دوڑتی تھی دیکھنے میں آتی تھیں۔ جب لڑائی شروع ہوئی تھی تو دو گھنٹہ بھی دن نہیں چڑھا تھا۔ اب آفتاب سمت الراس پر آیا شدتِ گرما سے سایہ پاؤں تلے دیتا ہے پرندوں نے پتوں میں مُنہ چھپایا ہوا ہے فولادی تلواروں کے مُنہ مڑ گئے۔ اب تک کئی بار اُن پر نئی باڑھ

چڑھانے کی ضرورت پڑ چکی ہے۔ تیروں کے پیکان ٹوٹ گئے۔ ترکش خالی پڑ گئے لیکن بہادروں کے فولادی بازو ابھی سُست نہیں پڑے۔ بدنوں سے پسینہ کے دریا بہ رہے ہیں۔ خون کی ندیاں جاری ہو گئیں۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مگر لڑائی میں ابھی پہلا جوش ہی پایا جاتا ہے ؎

وہ تھا گرم ہنگامہ کُشت و خوں — ہوئی خوں سے یکسر زمیں لالہ گوں
ہوا ابلق اور کوس کا یہ خروش — کہ یکسر پریشاں ہوا صبر و ہوش
ہوا گیر ہو کر غبارِ زمیں — گیا تا سرِ سقفِ چرخِ بریں
دو لشکر بہم حملہ آور ہوئے — ہزاروں تن اکدم میں بے سر ہوئے
بشمشیر و گرز و سنان و خدنگ — رہا گرم تا شام بازارِ جنگ

آفتاب دن بھر دُنیا کے کاروبار کرتا کرتا تھک گیا۔ جہان کو فرمانِ آرام دیکر دامانِ کوہسار میں سونے کے لئے چلا جاتا ہے۔ بہادر اب بھی لڑنے سے بس نہیں کرتے مگر الٰہی حکم کو کون موڑ سکتا ہے دیوِ شب نے اندھیرے کا پردہ دونو لشکروں میں کھینچکر مجبوراً حکم کی تعمیل کرائی۔ اللہ اکبر کی آواز سُنکر مُسلمان لوگ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹے۔ ادھر چتوڑ کے مندروں میں گھنٹے بجنے لگے۔ ناقوس کے زور زور کے نعروں نے ہر ایک سینے میں شام کا فرض بجا لانیکا جوش بھڑکا دیا۔ سب نے رزمگاہ سے مُنہہ موڑا۔ اور سب سے پہلے نہا دھو کر سندھیا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ پیاری پیاری چاندنی کھیتوں میں چٹک رہی ہے۔ ہوا کے سرد جھونکے چشموں کے پانیوں سے اٹھکھیلیاں کر رہے ہیں۔ عین راحت کا وقت ہے مگر جانباز بہادروں کو اس وقت بھی قرار نہیں۔ زخمی درد سے بلبلا رہے ہیں۔ تندرست اُنکی تیمارداری میں مشغول ہیں۔ دن بھر برابر تلواریں چلاتے رہے تیروں کے مینہہ برساتے رہے۔ رات کو پھر صُبح کی معرکہ آرائی کا خیال ہے۔ اس اندیشہ میں خواب کا آنا محال ہے اور جو ذری آنکھ لگی تو وہ مارا وہ مارا لیجیو جانے نہ پائے کرتے چونک پڑے۔ میدانِ جنگ اس وقت عجب وحشت افزا جگہ بنا ہوا ہے۔ وہ بہادر ترک جن کے دماغ عرشِ مُعلّی پر رہتے اور شجاعت میں آپ کو ہمپایۂ رستم و اسفندیار خیال کرتے تھے وہ بانکے راجپوت جن کی

اولوالعزمی کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ اور آپ کو لوہ اور کشو کی عمدہ یادگار سمجھتے تھے۔
خاک میں ملجانے کو خاک پر پڑے ہیں عبرت کا سبق لا رہے تھے۔ کیفیت اطمینان کے ساتھ
اُنکی ہڈیاں چبا رہے تھے۔ کئی ایک پڑے تڑپ ہی رہے تھے۔ زخموں سے
خون نکل کر پانی کیطرح بہتا پھرتا تھا اُنمیں کچھ جان تو تھی مگر توان نہ تھی کہ زبان ہلا
سکیں اور کسیکو مدد کے لئے بلا سکیں۔ جنگلی کتے آتے تھے اور اُنکو اس تکلیف سے
نجات دے جاتے تھے۔ غرضیکہ رات بھر دونوں لشکروں میں قیامت کا سا ہنگامہ
برپا رہا۔ چوکیداروں کے شعلہ اور زخمیوں کی پُر درد آہوں سے کوئی نیند بھر سونا تو کیا ذرا
آنکھ بند کرنے بھی نہ پایا تھا کہ مشرق کیجانب سُرخ سُرخ بادل نظر آنے لگے۔ ستارے
قہر کی خونریزی دیکھنا پسند نہ کر کے یکے بعد دیگرے غائب ہونے شروع ہوئے
اور سورج نکلنے سے پہلے ہی دونوں فوجیں پیرآراستہ ہو کر میدان جنگ میں آموجود
ہوئیں۔ آج جس قدر سپاہ تعداد میں گھٹ گئی تھی جوش خونریزی میں بڑھ گئی تھی
چھوٹتے ہی شیروں کی طرح دست و گریبان ہو گئے۔ نیزوں نے سینوں میں اور
تیروں نے پہلوؤں میں جا آرام لیا۔ ہر ایک توپ گولوں کا مینہ برسانے لگی۔
برقِ شمشیر خرمنِ ہستی کو جلانے لگی۔ ندی نالوں کو بہادروں کے خون سے بھر دیا
آبِ پیکان نے سفینۂ امن و امان غرق کر دیا ؛

پراگندہ دل شیر مرداں ہوئے ‏ ‏ ‏ زبوں سخت اسپانِ گرداں ہوئے
زرہ پارہ اور چاک برگستوان ‏ ‏ ‏ ہوئے سست گردانِ جنگ آوراں
دلیرانہ لیکن رہے گرم جنگ ‏ ‏ ‏ ملا خاک و خوں میں کئی بیدرنگ

سورج چڑھتا اور شفق تا غروب اپنا دورہ ختم کر کے جا چھپتا۔ تارے اپنی بساط بچھاتے
اور ایک مقررہ وقت کے بعد اُٹھا لیتے دُنیا کے کاروبار نے نئے نئے روپ دکھائے
زمانہ نے سینکڑوں پلٹے کھائے۔ لیکن ان دلاوروں کے طالع میں کوئی تغیر واقعہ
نہ ہوا۔ بخت برگشتہ خونریزی پر ہی تُلا رہا۔ علی الصباح میدان کارزار میں آنا دن بھر
تلواریں مارنا ہزاروں کا کھیت رہنا شام کو اپنی اپنی فرودگاہوں کو واپس ہو جانا رات
زخموں کی مدد سے بلبلانا ان مردان مصاف کا معمولی کام ہو گیا۔ بادشاہی فوج میں

اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جو زندہ تھے موت کی آرزو کرتے یا اس حالتِ تباہ سے رہائی کی دُعا مانگتے۔ زراعت ویران ہو گئی جنگل میں ایک درخت باقی نہ رہا۔ گھاس گنجِ عظیم کیطرح زمین میں مفقود ہو گیا۔ تالاب خشک پڑ گئے۔ کوؤں میں پانی کی جگہ کیچڑ بھی نہ رہا۔ باوجودیکہ سامانِ رسد دہلی سے لگاتار چلا آتا تھا لیکن مُلک میں ہر چیز کا کال پڑ گیا۔ مایوسی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ دانۂ گندم گیسۂ مروارید سے زیادہ پیارا لگتا تھا قلت و وقت خوراک کی وجہ سے لشکر سے وبائے عالمگیر کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

چھیالیسواں باب

جنگ کی دوسری پہلو

چتوڑ گڑھ کے ذخیروں کا اب تک عشر عشیر بھی کم نہیں ہوا۔ صاف ٹھنڈے پانی کے قدرتی چشمے پہاڑ سے نکلتے ہیں اور قلعہ میں سے ہو کر خندق میں جا گرتے ہیں راجپوتی سپاہ کا ایک حصّہ کٹ مرا ہے لیکن کسی کو اپنے خویش کی جوانا مرگ کا جس کے صدمے سے بعض اوقات سینے پھٹ جایا کرتے ہیں کچھ بھی افسوس نہیں بہادر سپاہی وھرم اور آن کے بدلے میدان جنگ میں جان جانے کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ باری باری سردار لوگ فوجیں لے کر فوج شاہی کے مقابلہ پر جاتے اور اپنا فرض پورا کر کے شام کو واپس قلعہ میں آجاتے۔ رات کا کچھ حصّہ صہبائے گلگوں کا دور اور ناچ راگ کا طوفان تھا۔ جب نیند آکر رزم و بزم دونوں کا اندیشہ دلوں سے چکا دیتی تو کچھ وقت کے لئے سو رہتے صبح کو پھر وہی جدل آزاری اور قتل کی گرم بازاری شروع ہوتی۔ مسلمان لوگ پہلے سے زیادہ جان توڑ کر لڑتے تھے۔ انھوں نے بارہا کئی راجپوت راجوں کو بے سر و سامان آوارہ خانماں بنایا تھا بہتوں کے ناموس جان و مال میں ہاتھ ڈالا تھا۔ اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے بھی اُنکو کافی یقین تھا کہ راجہ کرن والیٔ گجرات در رام دیو والئے مہاراشٹر کیطرح یہاں بھی دو چار سخت حملوں کے بعد صفایا بول جائے گا لیکن یہاں توجیں بولگئیں۔ بہتیری جان توڑی صورتِ ظفر نہیں نظر نہ

آئی۔ زن و فرزند کی یاد میں بلک اُٹھی ابھی طرح ریل اور تار تو تھی نہیں نہ ڈاک کا رواج
تھا۔ خویش و اقربا کی کوئی خبر نہ پا کر دل کی بیقراری نے دیوانہ بنا دیا مگر نہ روئے
رفتن نہ پائے ماندن کا معاملہ دیکھکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب جو زندگی کی آس
ہی نہ رہی تو پھر اندیشہ کیا سر سے کفن باندھ لئے اور مایوسانہ حملے کرنے لگے ادھر
خیرخواہوں نے راجہ رتن سین کو صلاح دی کہ چند روز قلعہ نشین ہو کر محصورین کہلائیں
ایک قلعہ کی حفاظت کا بوجھ ہمارے سر پر رہے گا سو باری باری بناہیں گے اور باقی
نچنت رہیں گے۔ چنانچہ سب کی صلاح سے یہ رزولیوشن پاس ہو گیا اور چتور گڈھ
کے قلعہ کے دروازے بند ہو گئے دوسرے دن بادشاہ سلامت میدان جنگ
میں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ میدان اپنے ہی ہاتھ ہے نہ سامنے مخالف ہے نہ فوج ساتھ
ہے خبرداروں نے اطلاع دی کہ راجہ قلعہ بند ہو بیٹھا۔ بادشاہ کف افسوس ملتا رہ گیا
رومی۔ فرانسیسی۔ فرنگی۔ جرمنی۔ گولہ انداز فوج میں موجود تھے سب کو حکم دیا۔
گولوں کا مینہ برسادو قلعہ کو بیخ و بن سے اُڑا دو۔ مایوسی و غضب کی حالت میں قلعہ
کے رُخ توپیں کر کے لگاتار گولے مارنے لگے مگر قلعہ کی دیواریں قدرت کے مضبوط ہاتھوں
کی بنی تھیں انسانی کوشش اپنی خوفناک ایجادوں سے اسے حسب المراد نقصان نہ
پہنچا سکی علاوہ ازیں قلعہ والوں نے بھی اوپر سے وہ آگ کا مینہ برسایا کہ دوپہر تک سارا
جوش ٹھنڈا کر دیا اور بادشاہی لشکر کو نقصان عظیم کے ساتھ پس پا ہونا پڑا۔ قلعہ والوں
نے اس صورتِ جنگ میں اپنا فائدہ اور مخالف کا نقصان دیکھ کر آئندہ مصمم ارادہ کر لیا
کہ قلعہ سے باہر کبھی قدم نہ دھریں گے اور ہمیشہ اسطرح جنگ کیا کریں گے بادشاہ نے
ہر چند سینہ توڑ حملے کئے سرنگ کھدوائے سیڑھیاں بنا کر قلعہ میں جانا چاہا افسوس کوئی
تدبیر کارگر نہ ہوئی ہزاروں کوششوں و جانفشانیوں کے بعد اگر کبھی دیوار میں تھوڑا سا
شگاف کر ڈالنے میں کامیاب ہوئے تو دوسری صبح اُٹھی وہ کامیابی جب کہ دیوار کو
بدستور سابق صحیح سالم پاتے لاکھ مایوسی سے بدلجاتی خونِ جگر کھا کر رہجاتے قلعہ فتح ہونے
کی کوئی تدبیر بن نہ آتی جب کہ ادھر شاہی فوج میں یہ غم و غصہ کھانا اور مصیبتیں اُٹھانا
تھا اُدھر قلعہ میں عیش و نشاط اور خوشیاں منانا تھا دن بھر لڑائی کے کام کے بعد

سرِ شام محفلِ انبساط جم جاتی تھی شہر ابیں چڑھاتے آنکھوں کو اُن لولیانِ حور فریب کے نظارہ سے اور دماغ کو اُن کے سرودِ دلکش سے راحت پہنچاتے قلعہ میں شاہی خیمہ کے رُخ ایک بارہ دری تھی کبھی کبھی راجہ رتن سین مشیروں سمیت اُس میں بھی آبیٹھتا اور وہیں ناچ راگ کے جلسہ دیکھتا اس وقت بادشاہ کا حال مارے غصہ کے دگرگوں ہو جایا کرتا سر دھنتا اور دانت پیستا رہجاتا - دوسرے روز اور بھی سختی کے ساتھ حملہ ہوتا توپوں کی آواز سے زمین میں زلزلہ آجاتا قلعہ کے تمام طرف اسطح پر مرحلے اور سیڑھیاں بنی تھیں جیسے چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے ان پر سے ساون بھادوں کی بادلوں کی طرح گولے برستے تھے - لیکن دوسرے دن قلعہ ویسا ہی چمکتا دمکتا نظر نظر آتا جیسا چاند گہن چھوٹنے کے بعد صاف شفاف دکھائی دیتا ہے - سیند پتھر جہاں سے چھوٹتے فوراً پھر لگا دئے جاتے اور درجہ بدرجہ جہاں اوپر پٹاؤ ہوتا وہاں طرح طرح کی تصویریں لگا دیتے اسطح پورے آٹھ برس قلعہ کا محاصرہ رہا - بادشاہ نے کیمپ میں آم کے درخت لگوائے وہ پھولے اور پھلے لیکن قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اب بادشاہ کو مایوسیوں نے آگھیرا - جیتے جی پدماوت کی ملاقات ناممکن سمجھا اور اُس کی ہوس کم عقلی جانی سپاہ میں بھی اب وہ جوشِ شجاعت کہاں باقی رہ گیا تھا - بڑے بڑے بہادر سپہ سالار اور سپاہی کٹ چکے تھے آس بالکل ٹوٹ چکی تھی اور چونکہ سب جان گئے تھے کہ یہ جنگ نہ سلطنت بڑھانے کے واسطے ہے نہ اسلام پھیلانے کے واسطے بلکہ بادشاہ نے محض پدماوت کیخاطر لڑائی ڈالی ہے اور اس قدر تکلیف خلقِ خدا کو دی ہے اس لئے اب حتی المقدور خونریزی سے پہلو تہی کرتے تھے اور دل ہی دل میں بادشاہ کو برا بھلا کہتے خود بادشاہ کو اگرچہ یقین ہو گیا تھا کہ نہ صورت ظفر نظر آئے گی نہ پدماوت سے ملنے کی اُمید بر آئے گی - لیکن بے عزتی کے ساتھ پس پا ہونے سے کتراتا تھا - ملک میں ذلت و رسوائی اور ماتحت سرداروں میں حقارت و نفرت کا خیال دل میں ستاتا تھا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا تھا - ہر چند پیچھے کو مڑ جانے اور اس عذاب سے جان چھڑانے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈتا تھا لیکن دل کی تسلی کے موافق ہاتھ نہ آتا - غرضیکہ اب جو لڑائی تھی نہ شوق طبیعت سے تھی نہ جوشِ شجاعت

سے قلعہ پر سے گولوں کی بارش نے مذہبی جوش کو بھی بہت کچھ ٹھنڈا کر دیا تھا اب تو پنڈ چھڑانا مشکل پڑ گیا تھا کہ مشکل پر مشکل اور آ پڑی یعنے دہلی سے وزیر کی عرضی پہنچی کہ پنجاب میں فتنہ عظیم برپا ہو رہا ہے۔ دہلی پر مغل چڑھ آئے ہیں۔ انہوں نے شہروں اور قصبوں کو لوٹ پھونک کر خاک سے برابر کر دیا ہے جہاں پُر رونق بازار میں شانہ سے شانہ چھلتا تھا وہاں اب چغد و بوم بول رہے ہیں جہاں منڈیوں میں لین دین کی گرم بازاری تھی وہاں اب دھول اُڑتی ہے سارے ممالک محروسہ میں جس کی لاٹھی اُسکی بھینس کا نقشہ ہو رہا ہے۔ ہر متنفس ظلم ظالم سے رو رہا ہے آجتک ہم نے شہر اور قلعہ کو جسطرح ہو سکا بچایا ہے لیکن اب کاسہ لبریز ہے ایک قطرہ کی بھی گنجایش نہیں۔ تھوڑا عرصہ اور جہاں پناہ تشریف نہ لائے تو مغل شہر دہلی کی بھی جو اب تک اُنکی زد سے بچی ہوئی ہے اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ چتوڑ گڈھ فتح کرتے کرتے دہلی کی سلطنت بھی ہاتھ سے گنوا دیں گے مناسب یہی ہے کہ فوراً واپس تشریف لے آئیں اور شہر کو ایک رشک ارم بنائیں ؛

چھیالیسواں باب

دغا

جب سلطان علاؤالدین کو اپنے وزیر اعظم کی یہ عرضداشت ملی تو کان کھڑے ہوئے دل کا رہا سہا قرار جاتا رہا عشق کے کل ارکان بھول گئے۔ سلطنت کی تباہی سُن کر سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور جوش بالکل ہلکا ہو گیا بڑے بڑے سرداروں کو بلا کر صورت واقعہ سے اطلاع دی اور مشورہ طلب کیا وہ تو پہلے بھی جنگ سے سخت بیزار تھے سب نے صلح کی صلاح دی اور اُسی سرجا راجلے کے ہاتھ راجا کے پاس پیغام بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ از بادشاہ ہند برائے مونس جان مخفی و پنہاں نماند کہ ہمگی توجہ خاطر عدالت مناظر و تدبیر باطن خلافت مواطن ما از خونریزی و ایذا رعیت کہ فی الحقیقت فرزندان معنوی و ودائع خداوندی اند متنفر شدہ و آثار محبت صلح با درے والاشان گرائیدہ

برہمہ جرائم گذشتہ او رقم عفو کشیدہ اور از مژدۂ وصل پدم کہ تخت باد از غم دم زدر خوشنودی سازیم وچوں ما از بند عشق آزادیم ملک و معشوق او با و دادیم اگر اے مارا ور قلعہ بر سریر خلافت نشاندہ و جواہر گرانمایہ نثار کنند و اظہار خیر خواہی نماید مورد الطاف شاہنشاہی کہ اثر ہیبت قوی از عنایات الٰہی خواہد شد باد راجہ نے بادشاہ کا خط پڑھ کر بڑے بڑے سرداروں اور راجاؤں کو بھی پڑھوایا اور فوج کے جرنیلوں کو بھی دکھایا۔ بعض کی یہ رائے تھی کہ اب فتح ہمارے ہاتھ میں ہے دشمن پامال ہوتے جاتے ہیں بلکہ اب اُن میں جنگ کی طاقت ہی نہیں رہی صُلح نامنظور کرنی چاہئے۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ بادشاہ کو قلعہ میں لا کر تخت پر بٹھا کر جواہر گرانمایہ نذر دینے کی شرط درمیان ہو کیونکہ انمیں ہمارا ہتک ہے۔ نیز ان لوگوں سے دغا کا بھی خوف ہے بعض کہتے تھے کہ مُلک سے ہنگامہ وفساد دور کرنے کے واسطے بہت جلد صُلح کر لینی چاہئے۔ رعایا بالکل تباہ ہوگئی ہے۔ ملک میں گدھوں کے ہل پھر گئے ہیں گھر گھر ماتم۔ رونا پیٹنا۔ نوحہ بین شور وشغب مچا ہوا ہے موت کی بھیانک تصویر ہر وقت پیش نظر موجود رہتی ہے۔ نہ سوتے آرام ہے نہ جاگتے۔ جو گُڑ دئے مرے اُسے زہر کیوں دو۔ ترک کو قلعہ میں بلاؤ اور دو پتھر کے ٹکڑے دیکر سر سے بلا ٹالو۔ یہاں موتیوں اور ہیروں کا کیا کال ہے بہت سے حیص بیص کے بعد صُلح وجنگ کا فیصلہ گورا بادل پر ٹھیرا وہ تو شاہ سے صُلح کی خبر سُنکر پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ اب اُن سے پوچھا تو اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ صُلح کا حرف تک زبان پر نہ لایا جاوے اور بادشاہ کو قلعہ کے گرد تک پھٹکنے نہ دیا جاوے۔ لیکن راجہ رتن سین نے اس بات کو منظور نہ کیا اور کہا رعایا کی تباہی اب مُجھ سے دیکھی نہیں جاتی اور بیواؤں کا نالہ کلیجہ چیرتا ہے۔ گورا بادل نے عرض کیا مہاراج گھبراؤ نہیں تُرک تنگ آگئے ہیں خود بخود ہی ملک چھوڑ دہلی کا راستہ پکڑ جاویں گے یا چند روز تک مار مار بھگا دئے جاویں گے۔ لیکن راجہ نے کہا اب جو بادشاہ کو قلعہ میں لانے اور دو جواہر نذر دکھانے پر بات آ رہی ہے تو اسے مان کر کیوں نہ کل ہی ملک میں امن قایم کر دیا جائے اس میں ہرج ہی کیا ہے گورا بادل نے کہا دشمن جب جنگ سے کام دل حاصل نہیں کر سکتا تو آشتی کے پردے میں وہ کام کر دکھاتا ہے جو مخالفت سے

ہرگز نہ کرسکتا۔ آپ بادشاہ کی زبان پر بھروسا کرکے اُسے قلعہ میں بُلائیں گے تو
بہت پچھتائیں گے۔ راجہ نے تب بھی اُنکی بات نہ مانی اور قلعہ میں بادشاہ کی دعوت
کی تیاریوں کا حکم دیدیا اُدھر شاہ کو کہلا بھیجا کہ آپ کل دس بجے ٹھیک قلعہ میں
تشریف لے آویں ہم خدمت کے لئے موجود ہیں گورا بادل اس پر بہت کُڑھے اور
دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے۔ دوسرے دن وقت مقررہ پر بادشاہ سلامت
قلعہ میں تشریف لائے۔ راجہ نے بڑے تپاک سے استقبال کیا اور قلعہ کی سیر کرانے لگا
اس وقت سہیلیوں نے پدماوت سے کہا رانی دشمن ہے راجہ رتن سین کہ دہلی کا
بادشاہ چل کر اُس کے پاس آیا اُٹھ کر بادشاہ تو بھی دیکھ لے۔ ہم اُس دریچہ میں آئینہ کھڑا
کردیتی ہیں تو اُس کے پیچھے کھڑی ہوجائیو۔ اور جب بادشاہ سیر کرتا ہوا نیچے سے گذریگا
دیکھ لیجیو کسیکو خبر بھی نہ ہوگی پہلے تو رانی نے کہا بادشاہ کا کیا دیکھنا ہے لیکن آخر
انکی جھانسہ میں آگئی اور آئینہ کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اتفاق سے بادشاہ نے اوپر کو
دیکھا اور وہ جادو جمال چہرہ آئینہ کے پیچھے سے نظر آگیا نگاہ کے ساتھ ہی غش کھا کر گر
پڑا اور کچھ سُدھ بدھ نہ رہی۔ اس وقت گورا بادل نے راجہ کے کان میں کہا حکم دیں تو آب
شاہ کا کام ایک ہی خنجر سے تمام ہوتا ہے اور ملک کے سر سے بلا ٹلتی ہے۔ راجہ نے کہا وعدہ
شکنی سے نام بدنام ہوتا ہے اور مہمان کے ساتھ دغا کرنے سے دھرم جاتا ہے۔ ایسا ہرگز
نہ ہوگا یہ سُنکر گورا بادل ایسے کھسیانے ہوئے کہ اپنے اپنے محل کو چلے گئے اور ارادہ
کیا کہ آیندہ کبھی راجہ کو کوئی صلاح نہ دیں گے نہ کاروبار سلطنت میں حصہ لیں گے۔ اودھر راجہ
نے پوچھا بھلے چنگے شاہ کو کیا ہوا۔ راگھو ہمراہ تھا اور شاہ کے پدماوت کے دیدار سے بیخود
ہوجانے سے آگاہ تھا بہانہ کرکے کہنے لگا کچھ عرصہ سے سُلطان مرض صرع میں مُبتلا
ہے۔ کبھی کبھی اس کا دورہ پڑتا ہے۔ اب بھی اُسی مرض نے آدبایا ہے۔ راجہ نے فرمایا
جلد بیہوشی توڑنے والی ادویات کا استعمال ہونا چاہئے۔ آدھ گھنٹہ بعد سُلطان نے آنکھ
کھول کر دیکھا کہ سو کے قریب پرستاران گلچہر غنچہ دہن رشکِ حوریاں عدن مہر سے
سو آب چندے خورشید چندے ماہتاب سُرخ ساڑیاں پہنے بیر بہوٹیاں بے جوانی
کے نشہ میں مست بائی بید ادا ناز و انداز معشوقانہ میں ہر ایک کامل اُستاد کئی ایک کنور

میں خدمت بھی ایک ایک کا فور کا بسا ہوا پانی لئے خدمت کرنے کو موجود ہیں وہ دیدار کا پیاسا تھا کسی شے نے اُس کے دل کی جلن نہ بجھائی۔ راگھو سے کان میں کہنے لگا میں انہیں حُسن میں ایک سے ایک بڑھ کر پاتا ہوں۔ کیا پدماوت بھی ان میں ہے کہ اُس کے ہاتھ سے پانی لے کر پیوں اور دوبارہ زندگی پاؤں۔ راگھو نے کہا بادشاہ سلامت یہ سب تو اُس کی لونڈیاں ہیں حضور کی خدمت کے لئے آئی ہیں۔ پدماوت سے تو انکو وہی نسبت ہے جیسا کو قطرۂ آب سے یا ذرہ کو آفتاب سے۔ یہ سُنکر بادشاہ کی آتش عشق اور بھی بھڑک اُٹھی کفِ افسوس مل ہی رہا تھا کہ راجہ رتن سین نے آکر کھانا کھانے کا وقت آپہنچا تشریف لے چلئے۔ خاص محل کے سات درجے تھے۔ کھانے کا اہتمام سب سے اگلے درجہ میں کیا گیا تھا جس درجہ سے بادشاہ گذرتے اُس کی خوبصورتی اور عظمت دیکھکر دنگ رہ جاتے ہر ایک کا دروازہ جُدا رنگ کا سب میں سونے کے پلنگ اور تخت بچھے ہوئے صندل کے درختوں کا سہانا سایہ تالاب شفاف پانی سے بھرے سب سے اوپر کے درجے میں گنگا جمنی مرصع تخت بچھا کر جواہر نگار چھتر اُس پر چھایا تھا۔ وہاں لاکر بادشاہ کو بٹھایا اور نذر دکھائی۔ بادشاہ نے چبوترہ گڑھ پر چڑھ کر ادھر اُدھر نظر دوڑائی قلعہ میں کا ہر ایک مکان لطافت کی کان تھا۔ امیر اُمرا سب اپنی اپنی جگہ خوش و خرم خانہ بخانہ باغِ مرتب ناچ رنگ ہوتے ہر جگہ عیش و نشاط کا وہ سامان مُہیا پایا گویا قلعہ میں جنگ کا کسی کو دھیان ہی نہ تھا۔ چاروں طرف کی سیر کرتے کرتے بادشاہ نے اُن میں ایک مکان سب میں خوش وضع و عظیم الشان دیکھا جو رفعت میں آسمان سے باتیں کرتا تھا اُس کے چاروں طرف تالاب صاف پانی سے لبریز سونے کی سیڑھیاں بنی ہوئی پانی میں کنول پھولے ہوئے دو ہزار کنور دروازے پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ شیر سُرخ دونوں طرف دروازے کے ہر دم ڈکارتے تھے۔ گویا غصے میں بھرے ہیں۔ جہانتک تصویریں بنی تھیں سب سونے کی تھیں۔ بادشاہ نے راگھو سے پوچھا یہ محل کس کا ہے۔ اُس نے کہا جہاں پناہ پدماوت کا یہاں بادشاہ کے دل کو پھر چوٹ لگی دسترخوان پر بیٹھا تو نوالہ حلق سے اُتارنا دشوار پڑ گیا۔ ہر قسم کے لذیذ کھانے کاسنی حوریں دسترخوان پر چُن رہی تھیں اور جہاں کہیں چوک ہوتی خود راجہ رتن سین اُس کی اصلاح کرتے باوجود اس تکلف و تعلق کے نہ تو

اُسے کسی کہانی میں مزہ آیا۔ نہ اُن شعبدہ بازوں و طوائفوں کے تماشوں میں سے کوئی بھایا جو خاص اُسی کی خاطر شروع کر دار کھے تھے۔ آتش عشق سینہ میں سُلگ رہی تھی۔ پدماوت پر تصرف پانے کی دُھن لگ رہی تھی کھانے سے فراغت پاکر رخصت ہونے لگے تو بادشاہ نے راجہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ باتیں کرتا ہوا روانہ ہوا۔ راجہ بھی معزز مہمان کی عزیز خاطر کے لحاظ سے بطور مشایعت ہمراہ چلا۔ بادشاہ نے راجہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور شکر گذاری و عاطفت کی باتیں کرتا ہوا ساتھ ساتھ لیتا چلا۔ پہلے کہا ہمارا ارادہ ہے کہ جو ملک ہمارا آپ کے علاقہ کے قریب ہے وہ بھی آپ کو ہی دیا جاوے۔ پھر کہا ہمارے فیلخانہ میں ہاتھیوں کی کثرت ہوگئی ہے دہلی پہونچکر ایک سو فیل بطور تحفہ آپ کو بھیجا جاوے گا اور ایک ہزار اسپان راہوار بھی ہمراہ آویں گے۔ راجہ لالچ میں آکر پیچھے مُڑنا یہانتک بھول گیا کہ باتیں کرتا کرتا بادشاہ کے ساتھ کچھ دور تک قلعہ کے باہر چلا آیا۔ بادشاہ کے آدمیوں نے گھیر کر قید کر لیا جو اسی مطلب کے واسطے پہلے سے گھات میں لگا رکھی ہے ؎

سینتالیسواں باب

عاشق کا قید کی مصیبت اُٹھانا

معشوق کا بلبلانا

سُلطان علاؤالدین نے راجہ کو کیمپ میں لا کر بھاری لوہے کی زنجیر پاؤں میں اور ہتھکڑیاں ہاتھوں میں ڈالیں بدنامی کا طوق گردن میں خود ہی پڑ چکا تھا دہلی پہنچنے کی جو لولگ رہی تھی وہاں ایک روز کا توقف بھی مناسب نہ دیکھا اور کوچ پر کوچ کرتا ہوا ساتویں روز دہلی آپہنچا لٹیرے مغل اُس کی آمد کی خبر سُنکر فرار ہو گئے اور جو جو سردار بغاوت پر تیار تھے سب دب گئے۔ غرضیکہ ایک دفعہ پھر دہلی میں امن و امان قایم ہوگیا افسوس سُلطان علاؤالدین نے اپنے شاہی قیدی کے ساتھ وہ سلوک ہرگز نہ کیا جو

عالی ہمت بادشاہ اپنے مغلوب دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں بلکہ بیچارہ مظلوم راجہ سے اسطرح پیش آیا کہ کوئی اپنے باپ کے قاتل سے بھی اس بے رحمی سے پیش نہیں آتا جوشِ شہوت اور غرور حکومت کے مغلوب انسان عدل و انصاف کی کارروائی اور خدا کے خوف کا بہت کم دھیان رکھتے ہیں چند روز تو سلطان نے راجہ کو معمولی قید خانہ میں بند رکھا اور اس بات پر بہت زور دیتا رہا کہ چتوڑ سے رانی کو منگوا دے لیکن جب راجہ نے کسیطرح اس بات کو منظور نہ کیا تو حبشی داروغہ جلاد انکو بلاکر حکم دیا کہ راجہ کو ایسی اذیت پہونچاؤ جو عشق کا بھتنا سر سے اتار دے اور رانی کو منگوا دینے سے اپنی مخلصی غنیمت جانے اُس جلاد نامراد نے اپنے بیرحم مالک کا حکم پاکر راجہ رتن سین کو ایک آہنی قفس میں قید کیا جس میں انسان صرف بیٹھ سکتا تھا لیکن لیٹنے کی کہیں گنجایش نہ تھی بلکہ اگر پنجرے کی دیوار سے سہارا بھی لگانا چاہے تو پیٹھ اور پہلو لوہے کے تیز کانٹوں سے زخمی ہو جائیں جو ہر طرف اندر کے رُخ اس پنجرے میں لگے ہوئے تھے یہ تو اُس گرفتارِ بلا کو مسکن ملا اب کھانے پینے کا حال سُنئے کہ پانی مانگتا تو آگ لے کر دوڑتے کھانے کو کہتا تو آکے سر پر سوگری لگاتے اور کہتے اے سزا اور عقوبت بہت کھا پی چکا آگے ہوش ہے تو رانی منگوا دے دوپہر کے وقت دو شخص بے مرشد و بے پیر منکر و نکیر کیطرح سوال جواب کرنے آتے اور آکر کہتے تو نے کبھی شہر خموشاں کا سیر بھی کیا ہے جہاں مردوں کی ہڈیوں کے انبار پڑے ہیں اور قبریں موہنہ کھولے انتظار میں ہیں چند روز بعد تو بھی کھود کے گاڑ دیا جاویگا پھر گڑھے سے نکلنا نصیب نہ ہوگا انواع و اقسام کی تکلیفیں کیوں جھیلتا ہے۔ اب بھی چتوڑ سے پدمنی کو بلا بھیج کہ فی الفور نجات ملے انکار کرے گا تو اسی قید میں جلے اور مریگا۔ تیسرے پہر چند سفید پوش دراز ریش بھلے مانس آدمی سمجھانے آتے اور کہتے کیوں حقِ خدمت بادشاہ بجا نہ لایا اور کس شیخی پر غرور کے کلمے منہ سے نکالتا تھا تو یہ نہ سمجھا کہ بادشاہ روئے زمین کا مالک ہے اُس کی نافرمانی ضرور ہی پر مصیبت لائے گی اب بھی بادشاہ کا حکم بجا لا رانی کو منگوا دے یہی صورت تیری رہائی کی ہے سلطان سے صفائی کر لے نہیں تو تجھے بُری طرح سے عذاب دیں گے کہ یاد کرے گا ہاتھ جوڑ کر

تعمیل ارشاد کرے گا لیکن پھر کیا عزت رہے گی۔ اب تو راج پاٹ سب کچھ قایم رکھا جاوے گا بلکہ اور بہت حصہ ملک عنایت ہوگا۔ سیانا ہوکر نادان کیوں بنتا ہے ایک عورت کے پیچھے جس کی ذات بیوفا ہے خوبصورتی چند روزہ ہے اُس کا بھروسا ہی کیا ہے گمنامی کی موت سے مرتا ہے اسطرح راجا کو بہت سمجھاتے تھے لیکن وہ کچھ جواب نہ دیتا۔ خونِ جگر کھا کر خاموش ہی رہتا۔ مرنے کی تو اُس نے ٹھان لی تھی۔ افسوس فقط اتنا دل میں تھا کہ پدماوت کے دل کا حال اُس کے بعد کیا ہوگا بس اسی غم میں وہ گھلا جاتا تھا۔ علاوالدین نے ہر چند کوشش کی کہ راجہ بات مان جائے۔ اور رانی کو بلوا دے لیکن کچھ فایدہ نہ ہوا پھر تو طبیعت اور بھی گھبرائی کہ فرطِ غضب سے باولا ہی تو ہو گیا حکم دیا کہ راجہ کو سخت عذاب پہونچاؤ چنانچہ کبھی گرم چمٹوں سے اُس کا بدن داغتے تھے بچھوں اور بھڑوں سے کٹواتے تھے پھر آگ میں سُرخ کی ہوئی سستی پہر لٹاتے تھے کہ دوران خون بند ہو جاتا تھا یہ سب کچھ راجہ رتن سین سہتا تھا اور زندہ رہتا تھا اب حیران ہوں گے کہ ایسے عذاب کا تو پہاڑ بھی متحمل نہیں ہو سکتا وہ انسان ہو کر کسطرح اسے برداشت کرتا تھا۔ ناظرین یہ حضرت عشق تھے جو خود ہی راجہ کو عذاب کرتے تھے اور خود ہی برداشت کرتے تھے ورنہ بیچارہ انسان کی کیا طاقت عشق کی کرامات سے آپ واقف نہیں ہیں۔

شعبدے عشق کے عالم میں ہیں بے حد و شمار
رنگ چھولوں کے یہ عالم میں بدلتا ہے ہزار

کہیں بوئے گلِ خنداں ہے کہیں صوتِ ہزار
کہیں انداز خزاں ہے کہیں بطرز بہار

باغِ دُنیا میں شگوفے ہیں نرالے اس کے
جان پر کھیلتے ہیں جاننے والے اس کے

قلزمِ عشق میں ہر قطرہ ہے گردابِ خطر
کبھی غواص خرد لا نہ سکے تھے گوہر

کشتیِ عُمر رواں کھائے ہے اس میں چکر
اسی وہ موج ہے لہرائے طبیعت جس پر

دستِ و پا مار کے نکلا نہیں مارا اس کا
پاٹ دریائے قضا کا ہے کنارا اس کا

کشورِ دلیں بشر کے ہی شہر کرتا ہے
خاک اُڑاتا ہے رخ اپنا یہ جدھر کرتا ہے

ہر تر و خشک میں ہر بار اثر کرتا ہے
بن کے صرصر ہی گلشن میں گذر کرتا ہے

شوق کے دام میں بلبل کو پھنسا لاتا ہے
بن کے بوئے چمن گل میں سما جاتا ہے

یہ وہ ہے شمع کہ لو اس سے لگائی جو بشر — شکل پروانہ وہ جل بھن کے بنے خاکستر
آتشِ شوق میں اس کو یہ جلیے سوزِ جگر — کہ رہے صورتِ شعلہ نہ سراپا کی خبر
چشمِ عالم کو یہ اندھیر دکھا دیتا ہے — ہر چراغِ دلِ روشن کو بجھا دیتا ہے

جب اُدھر راجہ پر یہ نا مہربانی ظلم و ستم ہو رہا تھا ادھر پدماوت پر راجہ کی مفارقت میں کوہ غم ٹوٹ پڑا اس کے ہجر میں اسطرح جلتی تھی جیسے چراغ میں بتی دن بدن سوکھتی چلی جیسے پانی بن بیل آنکھوں سے وہ یار روتی تھی اگر دل کی جلن ضرور نہ ہوتی تھی دن بھر حویلی کے رخ موتھ کئے محل پر بیٹھی راجہ کی راہ دیکھا کرتی جو کوئی اُس راہ سے آتا اُسے بلوا کر راجہ کی خبر پوچھتی اگر کسی سے اُس گل کی بوتک نہ پاتی چھاتی کوٹ کر کہتی کون ایسا ہو جو پیارے شوہر کے آنے کی خبر لادے یا مجھے وہاں تک پہونچا دے اُس کی خاک پا کو توتیا ے چشم بناؤں ۔ صدقے ہو جاؤں ۔ زندگی بھر اُس کا احسان نہ گنواؤں ۔ ہائے بخت بد میرا شوہر تو نے کہاں پہونچا دیا کہ اُس کا سُراغ تک نہیں ملتا ۔ کاش مجھے یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی موت آتی میں بدقسمت محلوں میں رہتی ہوں پیارا شوہر نہ معلوم کس مصیبت میں مبتلا ہو گا اسیطرح رات دن بلکا کرتی تھی جس دن سے راجہ قید ہو کر گیا کبھی پلنگ پر نہ سوئی نہ کپڑے بدلے دوسرے تیسرے دن باسی کھانا کھاتی اور ہر وقت شوہر کی یاد میں آنسو بہاتی کبھی کبھی دل میں ایسی ہوک پیدا ہوتی کہ دیوانہ وار محل میں اِدھر اُدھر دوڑی پھرتی اور ایسا واویلا کرتی کہ سُنکر دوستوں کے کلیجے میں سوراخ ہوتا دشمن آٹھ آٹھ آنسو روتا ایک طرف رانی ناگمتی راجہ کے فراق میں ماہی بے آب کیطرح تڑپا کرتی اُس کا آہ و نالہ سُنکر سب پرندہ چرند کا دل پانی ہوا جاتا تھا لیکن بے بس تھے ہر چند سوچ بچار میں تھے لیکن اب تک کوئی تجویز راس نہ بیٹھی تھی قلعہ میں در و دیوار پر مایوسی و اداسی برس رہی تھی جہاں جہاں بزمِ نشاط آراستہ ہوا کرتی تھی وہاں لوگ صفِ ماتم پر بیٹھے غم کا چرچا کرتے جہاں چنگ دف کی دلکش آوازیں غمگین سے غمگین انسان کے دل کا غنچہ بھی شگفتہ کیا کرتی تھیں وہاں لوگ سرد آہیں بھرتے نظر آتے تھے مندروں میں باجوں کا وہ شور سُنائی نہ دیتا تھا نہ بازاروں میں وہ دھوم دھام دیکھنے میں آتی ہر طرف سناٹا گھروں میں رونا پیٹنا

کوئی چپ چاپ ایک گوشے میں بیٹھا آنسو بہا رہا ہے۔ کوئی مجنون وار کوچوں میں دوہائی مچاتا پھرتا گلشن میں بھی خاک دھول اڑ رہی تھی۔ بلبل و قمری کا نالہ بیقرار کرنے والا تھا گل و گلزار کا تماشا دل دُنیا سے بیزار کرنے والا تھا ۔

زد عہدِ خزاں نفس بہ بستاں — نیلوفر زار شد گلستاں
بگرفت بموج گل زسردی — شنگرف نگار لاجوردی
گلہا بنمود در جوانی — ہمچوں نرگس بناتوانی
بے برگ درخت ماند ہر سو — چوں برہمن برہنہ بر جو
از غم دلِ مرغ گرد افگار — بر سینۂ غنچہ ناخن کار
با این ہمہ خوں کہ در رگِ اوست — گل را یرقان ودید در پوست
از برگ نماند جز بخارے — وز سبزہ نماند جز غبارے
گردید چمن بہ بلبلاں تنگ — بشکست پے زوے بوستاں رنگ
گل شد چو دماغ خشک بیتاب — میش چو مزاج شیشہ بے آب
بازار گل و بہار بشکست — ہنگامۂ روزگار بشکست
ہم افسرِ لالہ واژگوں شد — ہم رایت نارون نگوں شد
ہر برگ بخونِ خویش تیغے — ہر گل بحیاتِ خود دریغے

اڑتالیسواں باب

وفاداری کا امتحان

چتوڑ گڈھ سے تھوڑی ہی دور کنبھل نیر کا راج واقعہ تھا۔ جہاں راجہ رام پال حکمرانی کرتا تھا اس پال اور سین خاندان میں مدت سے دشمنی چلی آتی تھی دونو خاندان ہمیشہ باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور ایک دوسرے کو زیر کرنے اور نقصان پہنچانے میں مقدور بھر کوتاہی نہ کیا کرتے تھے آبا و اجداد کی رسم کے موافق دونو موجودہ حکمران یعنے راجہ رتن سین اور رام پال بھی ایک دوسرے کے دشمن تھے راجہ رتن سین کی طبیعت

میں فیاضی بہت تھی - لڑائی میں رام پال کو کئی دفعہ زیر کیا لیکن تباہ نہیں کیا - ہمیشہ نذرانہ لیا اور مراجعت کی - رام پال دل کا سیاہ تھا ہمیشہ موقعہ کی تلاش میں رہتا کہ قابو پالے تو راجہ رتن سین کو مار گرالے اب جو راجہ قید ہو کر دہلی پہنچا تو راجہ رام پال نے موقعہ کو غنیمت جانا اور راجہ رتن سین کی عزت برباد کرنے کے لئے رانی پدماوت کو محل سے نکال لانا چاہا اُس نے رانی کے حسن و جمال کی تعریف بھی بہت کچھ سُنی ہوئی تھی اور ایک طرح پر غائبانہ اُس کا عاشق تھا مگر راجہ رتن سین کے خوف سے ہمیشہ دم بخود رہتا تھا اب جو دل کی مُراد بر آئی تو ایک طرار کٹنی بلائی جس کی تعریف میں عاقل خان رازی یوں فرما گئے ہیں

روئے چوں پُشت مار پیچ گشتہ — پُشت چوں موئے یار حلقہ زدہ
سخت جاں سُست ہمدم مکارہ — صورتش مثل نفس امارہ
کہنہ پیرے کہ در جوانی خویش — بود مشغول کامرانی خویش
چوں سیہ مو شدہ سپیدہ موئے — رفت آب جوانیش از جوئے
آب در جوئے دیگراں مُردہ — آتشِ خویش کردہ افسردہ

جب وہ پیر زال ورشت خصال حاضر ہوئے تو راجہ نے اُس سے کہا جس طرح بنے چتوڑ میں جا اور پدماوت کو دم دے کر محل سے نکال لا کامیابی کے ساتھ واپس آئے گی تو ایک لاکھ روپیہ انعام پائے گی - یہ احوال سُنکر اُس مکارہ نے لباس عیاری تنِ ناپاک پر چُست کیا اور میوہ کی ٹوکری سر پر رکھ کر چتوڑ گڈھ میں آئی - عورت فاتت تھی بلا رکے ٹوک رانی کے محل تک پہونچ گئی بلکہ رانی کی جبلی نیک طبعیتی کی وجہ سے خدمت میں بھی حاضر ہو گئی آتے ہی رانی کا سر گود میں لیکر گڑ گڑا کر رونے لگی - یہانتک کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی پدماوت حیران کہ جان نہ پہچان یہ کون ایسی درد خواہ پیدا ہو گئی کہ میری حالت زار پر دریا رو رہی ہے کچھ نہ تھی تو پوچھا لو کون ہے - کٹنی نے سنبھلکر جواب دیا بیٹی میں بھی سنگلدیپ کی رہنے والی ذات کی برہمنی ہوں تو بھی شیرخوار ہی تھی کہ میں ہندوستان میں بیاہی گئی - اب کنبھل میر میں ودے خاوند کے ہاں رہتی ہوں تیرا حال سُن حب وطن نے جوش مارا بے اختیار [illegible] آتی ہی [illegible] کے حضور میں خالی ہاتھ جانا

ایک قسم کی گستاخی ہے۔ یہ میوہ کی ٹوکری لیتے آئی۔ رانی دوسرے خاوند کی سُن کر متحیر
رہ گئی غیرت نے چاہا کہ فوراً باہر نکال دے لیکن ہموطنی کا خیال آگیا بجائے طعن و تشنیع
کرنے کی بکمال صفائی نیت سے اُس مکّارہ کے گلے لگ کر رونے لگی اور سچ مچ اُسے [illegible]
کی برہمنی سمجھی تھوڑی دیر کے بعد کُٹنی نے ٹوکری سے سیب اُٹھا کر رانی کے پیش کیا
اور کہا میری خاطر اسے نوش جان فرمایئے۔ پدماوت نے آہ بھر کر کہا بوا تیرا خیال
کدھر ہے۔ راجہ دہلی بادشاہ کی قید میں ہے عیش و آرام سب وہ ساتھ لے گیا۔
کھانا پینا چھوٹ گیا اُس بن امرت ملے تو ہاتھ نہ لگاؤں۔ تیرا سیب کیا چیز ہے۔
کُٹنی نے ذری جھیپ کر کہا رانی ابھی تیرے کھیل تماشے کے دن ہیں جوانی میں فرقت
کا روگ کہ درد بے درماں ہے جان کو کیوں لگاتی ہے جوانی ہے تو سارا جہان ناز
برداری کرنے والا ہے یہ رونے دھونے میں جاتی رہی تو پھر کب واپس آتی ہے۔
مرد کیا ایک ہی عورت پہ رہتے ہیں۔ بھونرا جہاں پھول پاتا ہے رس چوس جاتا ہے
پدماوت نے کہا بڑھیا اس سے تیرا کیا مطلب ہے میں تیری بات سمجھ نہیں سکتی کُٹنی نے
دُعا و ثنا کے بعد نہایت لابہ سازی و عشوہ بازی سے کہا رانی اصل بات یہ ہے کہ میں
بوجہ اپنے مہاراج کی تیری ہونے کے تیرے رنج و غم میں گھُلی جاتی ہوں تیری مصیبت
کا حال سُنکر پریشان ہوئی جاتی تھی دل میں سوچتی رہتی کہیں ایسی تدبیر ہاتھ آ جائے
جس سے رانی کا دکھ درد سب دور ہو جائے کنبھل نیر کا راجہ سام پال راجہ رتن سین سے
بھی بڑھ کر رسیلا جوان ہے دل سے تجھ پر قربان ہے نام پر جان فدا کرتا ہے اُس کے
ہاں چل رہو وہ ہی دن میں چتوڑ گڈھ کو بھول جاؤ رانی کی آنکھوں میں یہ سُنکر خون اُتر
آیا غصب کی حالت میں کچھ بولا چاہتی تھی کہ خادموں نے اُس دلالہ محتالہ کو دھکے مار کر
نکال دیا۔ پدماوت دیر راجہ کی یاد میں رویا کی اُسے دیکھ کر سب سہیلیوں کا دل بے قابو
ہو گیا وہ بھی زار زار رونے لگیں دو اڑھائی گھنٹہ بعد جب رانی کو ذری قرار آیا تو وزیر
کو طلب کر کے حکم دیا ایک عالیشان مہمان سرائے بنوا کر جو مسافر آئے اُسے وہاں عزت
سے رکھو اچھا کھانا دو صبح روانہ ہونے لگے تو مرد ہو تو اُس کے آنے جانے اور کوئی نئی خبر
سُننے کا حال لکھ کر ہمارے پاس بھیجو عورت ہو تو ہمارے پاس ہی بھیجدو ہم خود ہی

پوچھہ لیں گئے۔ اسی سے اُس مغموم جگر چاک کی مُراد اُس گرفتارِ دامِ بلا کی خبر دریافت کرنا تھا۔ راجہ کی رنج و زحمت مصیبت و آفت کا حال قید ہونے کے دن سے آج تک کچھہ بھی معلوم نہ ہوا تھا اور یہ رانی کے دل پر ایک اور بڑا بھاری صدمہ تھا ۔

دہلی میں سُلطان علاؤالدین نے راجہ پر ہر چند عذاب شدید کیا گرم لوہے سے جلایا پہروں دھوپ میں بٹھلایا مہینوں سونے نہ دیا کپڑے بدلنے نہ دئے۔ ہاتھہ مونھہ دھونے نہ دیا حبشی تازیانہ اور موگریاں لگاتے رہے بچھو اور بھڑ کاٹ کاٹ کر کھاتے رہے لیکن اُس عاشق صادق نے اُف تک نہ کیا جو حضرتِ عشق نے دیا سب سر آنکھوں پر لیا۔ جب بادشاہ نے اس طرح پر کام نکلتا نہ دیکھا تو ایک اور چال چلا یعنے ایک کُٹنی کو بلایا ۔

اشعار

بود دلالہ پیشہ مُطربہ — دلبر و تن براست ندہنہ
سندو رعنا و شوخ و مکارہ — حیرت افزائے چشم نظارہ
دل و دیدہ بمرد و زن دادہ — ہر کہ دستش گرفت تن دادہ
شعلہ انگیز آتش زن و مرد — آتش افروز سینۂ دل سرد
بسکہ آبِ شباب ریختہ بود — ابروش ہمچوں آب ریختہ بود
رفتہ در خویش آبِ تشنہ لباں — رفتہ از روئے ابروانِ زباں
آتشِ حملہ شعلہ زن میخواست — ہمہ را آتشِ خویشتن میخواست
ہر کہ در خرمنِ خود آتش زد — خرمنِ غیر زودتر سوزد
آنکہ بر نفسِ خویش پردہ درید — پردۂ دیگرے نیارد دید

سُلطان نے ایسی کُٹنی کو جس کی شان میں اوپر کے اشعار بیان ہو چکے ہیں ۔ پدماوت کے وصال اور اس کے عشق کی بابت کل ماجرا کہہ سُنایا اور کہا جس طرح ہو سکے چتوڑ گڈھ جا اور پری کو کوہ قاف سے اُڑا لا پدماوت جب مُجھے ملائے گی تو مُنہہ مانگی مراد پائے گی اور ایک لاکھ روپیہ کی انگشتری ہاتھ سے اُتار کر اُسی وقت مرحمت کی اب اُس کُٹنی نے کیا کیا زیور اور زرق برق کے رنگین کپڑے اُتار ڈالے مُنہہ پر خاک ملی گلے میں کفنی۔ پاؤں میں کھڑاؤں۔ کانوں میں مندرا ڈال صاحب کمال جوگن بن بیٹھی اور

ایک طنبورا ہاتھ میں لے چتور گڈھ کا راستہ لیا راہ میں جہاں کہیں ٹھیرنے کا اتفاق ہوا طنبورا سنبھال ہو بیٹھی اپنے حلق داودی اور علم موسیقی کی واقفیت سے جو ٹھمری یا ٹپہ گایا کمال ہی کر دکھایا۔ ایسے درد انگیز عاشقانہ راگ گاتی کہ سننے والوں پر ایک حیرت چھا جاتی کیسا ہی سنگدل انسان کیوں نہ ہوتا زہرہ آب آب کر دیتی۔ جو کوئی احوال پوچھتا تو جواب میں یہہ اشعار آبدار سناتی۔ اشعار

کسی طالع ور کی جائی ہوں نیں — محل چھوڑ جنگل میں آئی ہوں نیں
نہ پوچھو میرا حال اے مہرباں — کہ از بس فلک کی ستائی ہوں نیں
الم سے ہوا دل میرا پاش پاش — کہ فرقت کے صدمے اٹھائی ہوں نیں
گیا چھوڑ مجھ کو وہ میرا صنم — اسی فکر و غم کی دبائی ہوں نیں
نہ پائی نہ پیغام اب تک ملا — عجب دل سے اس نے بھلائی ہوں نیں
جوانی میں دل کو لگا یا ہے روگ — کہ یوں اس نے جوگن بنائی ہوں نیں
جہاں جہاں مارا اُسے ڈھونڈتے — نہ اب تک پیا کو پائی ہوں نیں
ملا مجھ کو سالک میرا راہرو — پھری سب خدا کی خدائی ہوں نیں

لوگ اس کے عشق صادق اور جوش محبت کو دیکھکر عش عش کرتے اور اُس کی جوانی و حُسن لاثانی کو دیکھکر افسوس کھاتے پھرتے پھرتے چتوڑ میں آئی اور رانی پدماوت کی خدمت میں باریاب ہوکر اپنی کہانی فریب ناگہانی ایسے دردناک لہجہ میں سُنائی کہ پدماوت کی رہی سہی ہوش کافور ہوگئی۔ جب اُس نے اپنے گمشدہ شوہر کی تلاش میں جوگی بنا کشش محبت سے گھر بار چھوڑ کر صحرا نوردی کرنا بیان کیا تو پدماوت حسن و عشق اور درد فراق کا ماجرا سُنکر ایسی بے قرار ہوئی کہ جوگن کے گلے ملکر ڈاڑھیں مارنے لگی کبھی ادب سے اُس کے سر آنکھوں پر بوسہ دیتی کبھی چھاتی سے لگاتی ہر بار اُس پر تحسین و آفرین اور اپنے پر نفرین کرتی کہ خاوند کو بھلا کر محلوں میں بیٹھی رہی ہے۔ پھر جب جوگن نے کہا میں پھرتے پھرتے دہلی گئی وہاں راجہ رتن سین کو قید کے عذاب میں دیکھکر رونگٹے کھڑے ہو گئے تو رانی پدماوت کا یہ سُنکر کلیجہ پھٹ گیا اور جوگن کی منتیں کرنے لگی کہ مجھے بھی چیری بنا کر دہلی لیجا اور راجہ سے ملادے جوگن نے

جب دیکھا کہ رانی ہتھے چڑھ گئی ہے تو چپکے سے کان میں کہا بیقراری نہ کر اور خاموش رہ۔ علاینہ یہ لوگ تجھے میرے ساتھ جانے نہ دیں گے۔ موقعہ پا کر میں الگ تجھے نکال لے جاؤنگی۔ اسطرح جب سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی تو رانی پدماوت جوگن کو خاص کمرہ میں لے گئی اور لگی تجویزیں کرنے۔ اتفاقاً اسیوقت گورا و بادل رانی جی کو پرنام کرنے آئے اور خادمہ سے پوچھا اس وقت رانی جی کہاں ہے اُس نے معاً کہہ دیا ایک جوگن نووارد کے ساتھ خلوت میں ہیں گورا بادل کے دل میں پہلا کُھٹکا والا معاملہ کھٹک گیا اور اطلاع بھیجکر رانی جی کیخدمت میں حاضر ہوئے جوگن کو بھی دیکھا اور فراست سے معلوم کیاکہ ضرور دال میں کالا ہے۔ رانی جی سے ہاتھ جوڑ کر کہا آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اس وقت بھی ہماری عرض ہے کہ جو تجویز بن رہی تھی سچ سچ کہہ دیں رانی نے کہا میں اس جوگن کی چیری ہو کر اس کے ساتھ مل جاتی ہوں اور راجا کی خدمت بجا لاتی ہوں۔ یہ سُنکر دونو سرداروں کے حواس باختہ ہو گئے اور فریب کو سمجھ کر جوگن کو تو نکال باہر کر دیا اور رانی جی کو سمجھایا کہ آپ کے قلعہ سے باہر قدم دھرتے ہی بادشاہ کے آدمی جو ہر وقت کمین میں لگے رہتے ہیں پکڑ کر لیجائیں گے اور علاؤالدین کے پاس لیجائیں گے صبر سے گھر میں بیٹھئے اور تقدیر پر شاکر رہئے یہ سُنتے ہی رانی دم بخود رہ گئی اور راجہ کی یاد میں آہ و فغاں کرنے لگی ؎

کائے دریغا رتن بر رنج و جفا | من تن آسودہ نیست راہِ وفا
او نہادہ بخاک روئے نیاز | من نہم بالشِ ناز
تنش از کاوش خاک بیخواب | من و ہم تن بہ بستر سنجاب
گردن او بہ بند حلقۂ غُل | من بگردن نہم حمایلِ گُل

اُنچاسواں باب

رہائی پانا قفس سے اُس عاشقِ ناتواں کا ملنا

محبوب مطلوب سے پھر قفس عنصری سے پرواز کرنا اس کے مرغِ جان کا

روتے روتے پدماوت کو غش آگئی ایسی بیہوش ہو کر فرش پر گری کہ سب نے خیال کیا مری کہ مری دو چار لونڈیاں دوڑی گئیں اور گورا بادل کو بلا لائیں انہوں نے آتے ہی حکیم۔ بید۔ ڈاکٹر کو طلب کیا اور مداوا شروع ہوا دو گھنٹہ بعد رانی نے ذرا سنبھالا لیا۔ تو اوروں کے ہوش بھی بجا ہوئے پرمیشر کا شکر کیا رانی نے گورا بادل کو سامنے بلا کر کہا۔ اے میرے راجہ جی کے قوت بازو قوم راجپوت کی آبرو تمہارے دم سے ہے۔ تم ہندو دھرم کی پناہ ہو قلعہ میں آج راجہ جی کی بجائے بادشاہ ہو" جان لو کہ اب میری مزاج کا اعتدال بگڑتا جاتا ہے۔ جنون ہر دم طبیعت پر غلبہ پاتا ہے۔ آوارگی کے سوا یہ کوئی صلاح نہیں دیتا لیکن میرا آوارہ ہونا ننگ ناموس کا کھونا ہے زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ ایک ستونتی نار سے یہ کام باعثِ عار سراسر غضب ہے۔ لیکن دل بے قابو ہے ماجرا بے ڈھب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم مجھے زندہ چتا میں جلنے کی اجازت دو کہ ننگ و ناموس پر آنچ نہ آئے دھرم کی بات رہجائے یہ سن کر کل حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سب کے ہوش اڑ گئے۔ پاؤں تلے کی مٹی کھسک گئی۔ انہیں دونو سرداروں یعنے گورا بادل نے آگے بڑھ کر رانی کی خاکِ قدم کو چوما اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا آپ پانچ روز صبر کریں۔ کہ پنچکاں نکل جاویں۔ چھیویں روز یہاں سے کوچ ہوگا۔ جبتک راجہ کو چھڑا کر نہ لاویں گے۔ زندہ منہ نہ دکھلاویں گے۔ قسم ہے خالق اکبر کی کہ آج سے دنیا کی کل نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کیا۔ جبتک راجہ کو رہائی نہ دلائیں گے چین نہ پائیں گے۔ صرف آپ ہمارے منصوبہ کا نتیجہ نکلنے تک اطمینان سے محل میں بیٹھے رہئے کہ ہمارے دل کو اس طرف سے اطمینان رہے۔ پدماوت نے کہا میری زندگی بچانے کی بھی ایک صورت ہے کہ تم مجھے راجہ جی کے چھڑا لانے کا قول دو اور

یہی اس جنون کی بیماری کی دوا ہے ورنہ وحشت دم بدم بڑھتی جاتی ہے صبر و تحمل کا یارا نہیں۔ گورا نے ہاتھ جوڑ کر پھر رانی کی تشفی کی اور رخصت ہوئے۔ پانچ روز برابر ساز و سامان کی فراہمی جنگ کی تیاری میں مصروف رہے چھٹویں روز سولہ سو ڈولیوں میں ہر ایک میں ایک ایک مسلح راجپوت سورما سردار جو رزم کو بزم خیال کرتا لڑائی کے نام پر مرتا تھا زنانہ بھیس میں بٹھا دیا۔ رانی پدماوت کے سکھپال میں بادل کو سوار کیا لیکن اس بھید سے کسی غیر کو نہ خبردار کیا بن ٹھن کر وہ جعلی زنانہ قافلہ دہلی کو روانہ ہوا۔ ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ رانی پدماوت سہیلیوں اور خادموں سمیت راجہ جی کے بلانے پر دہلی جاتی ہے اور وہاں سلطان کے محلوں میں داخل ہو گی۔ علاؤالدین اس خبر فرحت اثر کے سننے سے باغ باغ ہو گیا۔ عرش معلی پر دماغ ہو گیا۔ راستے کے حاکموں کے نام تاکیدی فرمان بھیجے کہ خبردار جہاں رانی رات کو منزل فرمائے تمام ضروری اشیاء مہیا پائے ہر پڑاؤ پر خیمے قناتیں خوش اسلوبی کے ساتھ ایستادہ ہوں۔ ایسی ہوشیاری سے نگہبانی کرو۔ کہ حرم سرا میں پرندہ تک پھٹکنے نہ پائے۔ غرضیکہ قافلہ منزل بمنزل روانہ ہوا۔ جب شہر دہلی دو منزل پر رہ گیا تو دو منزلہ کر کے شام کو جمنا کے کنارے ڈیرے جا جمائے دہلی میں ان کے آج آنے کی مطلق خبر نہ تھی سب کو دوسرے دن پہونچنے کی امید تھی۔ سلطان علاؤالدین اس محل کی سجاوٹ میں مصروف تھا جہاں رانی پدماوت کو اتارنے کی تجویز کر رکھی تھی امیر وزیر باہم گفتگو میں مشغول تھے کہ آخر قید بڑی بلا ہوتی ہے۔ راجہ نے بہتیرا ہٹ کیا لیکن آخر ضد سے ہٹ گیا۔ رانی کو منگوا ہی دیا۔ کوئی کہتا جہاں پناہ کا اقبال بڑا زبردست ہے۔ دشمنوں کا حوصلہ اس کے آگے پست ہے کوئی کہتا بیچارہ نے عقوبت تو بہت سہی افسوس رنج پا کر سلطان کی آن مانی ٭ ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ اسی اثناء میں ایک راجپوت سردار رانی پدماوت کا پیغام سلطان کے پاس لایا جس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ رانی کو صرف دو گھنٹہ راجہ کے پاس رہنے کی اجازت دیجئے تا کہ وہ اسے اپنے عقیدے کے مطابق طلاق دے کر حضور کی خدمت میں چلی آوے۔ خوش دل سلطان

نے فوراً داروغۂ محبس کے نام فرمان جاری کردیا اور جعلی رانی یعنے بادل شجاع بے بدل کا سکھپال راجہ کے پاس پہنچا چھینی ہتھوڑی اُس کے پاس تھی نکلتے ہی قفس توڑ راجہ کی بیڑیاں کاٹ ڈالیں اور گوراکو کہا تو راجہ کو لے کر چتوڑ پہونچ یہاں میں جانوں اور سلطان علاؤالدین بادل نے چند اسوار ساتھ لئے اور پارے کی طرح راجہ کو لے اُڑے راہ میں جابجا گھوڑوں کی ڈاک بٹھا رکھی تھی۔ دم جب لیا کہ چتوڑ آ پہونچے جو دگ عشق کی لاگ سے کچھ بھی واقف ہیں اُمید کہ وہ اُن طالب و مطلوب کی خوشی کا اندازہ کچھ کرسکتے ہیں جو اس لنبی مصیبت اور فرقت کے بعد نصیب ہوئی کتاب عرفان کے صفحوں کی طرح آپس میں لپٹ گئے اور اپنی اپنی تکلیف ایک دوسرے کے پاس بیان کرنے لگے ۔

وہ غرقۂ بحر ظلم و بیداد — دریا رویا سُنا کے فریاد
خاطر کی کدورتیں عیاں کیں — زندان کی وہ صورتیں بیاں کیں

پھر بوٹا سا قد پردۂ داغ یعنے نخلِ محبت کے ثمر دکھلا کر سُلطان کے عذاب دینے کا احوال سُنایا ۔

رو کر پدماوت دل افگار — بولی کہ خدا کو علم ہے یار
پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے — دیدے میرے نقش پا تھے تیرے
مشکل مجھے اپنا تھا منا تھا — ہر وقت قضا کا سامنا تھا

پھر راجہ رام پال کے کُٹنی بھیجنے اور ورغلانے کی کوشش کا احوال بیان فرمایا۔ راجہ کو حریف کی بیوفائی و بے اعتنائی کا حال سُنکر بہت غصّہ آیا۔ غیرت نے آب چشم سے غبارِ دل دھونے کی۔ فلک نے چار گھڑی اکیجا جمع ہونے کی بھی مہلت نہ دی۔ فرطِ غضب سے قسم کھا بیٹھا کہ بستر استراحت پر راحت جب فرماؤنگا جب مردود رام پال کا سر کاٹ لاؤنگا۔ جان نثاروں نے ہرچند سمجھایا۔ کہ مہاراج چند روز تحمل کیجئے۔ من بعد بخوبی انتقام لیا جاویگا۔ مگر مانا اور سپاہ لے کر کنبھل نیر کیطرف کوچ کیا آفتاب نے ابھی افق شرق سے سر بھی نہ نکالا تھا سوز سحر نے کھیتوں پر اپنا سایا بھی نہ ڈالا تھا۔ کہ راجہ [illegible] قلعہ کو گھیر [illegible] رام پال بھی [illegible] لیکر قلعہ سے نکل آیا ہنگامہ

محشر بپا ہو گیا وہ گھمسان کا دن پڑا کہ آن کی آن میں وہ میدان دشت کربلا کی طرح مقتولوں کے خون سے سرخ ہو گیا۔ راجہ رتن سین کے دل میں جو کدورت راجہ رام پال کی طرف سے بیٹھی ہوئی تھی وہ ابھی کب صاف ہوئی تھی گھوڑا اُکدا کر میدان میں آیا اور حریف کو للکار کر پکارا کہ خلق خدا کے خون سے اس ناحق کے امر زبون سے کیا حاصل مرد ہے تو سامنے آ کہ ہنگامہ کارزار کی دل آزاری کشت و خون کی گرم بازاری بند ہو جائے۔ راجپوتی خون میں اتنی تاب کہاں تھی کہ حریف کا نعرہ سُنے اور میدان میں نہ آئے۔ قلب لشکر سے بجلی کی طرح راجہ رتن سین پر آ پڑا اور اس زور سے خنجر مارا کہ قبضہ تک سینے میں گھونپ دی اگر کوئی اور ہوتا تو اسی وقت گر کر دم توڑ دیتا۔ مگر آفرین راجہ رتن سین کے ضبط اور حوصلہ پر اس زخم کاری کی کچھ پرواہ نہ کر کے راجہ رام پال کے وار کا جواب کیا دیا۔ ضرب شمشیر نے اس کے تن کو بار سر سے سبکدوش ہی کر دیا۔ افسر کے مرتے ہی سپاہ بھاگ گئی۔ جب لڑائی کا اس طرح خاتمہ ہو گیا۔ تو راجہ نے خنجر سینے سے نکالا اور زخم کو باندھ کر چتوڑ گڈھ کا رُخ کیا۔ قلعہ کے دروازے پر پہونچا تھا۔ کہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اور گرتے ہی عالمِ جاودانی کو سدھارا۔

پچاسواں باب

منظوم

یہاں اس داستان کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے

جو سُنتا ہے سو حیران ہے جو پڑھتا ہے سو روتا ہے

پُر درد و فغاں اُٹھی وہ رانی سُن راجہ کی مرگِ ناگہانی
خون روئی لباس کو چاک جس جا پہ تھی لاش آئی غمناک
بیٹھی سرِ لاش سمت مضطر سر راجہ کا زانو پہ دھر کر
کہنے لگی سینہ کوٹ کر ہائے [illegible] ہوئے بر حیف

اب دلکو بغیر اس کے کب چین　　جینے کی بدم نہ بن رتن سین
راحت کا اب اٹھ گیا تحکم　　رگ رگ میں میرے سما گیا غم
شادیٔ جہاں بغم بر آمد　　بیرون و درون بہم بر آمد
وہ محفل عیش کی شمع تھا　　جو صبح اجل نے آ بجھایا
وہ شمع نشاط اب کہاں ہے　　جس بن تاریک سب جہان ہے
میں بھی کوئی دم میں ہونگی مردہ　　مانند دم صبح فسردہ
ہے شرط وفا تو ساتھ مرنا　　ہیہات اس سے گریز کرنا
اسطرح وہ بیقرار روتی　　رو رو کے قرار و ہوش کھوتی
ماہی کیطرح تڑپ رہی تھی　　بے طرح تھی اسکی گریہ زاری
بال اپنے کبھو کھسوٹتی تھی　　سینہ کبھو اپنا کوٹتی تھی
مشکیں زلفیں اکھاڑتی تھی　　کپڑے کبھی تن کے پھاڑتی تھی
تھا زیب بدن جو اسکے زیور　　ٹکڑے کیا توڑ کر وہ یکسر
وہ گوہر شب چراغ سنگل　　وہ تازہ بہار باغ سنگل
وہ جسکی کہ خوبصورتی کی　　عالم میں دھوم مچ رہی تھی
وہ جسکی تھی سو دو سو سہیلی　　کوئی تھی سمن کوئی چنبیلی
بلبل کیطرح تھی گرم فریاد　　گر گر تھا پڑا زمیں پہ شمشاد
اپنا نہ کوئی دکھائی دیتا　　جو تھا سو عدو سجھائی دیتا
جینا اسے ہو گیا تھا بھاری　　اس درجہ تھی دل کو بیقراری
اتنے میں جفائی چرخ دیدہ　　وہ ناگمتی ستم رسیدہ
صیاد فلک کی نیم بسمل　　پکڑے ہوئے دونو ہاتھوں سے دل
آئی جہاں پدمنی تھی مغموم　　بے نور تھا چہرہ جیسے مسموم
دل دونوں کا غم سے پارا پارا　　دونو نہیں نہ تاب تھی نہ یارا
دونوں کے حواس باختہ تھے　　دونو کے جگر گداختہ تھے
دونوں میں نہ حوصلہ تھا باقی　　دونوں کو نہ جینے کی ہوس تھی۔

راجہ کے قدم کو بوسہ دیکر — آغوش میں پدمنی کو لے کر
بیساختہ روئی گڑگڑا کر — صدمہ ہوا سامعیں کے دلپر
رونے لگے زار زار سارے — ہونے لگے بیقرار سارے
وہ گریہ زاری کا تھا واہ زور — پہنچا تا چرخ ہفتمیں شور
یوںہی سی چھا رہی تھی گھر پر — سقف و دیوار و فرش و در پر
ہر چند کیا انہیں ہوا سا — پر پکڑتی تھیں نہ وہ دلاسا
یکچند تو دو نو بلبلا کیں — اپنی ہی وہ آگ میں جلا کیں
پھر سمجھ کے تلخ زندگانی — یہ دونوں نے بات دل میں ٹھانی
ہم بھی ہوں رہِ عدم کی راہی — چھائی مہ و مہر پر سیاہی
ہونے کی ستی سمائی دل میں — مٹ جانے کی بات آئی دل میں
منگوا کے لباس سرخ پہنا — پھولوں کا گلے میں ڈال گہنا
سر اپنے میں زعفران ڈالا — لی ہاتھ میں ایک مالا
بننے لگا اک بوان بھاری — لو چلنے کی ہو گئی تیاری
عاجز ہو کہ افسر ہو سپاہ کا — انجام ہے یہ گدا و شاہ کا
راجہ کو بوان میں لٹایا — پل چار نے کندھے پر اٹھایا
اس مالکِ گنج و مال و جاہ کو — اس افسرِ لشکر و سپاہ کو
اس مہرِ سپہرِ مملکت کو — اس ماہِ منیر سلطنت کو
اس فرمانده جہانیاں کو — بخشش کن گنج عامیاں کو
اس باعثِ رونقِ جہاں کو — اس صاحبِ بزم و بوستاں کو
لیجاتے ہیں پر غم و الم میں — ہے آگ میں جلنے کو وہ دم میں
دھواں سا اٹھا دل جہاں سے — اک حشر تھا نالہ و فغاں سے
کہتے تھے بحالِ زار رو رو — اے کاش نہ آئی موت ہمکو
شاید یہ مصیبت و تباہی — یہ رنج و الم یہ جانکاہی —
دکھلاتا نہ بخت گر کبھی یہ — [illegible] حیف صد حیف

اُس نالہ و آہ کے درمیاں میں — اُن سوختہ جان مرداں میں
وہ تیغ ستم کی دونو گھائل — رنڈہ جل جانے پر وہ مائل
وہ ناگمتی ستم رسیدہ — وہ پدماوت جگر دریدہ
ہمراہ تھیں ننگے پاؤں جاتیں — فریاد مچاتیں بلبلاتیں
دل میں نہ تو حوصلہ ڈر تھا — نہ شرم و حیا نہ کچھ خطر تھا
اُس شور و فغاں میں اک سخن تھی — کچھ کچھ تسلی دے رہی تھی
جب کہتے تھے رام رام ہے ست — جب کہتے تھے ہر کا نام ہے ست
یہ نام دُنی تسلی دیتا — سچ کہتے ہیں رام نام ناؤ کا
اس نام ہی کے فقط سہارے — آ پہنچے ندی کے جب کنارے
راجا کو چتا میں لا لٹایا — لے تخت سے تختہ پر سلایا
کی طرف چتا کی رانیوں نے — جب پھر چکیں سات بار گردے
پھر آ کے چتا میں بیٹھیں ششدر — جلنے کو پتی کے ساتھ یکسر
وہ ایک سرہانے آ کر بیٹھی — اس دوسری پائینتی جگہ کی
زانو پہ رکھا لگائے سینے — سر ایک نے پاؤں دوسری نے
آغوش میں یعل پتی کو لے کر — وہ شعلہ رخاں فسردہ اخگر
کرنے لگیں رام رام ہر ہر — صندل کی چتا میں آگ دیکر
جب آگ ہوئی وہی فروزاں — اُن دونوں نے بھر کے آہ سوزاں
حسرت کی نگاہ سب پہ ڈالی — پھر جوڑ کے ہاتھ بینتی کی ۔
اتنے میں اُٹھے بلند شعلے — وہ شعلے کہ اُن کے اتھ ہی تھے
دم بھر میں نکل گئے وہاں میں — اک غلغلہ مچ گیا جہاں میں
اک راکھ کا ڈھیر ہو گئے سب — طالب مطلوب اور مطلب

فریاد و فغاں تھی سب کے لب پر
چرچا یہی ہو رہا تھا گھر گھر

اخیری باب

مایوسی

جب سلطان علاؤالدین نے معلوم کیا کہ وہ زنانہ قافلہ حقیقت میں من چلے سپاہیوں کا ایک گروہ تھا۔ جو سپاہیانہ پیچ کھیل کر اپنے راجہ کو صاف نکال لے گئے ہیں۔ تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ اُٹھی۔ غصّے سے کانپنے لگا۔ نتھنے پھول گئے۔ مُنہہ سے کف جاری ہوئی اور مایوسی و غضب کی حالت میں فی الفور بائیس ہزار سوار ہمراہ لے کر دشمنوں کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ چتوڑ اور دہلی کے درمیان اُس لشکر کو آگھیرا جس کا سردار گورا شجاع بے بدل اپنا منصوبہ پورا پڑنے سے خوشدل فتحمند جرنل کیطرح چتوڑ گڈھ کو واپس جا رہا تھا۔ سلطان کو آتے دیکھ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور للکار کر کہا دو دو ہاتھ کئے بغیر آگے نہ بڑھنا گو ان ایکہزار آدمیوں کی تعداد بادشاہی لشکر کے مقابل میں جو دم بدم پچھلی مدد پہنچتے جانے سے بڑھتا جاتا تھا۔ کچھ نسبت نہ رکھتی تھی لیکن اُن کی شجاعت کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے کہ اُن میں کا ایک ایک سو سو پر بھاری تھا۔ دوپہر تک ہنگامۂ حشر برپا رہا۔ ہزاروں تن بے سر اور سر بے افسر کئے۔ آخر کنور ایک ایک کر کے مرنے لگے۔ گورا شیر مست کیطرح غراتا ہوا جدھر پڑتا تھا صفوں کی صفیں اُلٹ دیتا۔ سلطان نے حکم دیا۔ راجہ رتن سین پدماوت کو لئے آگے بھاگا جاتا ہے جلد اس کو مار دو یا زندہ گرفتار کرو تاکہ راستہ ہو۔ یہ سُنکر دو ہزار سپاہیوں نے گورا کو گھیر لیا۔ لیکن کوئی بڑھ کر مقابل نہ آتا تھا۔ یہ جدھر رُخ کرتا ہر وار میں دس پانچ کا صفایا بول دیتا۔ جب دو سو کے قریب جوان مار چکا تو بادشاہ سے کہا شیر جیتے جی گرفتار نہیں ہو سکتا۔ البتہ مرے پر جدھر کوئی چاہے لیجائے۔ اور گورا جب تک زندہ ہے راجہ رتن سین تک تم کو پہنچنے نہ دے گا۔ اس سے تو بادشاہ اور جل بھُن اُٹھا اور ساری جمعیت کو فراہم کر کے یکبار حملہ کیا۔ گورا کے ہمراہیوں میں سے

کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ اور خود اُس کی زخمی ہو کر آنتیں نکل پڑیں تاہم وہ دستی تلوار لئے مارے جاتا کسیکی تاب نہ تھی کہ اَب بھی اُس کے نزدیک آئے۔ ایک سوار نے کہا گورا آنتیں سمیٹ کر تو کندھے پر رکھ لو کہ گھوڑے کے پاؤں تلے آتی ہیں گورا نے گرج کر کہا جب آخر زمین پر ہی گرنا ہے۔ اور اس میں سمانا ہے تو کیا فکر کرنا ہے۔ یہ کہہ کر ایسے زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ہاتھ میں پانچ سر قلم کر ڈالے۔ اور گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ جب اس جنگ کا اس طرح خاتمہ ہوا تو سُلطان عَلاؤالدین دیوانہ وار دھاوا کرتا ہوا چتوڑ گڈھ پُہنچا یہاں مرد و زن ندی کے کنارے راجہ اور رانیوں کے پھول چُن رہے تھے۔ کسی سے پوچھا یہاں تازہ ہی کس کو جلایا ہے۔ کسی نے جواب تو کچھ نہ دیا۔ چیخیں مار مار کر خاک اُڑا کر سر میں ڈالنے لگے۔ سُلطان علاؤالدین کو جب اصل حال دریافت ہوا تو روتا ہوا دہلی کو واپس لوٹ گیا ؎

سالک ہے جہان جانے فانی ہے نقش برآب زندگانی

جس نے یہاں نیکنام چھوڑا ہرگز نہ وفا سے مُنہ کو موڑا

زندہ رہا جاوداں مقرر اس نکتہ کو لکھ لے اپنے دل پر

زندہ ہے پدم نہ اَب رتن سین لیتے ہیں یہ نام اُنکا دن رین

تھے نقشِ فاکی وہ نشانی باقی نہ رہے رہی کہانی

سُلطان اگرچہ تھا وہ شہ زور پر حرص و ہوا نے کر دیا کور

بیہودہ خیال جب پکایا انجام کو ہاتھ کچھ نہ آیا

عاقل ہے تو کر وفا کو معمول ہو یادِ خدا میں دل سے مشغول

جس شخص نے دھرم کو پہچانا عاقل ہے وہی وہی ہے دانا

ہو خلعتِ علم سے سرافراز رگھو کیطرح نہ ہو دغا باز

دُنیا کے جو دھندوں میں پھنسا ہے رویا ہے کبھی کبھی ہنسا ہے

ہے ناگمستی کا حال گویا
آئینۂ کار و بارِ دُنیا

تمّت
بالخیر